

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

جلد ۲

لفاد (۱۰۰)

حضرت مولانا صفوی عبدالحمید صاحب سواتی

خطیب جامع مسجد نور گوہر حیدر آباد

طبع سولہ

(بجملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

محکم اعرافان فی دروس القرآن (سورۃ البقرہ و آیت ۱۴۱)
 حضرت مولانا صوفی عبدالمجید سواتی خطیب جامع مسجد نور کوثر انوار
 النان لعل، ین۔ ایچ۔ اے۔ صوم۔ اسلامیہ
 ۴۹۹ صفحات
 پانچ سو (۵۰۰)
 سید الخط طبعین حضرت شاہ نقیص الحسنی مدظلہ
 محمد امین اللہ قادری کوثر انوار
 مطبعہ دروس القرآن فاروقی نج کوثر انوار
 ۱۵۵ روپے

نام کتاب

اقوال

مرتب

صفحات

قدیم قیمت

نور

تاریخ

پیش

قیمت

دسمبر ۲۰۰۷ء بمطابق ذیقعد ۱۴۲۸ھ

ملنے کے پتے

- (۱) مطبعہ دروس القرآن محلہ فاروقی نج کوثر انوار (۵) کتب خانہ رشیدیہ درجہ بالا دارالعلوم پٹنہ
- (۲) مولانا شاہ مسعودیہ سورۃ العلوم کوثر انوار (۶) کتب خانہ مجیدیہ امیران پور کیتھون
- (۳) مطبعہ قادیانہ اشفاق وریث لاہور (۷) مطبعہ طبعیہ نزد جامعہ دینیہ کاتھمنڈو
- (۴) مطبعہ سید محمد شہید دارالعلوم دارالعلوم (۸) اسلامیہ کتب خانہ اسلامیہ کتب خانہ آہ
- (۹) مطبعہ رشیدیہ بریلی روڈ نوین

فہرست مضامین

دروس القرآن پارہ ۱ جلد ۱

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲	استقامت کی ضرورت	۱۵	پیش نظر (الحق علیٰ بن سب) ایم اے علوم اسلامیہ لاہور
۳۳	مجاہد	۱۹	سخن گوشت بگشتی دہ خیر شرف فاضل در نصرۃ العلوم دوم الدار
۳۴	سجاد	۳۳	درس اذواق (آیت ۲۱)
۳۵	درس دوم ۵ (آیت ۲۱)	۳۷	سورۃ اور آیت
۳۶	محکمات متشہات مقامات مقطعات	۳۸	آیت کے مختلف معانی
۳۷	۱۰۰۰ م دہان اور ان کی نیکیاں	۳۹	سورتوں اور آیتوں کی ترتیب
۳۸	حدیث مقطعات پر مضمون کے باب ۱	۴۰	صحبتوں کی آثار و مضامین
۳۹	حضرت صدیق اکبرؓ	۴۱	دہ تسمیہ
۴۰	حضرت علیؓ	۴۲	مکی اور مدنی ہجرتیں
۴۱	حضرت ام شمسؓ	۴۳	ترتیب تلاوت کی اہمیت
۴۲	حضرت ابن مسعودؓ	۴۴	فہرست سورۃ
۴۳	حضرت ام رومانؓ	۴۵	مضامین سورۃ
۴۴	مقطعات اسمائے الہی ہیں	۴۶	اہم اور کوائف
۴۵	مقطعات اسمائے قرآنی ہیں	۴۷	سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ میں ربط
۴۶	مقطعات بحیثیت جلیق	۴۸	مقامات دین
۴۷	اہم اخلاقی حکم رائے	۴۹	معرفت الہی
۴۸	عبد اللہ بن عباسؓ کا قول	۵۰	ثبوت نبوت

۵۵	۴۰	انسانوں سے تین گروہ	۱۔ اہل ہودائی کی تحقیق
۵۶	۴۱	کفر معنی	شیخ ابن عربی کا قول
۵۷	۴۲	کفر کی مختلف اقسام	نزول مقطعات معجزہ سرور کائنات
۵۸	۴۳	کفر عظام	اہل یسنادی کا قول
۵۹	۴۴	کفر خور	امام شاہ ولی اللہ کا فلسفہ
۶۰	۴۵	کفر غدار	مولانا سرادوی کا نظریہ
۶۱	۴۶	کفر نفاق	مذہب فریبی کا قول
۶۲	۴۷	کفر شرک	نعت ختمہ
۶۳	۴۸	کفر بہادت	درس سوم ۲ (آیت ۵۱)
۶۴	۴۹	کفر تادیل	لفظ ذہبت کی حکمت
۶۵	۵۰	عملی کفر	لفظ ذہبت کا مفہوم
۶۶	۵۱	کفر و ہریت	روزنامہ تنبیح السنہ کی تعمیر
۶۷	۵۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	متنبین کے لیے ہدایت
۶۸	۵۳	درس پنجم ۵ (آیت ۵۲)	تقویٰ کی تعریف
۶۹	۵۴	گزشتہ سے پیوستہ	تقویٰ کے تین درجات
۷۰	۵۵	ان آیات کا مسدق کون ہیں	متقی کون ہیں
۷۱	۵۶	مہر ملکانے کا مطلب	ایمان بالغیب
۷۲	۵۷	دلوں کی بیاہی	اقامت صلوٰۃ
۷۳	۵۸	اعضائے ریکٹ میں باز پرس ہوگی	انفاق فی سبیل اللہ
۷۴	۵۹	اعضائے ریکٹ میں سے قلب کی اہمیت	کتاب مادی پر ایمان
۷۵	۶۰	غدا ب عظیم کی وجہ	ایمان بالآخرت
۷۶	۶۱	اعضائے ریکٹ کا ہر ایک ہے	ہر بیت ہائے رگ
۷۷	۶۲	دو گشتہ ۱ (آیت ۵۳)	درس چارم ۳ (آیت ۵۴)

۹۰	منافقین کی مثال	۷۱	گزشتہ سے پیوستہ
۹۱	انہجیروں کی مختلف قسمیں	۷۲	منافقین کا گروہ
۹۳	منافقین کی بدعتی	۷۳	منافقین کی قسمیں
۹۵	درس ششم (آیت ۲۰-۲۹)	۷۴	نفاق دینی باریست
"	گزشتہ سے پیوستہ	۷۵	فدائی اور ض
۹۶	منافقوں کی دوسری مثال	۷۶	منافقین کی دھوکہ دہی
"	اعتقادی اور عملی منافق	۷۷	حکومتی سطح پر نفاق
"	دل کی چار قسمیں	۷۸	عذاب عظیم اور عذاب ایہم میں فرق
۹۷	ایمان اور نفاق کی مثال	۷۹	درس ہفتم (آیت ۳۰-۳۹)
"	قلب کی چھ باتیں	۸۰	گزشتہ سے پیوستہ
۹۸	بارش کی مثال	۸۱	حقیقی ایمان
۹۹	منافقین کی بی بی	۸۲	مبارحت
۱۰۰	درس و حکم (آیت ۴۰-۴۱)	۸۳	انسان اور اس کا دل
"	گزشتہ سے پیوستہ	۸۴	حقیقی انسان کون ہیں
"	خاطبات قرآن	۸۵	بیوقوف کون ہیں
۱۰۲	چار ہجرت ضامین	۸۶	منافقوں کی دوسری پالیسی
"	ترتیب	۸۷	استغناء من اللہ کا مفہوم
۱۰۳	صفیات النبی	۸۸	ہدایت کے بدلے عمر بے
"	معرفت النبی	۸۹	درس ہشتم (آیت ۴۲-۴۳)
۱۰۵	جبارت النبی	۹۰	گزشتہ سے پیوستہ
۱۰۶	وجود النبی پر دلائل		کتب آسمانی اور اشد
۱۰۹	درس یازدہم (آیت ۴۴-۴۵)		تفسیر انعام القرآن
"	ترتیب جبارت کے لیے شرط ہے		مثال کی حکمت

۱۳۰	۱۱۰	گزشتہ سے پیوستہ	دلائل توحید
۱۳۱	۱۱۱	حقیر چیزوں کی مثالیں	کب سوال اور اس کا جواب
۱۳۲	"	حیا کی مختلف قسمیں	عبادت کیوں ضروری ہے
۱۳۳	۱۱۲	ہدایت اور گمراہی	عبادت کے لائق صرف ذات باری ہے
۱۳۴	"	فاسق کا معنی	زمین کے فوائد
۱۳۵	۱۱۳	ہود و منافقین کی عمدہ شہادتیں	آسمان اور باری کی نعمت
۱۳۶	"	قطع رحمی	لفظ نہ کا معنی
"	۱۱۵	صلہ رحمی	نہ ٹھہرانے کی مختلف صورتیں
"	۱۱۶	فساد فی الارض	شرک فی المسیت
۱۳۷	"	نافقین کی ناکامی	شرک فی العادت
۱۳۸	۱۱۷	درس چہار و حکم ۱ (آیت ۲۸ تا ۲۹)	شرک کی دوسری قسمیں
"	۱۱۸	گزشتہ سے پیوستہ	شرک بغنی
۱۳۹	۱۱۹	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر	اطاعت بغیر اللہ
۱۴۰	۱۲۱	موت و حیات تعریف الہی میں ہے	درس دواز و حکم ۱ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
۱۴۱	"	محاسبے کا عمل	گزشتہ سے پیوستہ
۱۴۲	۱۲۲	میت و فن کرنے کے آداب	قرآن پاک خاص معجزہ ہے
"	۱۲۳	تمام چیزیں انسان کے لیے ہیں	عہد باعزت لفظ ہے
۱۴۳	"	موت سامانِ عبرت ہے	قرآن بطورِ صلیح
"	۱۲۴	شیار میں اسلحہ بابت ہے	سکین قرآن کی سزا
۱۴۴	۱۲۵	آسمانوں کی تخلیق	ایمانداروں کے لیے بشارت
۱۴۵	"	علیم کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	بچپوں میں مشابہت
"	۱۲۶	عبادت الہی لازم ہے	بائتہ و بیویاں
۱۴۷	۱۲۷	درس پانز و حکم ۱ (آیت ۳۰)	درس سیز و حکم ۱ (آیت ۲۶ تا ۲۷)

۱۴۰	جنت سے خروج	۱۴۰	گزشتہ سے پیوستہ
۹۷	زمین ہی اصل ٹھکانہ ہے	۱	موضوع
۱۴۲	درس ہشودھم (آیت ۲۴ تا ۲۹)	۱۴۸	ہر جنس بادشاہ ہوگا
۱	گزشتہ سے پیوستہ	۱۴۹	خلق ان فی سے قبل کے اوراق
۱۴۳	حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ	۱۴۹	قرشتوں کا مادہ تخلیق
۱۴۴	حضور علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام پر نصیحت	۱۵۰	بغاث اور شیاطین
۱	زمین پر اترنے کا حکم	۱	ان کا مادہ تخلیق
۱۴۵	حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کی مباحثات	۱	حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں
۱۴۶	جنت کے تحفے	۱۵۱	مسک خلافت
۱۴۷	حضرت آدم علیہ السلام کا مقام نزول	۱۵۵	درس شانزدہم (آیت ۲۱ تا ۲۳)
۱	بعض اہل بدعت کے پیٹھے	۱	گزشتہ سے پیوستہ
۱	توبہ کی قبولیت	۱۵۷	آدم علیہ السلام کو کن چیزوں کے نام سکھائے گئے
۱۴۸	توبہ کی نثری لفظ	۱۵۸	لائحہ کا امتحان
۱۴۹	زمین پر اترنے کی حکمت	۱۶۰	آدم علیہ السلام کی کامیابی
۱۵۰	نورِ حق کی حقیقت	۱۶۲	درس ہفدہم (آیت ۲۴ تا ۲۶)
۱	ہزیت کے متبعین	۱	قرشتوں کی سجدہ ریزی
۱۵۱	کفار و مکذبین	۱۶۳	اللہ تعالیٰ کے لوگوں پر سجدہ حرام ہے
۱۵۲	درس نوزدھم (آیت ۲۷ تا ۳۱)	۱۶۴	قرشتوں کے سجدہ کی بعض ترکیبات
۱	تاریخ بنی اسرائیل	۱۶۵	ابیس کا انکار
۱۵۳	بنی اسرائیل پر انعامات	۱۶۶	احمد اولین گناہ سب سے
۱۵۴	بنی اسرائیل کی بد شگونی	۱۶۷	حضرت آدم علیہ السلام اور حوا جنت میں
۱۵۵	ایمان بالقراآن	۱۶۸	شجر ممنوعہ
		۱۶۹	شیطان و سورہ

۲۱۲	۱۸۹	دنیا کی محبت	فخت خاص نعمت ہے
۲۱۳	۱۹۰	تہیں اور کمان حق	مد و چاہیں کی اہمیت
۲۱۴	۱۹۱	درس بستہ (آیت ۴۳ تا ۴۶)	بنی اسرائیل کی گورنل پرستی
۲۱۵	۱۹۲	گنہگار سے چور	مختلف قوموں کے ایک دستور پر اثرات
۲۱۶	۱۹۳	قبول حق سے انکار کی وجوہات	مسئلہ طول
۲۱۷	۱۹۴	حب مال و جاہ کی بیماریاں	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی
۲۱۸	۱۹۵	بیماریوں کا علاج	پکڑے گئے پجاریوں کا قتل عام
۲۱۹	۱۹۶	نماز جامع عبادات ہے	درس بستہ (آیت ۵۵ تا ۵۷)
۲۲۰	۱۹۷	نماز باجماعت	ربط آیات
۲۲۱	۱۹۸	قرل و فعل میں تفسار	رویت انبی کی خوش
۲۲۲	۱۹۹	صبر و صلوٰۃ کی برکات	بنی اسرائیل کو سزا
۲۲۳	۲۰۰	رجوع الی اللہ	رویت الہی اس جہان میں ممکن نہیں
۲۲۴	۲۰۱	درس بستہ ویکٹ (آیت ۴۴ تا ۵۰)	بنی اسرائیل کو جاکر کر، اور دوبارہ زندہ کرنا
۲۲۵	۲۰۲	ربط آیات	جہاد سے فرار
۲۲۶	۲۰۳	بنی اسرائیل کی فحشیت	بادل کا سایہ
۲۲۷	۲۰۴	اسلامی تدبیر کی حفاظت	من اور سنو
۲۲۸	۲۰۵	امت مسلمہ کی برتری	پنہ آپ پر علم
۲۲۹	۲۰۶	برتری کا معیار تقویٰ ہے	درس بستہ و چہار (آیت ۵۸ تا ۵۹)
۲۳۰	۲۰۷	مسد شاعت	ربط آیات
۲۳۱	۲۰۸	فرعون سے نجات	بستی میں داخلہ
۲۳۲	۲۰۹	فرعون کی مرقابی	کچھ دشمن
۲۳۳	۲۱۰	درس بستہ و دو (آیت ۵ تا ۵۴)	استغفار کی برکات
	۲۱۱	نزول توراۃ	

۲۵۰	آیات النبی کا انکار	۲۳۱	حکم خداوندی میں تبدیلی
"	نبیاء عیسم السلام کا قتل	۲۳۲	عائلی قرین اور حق شعور
۲۵۱	نافرمانی اور حد سے تجاوز	۲۳۳	وراثت میں شریک و حصہ
۲۵۲	درس سبب و محبت (آیت ۶۲)	"	ظہر کا حشر
"	قانون نجات	۲۳۴	زمین کی آباری اور بہادری
"	مذہب عالم	۲۳۵	درس سبب و پہنچ (آیت ۶۰)
۲۵۳	اہل ایمان	"	رابط آیات
"	ہکادوا کا معنوم	"	بنی اسرائیل کا طلب آب
۲۵۵	یسودی کی وجہ تسمیہ	۲۳۶	استسقا کی حقیقت
"	یسودی عقائد	"	استسقا کا طریقہ
۲۵۶	نصاری کی وجہ تسمیہ	۲۳۷	ضرب گھسی
۲۵۸	نصاری کے عقائد باطلہ	۲۳۹	پانی کی تقسیم
۲۵۹	صابی کون ہیں	۲۴۰	ایک اعتراض اور اس کا جواب
"	صابیوں کے عقائد	۲۴۱	معجزہ اور کرامت
۲۶۱	ضیغی بت بد صابی	۲۴۲	ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر
"	ایمان باللہ	۲۴۳	فاد فی الارض
۲۶۲	ایمان بالآخرت	۲۴۵	درس سبب و شمشیر (آیت ۶۱)
"	اعمال صالحہ	"	رابط آیات
۲۶۴	درس سبب و مہشت (آیت ۶۳ تا ۶۴)	۲۴۶	غلامی کے اثرات
"	بنی اسرائیل کا معجزہ	"	طعام کی تبدیلی
۲۶۵	ارتفاع طوفان	۲۴۷	کاشتکار کی مشقت طلب کام ہے
۲۶۶	دین میں جبر نہیں	۲۴۹	پیشے بجا فاضلیت
۲۶۷	اسماء کا کتاب	"	یسودیوں کی ذلت و رسوائی

۲۹۸	مصلحت النور	۲۹۸	قرآن کی پابندی
۲۹۹	آ کی نشانیاں	۲۹۹	بنی اسرائیل کی خدمت
۳۰۰	باوجود مجبور ہو کے	۳۰۰	درس بست و ستر (آیت ۶۵-۶۶)
۳۰۱	غشول و کلمات کا شاننا	۳۰۱	یہود کا مقدس دن ہفتہ
۳۰۲	دقت قتل	۳۰۲	مبعود کی فضیلت
۳۰۳	ایسے کوئی بعد مجبور	۳۰۳	یہود کی قانون شکنی
۳۰۴	قانون و سنت سے روک	۳۰۴	یہود کے تین گروہ
۳۰۵	درس کی وضوح (آیت ۶۷)	۳۰۵	انسان بدترین گئے
۳۰۶	قوت قلبی	۳۰۶	عید سازی بڑی فصاحت ہے
۳۰۷	پتھروں سے زیادہ سخت دل	۳۰۷	بائز عید سازی
۳۰۸	پتھروں کے فوائد	۳۰۸	تبدیلی اشکال کی توجہ
۳۰۹	سجدہ تقرب الی اللہ کی علامت ہے	۳۰۹	نشان عبرت
۳۱۰	جنس اکابر دین	۳۱۰	درس سنی (آیات ۶۸-۶۹)
۳۱۱	مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ	۳۱۱	رابط آیات
۳۱۲	درس کی وضوح (آیت ۷۰ تا ۷۱)	۳۱۲	واقعہ ربط
۳۱۳	رابط آیات	۳۱۳	وجہ قتل
۳۱۴	یہود کی طاعت سے ناامید	۳۱۴	قانون قنات
۳۱۵	احکام میں تفریق	۳۱۵	کثرت سوال سے بچ
۳۱۶	یہود کی بہت دوسری	۳۱۶	نبی سے قطع تعلقی
۳۱۷	یہود کے ساتھ موافقت اور ان کی مخالفت	۳۱۷	نظام تربیت
۳۱۸	مناجیحین کی چابکیاں	۳۱۸	نوش لیبی بائیں سے
۳۱۹	یہود کی موجودہ آرزو	۳۱۹	درس کی دیکھت (آیت ۷۲-۷۳)
۳۲۰	تورہ میں تفریق	۳۲۰	رابط آیات

۳۲۲	۳۰۵	تحریر اور مسلمان
۳۲۳	۳۱۱	تحریر کرنے والوں کو دعوہ
۳۲۴	۳۱۲	درس سی و چہارم (آیت ۸۰ تا ۸۶)
۳۲۵	۳۱۳	یہودیوں کے باطل عقائد
۳۲۶	۳۱۴	عہدہ اودنی
۳۲۷	۳۱۵	باطل عقائد کی بنیاد
۳۲۸	۳۱۶	مسلمانوں کے باطل عقائد
۳۲۹	۳۱۷	قانون نجات
۳۳۰	۳۱۸	کافر اور مشرک دائمی جہنمی ہیں
۳۳۱	۳۱۹	جنت کا چال
۳۳۲	۳۲۰	درس سی و پنج (آیت ۸۳)
۳۳۳	۳۲۱	ربط آیات
۳۳۴	۳۲۲	قرعہ کے دریلو
۳۳۵	۳۲۳	بنی اسرائیل کے مختلف عہد
۳۳۶	۳۲۴	معرفت الہی
۳۳۷	۳۲۵	الدین سے حسن سلوک
۳۳۸	۳۲۶	قرابتہ داروں کے حقوق
۳۳۹	۳۲۷	یتیم، یتیمیں اور فقیہ
۳۴۰	۳۲۸	درس سی و شش (آیت ۸۷)
۳۴۱	۳۲۹	گنہگار سے بیعت
۳۴۲	۳۳۰	تہذیب اخلاق
۳۴۳	۳۳۱	حسن سکون
۳۴۴	۳۳۲	نہادہ مذکورہ
۳۴۵	۳۳۳	درس سی و ہفت (آیت ۸۸ تا ۹۱)
۳۴۶	۳۳۴	گنہگار سے بیعت
۳۴۷	۳۳۵	تہذیب اخلاق
۳۴۸	۳۳۶	حسن سکون
۳۴۹	۳۳۷	نہادہ مذکورہ
۳۵۰	۳۳۸	درس سی و ہشت (آیت ۹۲ تا ۹۵)
۳۵۱	۳۳۹	گنہگار سے بیعت
۳۵۲	۳۴۰	تہذیب اخلاق
۳۵۳	۳۴۱	حسن سکون
۳۵۴	۳۴۲	نہادہ مذکورہ
۳۵۵	۳۴۳	درس سی و نہ (آیت ۹۶ تا ۹۹)
۳۵۶	۳۴۴	گنہگار سے بیعت
۳۵۷	۳۴۵	تہذیب اخلاق
۳۵۸	۳۴۶	حسن سکون
۳۵۹	۳۴۷	نہادہ مذکورہ
۳۶۰	۳۴۸	درس سی و دہ (آیت ۱۰۰ تا ۱۰۳)
۳۶۱	۳۴۹	گنہگار سے بیعت
۳۶۲	۳۵۰	تہذیب اخلاق
۳۶۳	۳۵۱	حسن سکون
۳۶۴	۳۵۲	نہادہ مذکورہ
۳۶۵	۳۵۳	درس سی و یازدہ (آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷)
۳۶۶	۳۵۴	گنہگار سے بیعت
۳۶۷	۳۵۵	تہذیب اخلاق
۳۶۸	۳۵۶	حسن سکون
۳۶۹	۳۵۷	نہادہ مذکورہ
۳۷۰	۳۵۸	درس سی و بارہ (آیت ۱۰۸ تا ۱۱۱)
۳۷۱	۳۵۹	گنہگار سے بیعت
۳۷۲	۳۶۰	تہذیب اخلاق
۳۷۳	۳۶۱	حسن سکون
۳۷۴	۳۶۲	نہادہ مذکورہ
۳۷۵	۳۶۳	درس سی و ستر (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)
۳۷۶	۳۶۴	گنہگار سے بیعت
۳۷۷	۳۶۵	تہذیب اخلاق
۳۷۸	۳۶۶	حسن سکون
۳۷۹	۳۶۷	نہادہ مذکورہ
۳۸۰	۳۶۸	درس سی و آٹھ (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹)
۳۸۱	۳۶۹	گنہگار سے بیعت
۳۸۲	۳۷۰	تہذیب اخلاق
۳۸۳	۳۷۱	حسن سکون
۳۸۴	۳۷۲	نہادہ مذکورہ
۳۸۵	۳۷۳	درس سی و نواں (آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳)
۳۸۶	۳۷۴	گنہگار سے بیعت
۳۸۷	۳۷۵	تہذیب اخلاق
۳۸۸	۳۷۶	حسن سکون
۳۸۹	۳۷۷	نہادہ مذکورہ
۳۹۰	۳۷۸	درس سی و دہاں (آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷)
۳۹۱	۳۷۹	گنہگار سے بیعت
۳۹۲	۳۸۰	تہذیب اخلاق
۳۹۳	۳۸۱	حسن سکون
۳۹۴	۳۸۲	نہادہ مذکورہ
۳۹۵	۳۸۳	درس سی و یازدہاں (آیت ۱۲۸ تا ۱۳۱)
۳۹۶	۳۸۴	گنہگار سے بیعت
۳۹۷	۳۸۵	تہذیب اخلاق
۳۹۸	۳۸۶	حسن سکون
۳۹۹	۳۸۷	نہادہ مذکورہ
۴۰۰	۳۸۸	درس سی و پندرہ (آیت ۱۳۲ تا ۱۳۵)
۴۰۱	۳۸۹	گنہگار سے بیعت
۴۰۲	۳۹۰	تہذیب اخلاق
۴۰۳	۳۹۱	حسن سکون
۴۰۴	۳۹۲	نہادہ مذکورہ
۴۰۵	۳۹۳	درس سی و ستر (آیت ۱۳۶ تا ۱۳۹)
۴۰۶	۳۹۴	گنہگار سے بیعت
۴۰۷	۳۹۵	تہذیب اخلاق
۴۰۸	۳۹۶	حسن سکون
۴۰۹	۳۹۷	نہادہ مذکورہ
۴۱۰	۳۹۸	درس سی و آٹھ (آیت ۱۴۰ تا ۱۴۳)
۴۱۱	۳۹۹	گنہگار سے بیعت
۴۱۲	۴۰۰	تہذیب اخلاق
۴۱۳	۴۰۱	حسن سکون
۴۱۴	۴۰۲	نہادہ مذکورہ
۴۱۵	۴۰۳	درس سی و دہاں (آیت ۱۴۴ تا ۱۴۷)
۴۱۶	۴۰۴	گنہگار سے بیعت
۴۱۷	۴۰۵	تہذیب اخلاق
۴۱۸	۴۰۶	حسن سکون
۴۱۹	۴۰۷	نہادہ مذکورہ
۴۲۰	۴۰۸	درس سی و پندرہ (آیت ۱۴۸ تا ۱۵۱)
۴۲۱	۴۰۹	گنہگار سے بیعت
۴۲۲	۴۱۰	تہذیب اخلاق
۴۲۳	۴۱۱	حسن سکون
۴۲۴	۴۱۲	نہادہ مذکورہ
۴۲۵	۴۱۳	درس سی و ستر (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵)
۴۲۶	۴۱۴	گنہگار سے بیعت
۴۲۷	۴۱۵	تہذیب اخلاق
۴۲۸	۴۱۶	حسن سکون
۴۲۹	۴۱۷	نہادہ مذکورہ
۴۳۰	۴۱۸	درس سی و آٹھ (آیت ۱۵۶ تا ۱۵۹)
۴۳۱	۴۱۹	گنہگار سے بیعت
۴۳۲	۴۲۰	تہذیب اخلاق
۴۳۳	۴۲۱	حسن سکون
۴۳۴	۴۲۲	نہادہ مذکورہ
۴۳۵	۴۲۳	درس سی و دہاں (آیت ۱۶۰ تا ۱۶۳)
۴۳۶	۴۲۴	گنہگار سے بیعت
۴۳۷	۴۲۵	تہذیب اخلاق
۴۳۸	۴۲۶	حسن سکون
۴۳۹	۴۲۷	نہادہ مذکورہ
۴۴۰	۴۲۸	درس سی و پندرہ (آیت ۱۶۴ تا ۱۶۷)
۴۴۱	۴۲۹	گنہگار سے بیعت
۴۴۲	۴۳۰	تہذیب اخلاق
۴۴۳	۴۳۱	حسن سکون
۴۴۴	۴۳۲	نہادہ مذکورہ
۴۴۵	۴۳۳	درس سی و ستر (آیت ۱۶۸ تا ۱۷۱)
۴۴۶	۴۳۴	گنہگار سے بیعت
۴۴۷	۴۳۵	تہذیب اخلاق
۴۴۸	۴۳۶	حسن سکون
۴۴۹	۴۳۷	نہادہ مذکورہ
۴۵۰	۴۳۸	درس سی و آٹھ (آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵)
۴۵۱	۴۳۹	گنہگار سے بیعت
۴۵۲	۴۴۰	تہذیب اخلاق
۴۵۳	۴۴۱	حسن سکون
۴۵۴	۴۴۲	نہادہ مذکورہ
۴۵۵	۴۴۳	درس سی و دہاں (آیت ۱۷۶ تا ۱۷۹)
۴۵۶	۴۴۴	گنہگار سے بیعت
۴۵۷	۴۴۵	تہذیب اخلاق
۴۵۸	۴۴۶	حسن سکون
۴۵۹	۴۴۷	نہادہ مذکورہ
۴۶۰	۴۴۸	درس سی و پندرہ (آیت ۱۸۰ تا ۱۸۳)
۴۶۱	۴۴۹	گنہگار سے بیعت
۴۶۲	۴۵۰	تہذیب اخلاق
۴۶۳	۴۵۱	حسن سکون
۴۶۴	۴۵۲	نہادہ مذکورہ
۴۶۵	۴۵۳	درس سی و ستر (آیت ۱۸۴ تا ۱۸۷)
۴۶۶	۴۵۴	گنہگار سے بیعت
۴۶۷	۴۵۵	تہذیب اخلاق
۴۶۸	۴۵۶	حسن سکون
۴۶۹	۴۵۷	نہادہ مذکورہ
۴۷۰	۴۵۸	درس سی و آٹھ (آیت ۱۸۸ تا ۱۹۱)
۴۷۱	۴۵۹	گنہگار سے بیعت
۴۷۲	۴۶۰	تہذیب اخلاق
۴۷۳	۴۶۱	حسن سکون
۴۷۴	۴۶۲	نہادہ مذکورہ
۴۷۵	۴۶۳	درس سی و دہاں (آیت ۱۹۲ تا ۱۹۵)
۴۷۶	۴۶۴	گنہگار سے بیعت
۴۷۷	۴۶۵	تہذیب اخلاق
۴۷۸	۴۶۶	حسن سکون
۴۷۹	۴۶۷	نہادہ مذکورہ
۴۸۰	۴۶۸	درس سی و پندرہ (آیت ۱۹۶ تا ۱۹۹)
۴۸۱	۴۶۹	گنہگار سے بیعت
۴۸۲	۴۷۰	تہذیب اخلاق
۴۸۳	۴۷۱	حسن سکون
۴۸۴	۴۷۲	نہادہ مذکورہ
۴۸۵	۴۷۳	درس سی و ستر (آیت ۲۰۰ تا ۲۰۳)
۴۸۶	۴۷۴	گنہگار سے بیعت
۴۸۷	۴۷۵	تہذیب اخلاق
۴۸۸	۴۷۶	حسن سکون
۴۸۹	۴۷۷	نہادہ مذکورہ
۴۹۰	۴۷۸	درس سی و آٹھ (آیت ۲۰۴ تا ۲۰۷)
۴۹۱	۴۷۹	گنہگار سے بیعت
۴۹۲	۴۸۰	تہذیب اخلاق
۴۹۳	۴۸۱	حسن سکون
۴۹۴	۴۸۲	نہادہ مذکورہ
۴۹۵	۴۸۳	درس سی و دہاں (آیت ۲۰۸ تا ۲۱۱)
۴۹۶	۴۸۴	گنہگار سے بیعت
۴۹۷	۴۸۵	تہذیب اخلاق
۴۹۸	۴۸۶	حسن سکون
۴۹۹	۴۸۷	نہادہ مذکورہ
۵۰۰	۴۸۸	درس سی و پندرہ (آیت ۲۱۲ تا ۲۱۵)
۵۰۱	۴۸۹	گنہگار سے بیعت
۵۰۲	۴۹۰	تہذیب اخلاق
۵۰۳	۴۹۱	حسن سکون
۵۰۴	۴۹۲	نہادہ مذکورہ
۵۰۵	۴۹۳	درس سی و ستر (آیت ۲۱۶ تا ۲۱۹)
۵۰۶	۴۹۴	گنہگار سے بیعت
۵۰۷	۴۹۵	تہذیب اخلاق
۵۰۸	۴۹۶	حسن سکون
۵۰۹	۴۹۷	نہادہ مذکورہ
۵۱۰	۴۹۸	درس سی و آٹھ (آیت ۲۲۰ تا ۲۲۳)
۵۱۱	۴۹۹	گنہگار سے بیعت
۵۱۲	۵۰۰	تہذیب اخلاق
۵۱۳	۵۰۱	حسن سکون
۵۱۴	۵۰۲	نہادہ مذکورہ
۵۱۵	۵۰۳	درس سی و دہاں (آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷)
۵۱۶	۵۰۴	گنہگار سے بیعت
۵۱۷	۵۰۵	تہذیب اخلاق
۵۱۸	۵۰۶	حسن سکون
۵۱۹	۵۰۷	نہادہ مذکورہ
۵۲۰	۵۰۸	درس سی و پندرہ (آیت ۲۲۸ تا ۲۳۱)
۵۲۱	۵۰۹	گنہگار سے بیعت
۵۲۲	۵۱۰	تہذیب اخلاق
۵۲۳	۵۱۱	حسن سکون
۵۲۴	۵۱۲	نہادہ مذکورہ
۵۲۵	۵۱۳	درس سی و ستر (آیت ۲۳۲ تا ۲۳۵)
۵۲۶	۵۱۴	گنہگار سے بیعت
۵۲۷	۵۱۵	تہذیب اخلاق
۵۲۸	۵۱۶	حسن سکون
۵۲۹	۵۱۷	نہادہ مذکورہ
۵۳۰	۵۱۸	درس سی و آٹھ (آیت ۲۳۶ تا ۲۳۹)
۵۳۱	۵۱۹	گنہگار سے بیعت
۵۳۲	۵۲۰	تہذیب اخلاق
۵۳۳	۵۲۱	حسن سکون
۵۳۴	۵۲۲	نہادہ مذکورہ
۵۳۵	۵۲۳	درس سی و دہاں (آیت ۲۴۰ تا ۲۴۳)
۵۳۶	۵۲۴	گنہگار سے بیعت
۵۳۷	۵۲۵	تہذیب اخلاق
۵۳۸	۵۲۶	حسن سکون
۵۳۹	۵۲۷	نہادہ مذکورہ
۵۴۰	۵۲۸	درس سی و پندرہ (آیت ۲۴۴ تا ۲۴۷)
۵۴۱	۵۲۹	گنہگار سے بیعت
۵۴۲	۵۳۰	تہذیب اخلاق
۵۴۳	۵۳۱	حسن سکون
۵۴۴	۵۳۲	نہادہ مذکورہ
۵۴۵	۵۳۳	درس سی و ستر (آیت ۲۴۸ تا ۲۵۱)
۵۴۶	۵۳۴	گنہگار سے بیعت
۵۴۷	۵۳۵	تہذیب اخلاق
۵۴۸	۵۳۶	حسن سکون
۵۴۹	۵۳۷	نہادہ مذکورہ
۵۵۰	۵۳۸	درس سی و آٹھ (آیت ۲۵۲ تا ۲۵۵)
۵۵۱	۵۳۹	گنہگار سے بیعت
۵۵۲	۵۴۰	تہذیب اخلاق
۵۵۳	۵۴۱	حسن سکون
۵۵۴	۵۴۲	نہادہ مذکورہ
۵۵۵	۵۴۳	درس سی و دہاں (آیت ۲۵۶ تا ۲۵۹)
۵۵۶	۵۴۴	گنہگار سے بیعت
۵۵۷	۵۴۵	تہذیب اخلاق
۵۵۸	۵۴۶	حسن سکون
۵۵۹	۵۴۷	نہادہ مذکورہ
۵۶۰	۵۴۸	درس سی و پندرہ (آیت ۲۶۰ تا ۲۶۳)
۵۶۱	۵۴۹	گنہگار سے بیعت
۵۶۲	۵۵۰	تہذیب اخلاق
۵۶۳	۵۵۱	حسن سکون
۵۶۴	۵۵۲	نہادہ مذکورہ
۵۶۵	۵۵۳	درس سی و ستر (آیت ۲۶۴ تا ۲۶۷)
۵۶۶	۵۵۴	گنہگار سے بیعت
۵۶۷	۵۵۵	تہذیب اخلاق
۵۶۸	۵۵۶	حسن سکون
۵۶۹	۵۵۷	نہادہ مذکورہ
۵۷۰	۵۵۸	درس سی و آٹھ (آیت ۲۶۸ تا ۲۷۱)
۵۷۱	۵۵۹	گنہگار سے بیعت
۵۷۲	۵۶۰	تہذیب اخلاق
۵۷۳	۵۶۱	حسن سکون
۵۷۴	۵۶۲	نہادہ مذکورہ
۵۷۵	۵۶۳	درس سی و دہاں (آیت ۲۷۲ تا ۲۷۵)
۵۷۶	۵۶۴	گنہگار سے بیعت
۵۷۷	۵۶۵	تہذیب اخلاق
۵۷۸	۵۶۶	حسن سکون
۵۷۹	۵۶۷	نہادہ مذکورہ
۵۸۰	۵۶۸	درس سی و پندرہ (آیت ۲۷۶ تا ۲۷۹)
۵۸۱	۵۶۹	گنہگار سے بیعت
۵۸۲	۵۷۰	تہذیب اخلاق
۵۸۳	۵۷۱	حسن سکون
۵۸۴	۵۷۲	نہادہ مذکورہ
۵۸۵	۵۷۳	درس سی و ستر (آیت ۲۸۰ تا ۲۸۳)
۵۸۶	۵۷۴	گنہگار سے بیعت
۵۸۷	۵۷۵	تہذیب اخلاق

۲۵۰	موت کی آرزو	۲۵۰	نبیاں بیوی بچے مدنی	۲۵۱
۲۵۱	عمر بن عمر کی خوشی	۲۵۱	نافع اور ضار علم	۲۵۱
۲۵۲	موت و حیات کی طلب	۲۵۲	یہودیوں کے معرفت	۲۵۲
۲۵۳	درس چیل (آیت ۱۰۹-۱۱۰)	۲۵۳	درس چیل و دود (آیت ۱۰۲-۱۰۴)	۲۵۳
۲۵۴	شانِ نزول	۲۵۴	رابطہ آیات	۲۵۴
۲۵۵	نزولِ حق کی مختلف صورتیں	۲۵۵	بنی اسرائیل کی انصافی ہستی	۲۵۵
۲۵۶	مقرب فرشتے	۲۵۶	نصوحیہ اسلام کی اخلاقیات	۲۵۶
۲۵۷	جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی	۲۵۷	اہل ایمان کو خطاب	۲۵۷
۲۵۸	اہل ایمان کے لیے بشارت	۲۵۸	تشبیہِ طاغوتِ ستھالیٰ کی ممانعت	۲۵۸
۲۵۹	فرشتوں سے دشمنی اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے	۲۵۹	پیغمبر کے لیے عطیہ کا استعمال درست نہیں	۲۵۹
۲۶۰	مقربین کا فخری معنی ہے	۲۶۰	نبرا کا میل سے حسد	۲۶۰
۲۶۱	وضعِ نشانیاں	۲۶۱	تبخیخِ آیات کی وجوہات	۲۶۱
۲۶۲	کتاب اللہ سے روگردانی	۲۶۲	بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے	۲۶۲
۲۶۳	درس چیل ویکٹ (آیت ۱۰۲-۱۰۳)	۲۶۳	درس چیل ویکٹ (آیت ۱۰۲-۱۰۳)	۲۶۳
۲۶۴	شیطان کا اتباع	۲۶۴	رابطہ آیات	۲۶۴
۲۶۵	حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادو گر جو بیچارہ الزام	۲۶۵	یہودیوں کے سواوت	۲۶۵
۲۶۶	جادو کے ذرائع	۲۶۶	مشرکین کے حالات	۲۶۶
۲۶۷	جادو اور جادوگروں کے	۲۶۷	نہرین گمراہی	۲۶۷
۲۶۸	جادو اور جادوگر کی عینی شہادت	۲۶۸	کثرتِ حالات کی ممانعت	۲۶۸
۲۶۹	جادو اور جادوگر کے واقعے سے	۲۶۹	اہلِ حق کے باطنی ارادے	۲۶۹
۲۷۰	سحر کیا ہے ؟	۲۷۰	معدنِ زمین بیماری سے	۲۷۰
۲۷۱	کیا جادو اور جادوگر ہیں ؟	۲۷۱	غیر مسلم مادیات	۲۷۱
۲۷۲	جادو گر کی	۲۷۲	مذہب پر اعتراضات	۲۷۲

۴۱۱	حشوع و خضوع	۲۹۱	قرآن پاک کے عذوبت ساز سن
۴۱۲	استقبال قبلہ	۲۹۲	نماز اور زکوٰۃ
۴۱۳	درس چیل و شش (آیت ۱۱۹-۱۲۰)	۲۹۳	بیکار لڑکی
"	اللہ تعالیٰ اور اسے پا کر سے	۲۹۴	درس چیل و چہار (آیت ۱۲۱-۱۲۲)
۴۱۵	تشبیہ اور شرک	"	رہنمائیات
"	مُحَمَّدٌ لَاحِقٌ	"	یسو و رنسانہ
"	اکبر اور مملوک	۲۹۶	نجات کا دار و مدار
۴۱۶	صفت ابداع	۲۹۷	اتباع خداوندی
"	اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت	۲۹۸	نیک نیتی
۴۱۷	اللہ تعالیٰ سے کلام کی خواہش	۲۹۹	اعمال صالحہ
۴۱۸	حضور علیہ السلام کے معجزات	"	فرقہ بندی اور ایہ نجات نہیں ہے
"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۳۰۰	قانون نجات
۴۲۰	درس چیل و ہفت (آیت ۱۲۳-۱۲۴)	"	اجر عظیم
۴۲۱	گزشتہ سے بہتر	۳۰۱	درس چیل و پنج (آیت ۱۲۵-۱۲۶)
"	رنسانہ کی لیے اہل کتاب کی شرط	"	یسو اور نہ ماری آسنے ماسنے
"	ہدایت الہی ہی اصل ہدایت ہے	۳۰۲	کتب جاریہ بزرگ
۴۲۳	اہل کتاب میں سے اہل ایمان	"	حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام تراشی
"	حق و قدرت	"	مشرکین کا نظریہ
۴۲۴	مشرکین کے لیے خار و	۳۰۵	آخری فیصلہ مسلمانوں میں ہوگا
"	حق و باطل کی بیان	"	تکرمیل قبلہ
۴۲۵	بہن اسرائیل پر انعامات	۳۰۶	جہاد میں رکاوٹ
۴۲۶	قیامت کا نقشہ	"	تمام بزرگوار نے قابلِ تعظیم ہیں
۴۲۷	درس چیل و ہشت (آیت ۱۲۷-۱۲۸)	۳۰۹	سجود کے آداب
"	آخری دروس پر ایک نظر	۳۱۰	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

اما بعد

الْرَّحْمَنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن پاک ہی دو ضابطہ حیات ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اس دنیا میں بھی اس دھن کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور آخرت میں بھی جنت کی بے پایاں نعمتوں سے امان حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وہ رات کو عمل ہے جس نے عرب کے صحرائیوں کو قعر ذلت سے نکال کر ہم عروج تک پہنچایا۔ تاریخ اٹھ کر دیکھئے زندہ نذول قرآن میں پورا عرب کس قسم کے، حول میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ کون سی بڑی سب سے بڑی بات تھی، اولین مخاطبین میں نہ پائی جاتی تھی، وہ کونسا غیر فطری امتیاز ہے، جس میں یہ غریب، ناتواں، اندک، آقا و غلام، عربی و عجمی کی صورت میں موجود نہ تھا۔ منڈیوں میں عورتوں اور بچوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی، بچیوں کی زندہ گھر کر دیا جاتا تھا، وہ لوگ سیاسی نظم و نسق کے نام سے آشنا تھے، وہاں نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی، نہ کوئی ضابطہ اور قانون تھا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خود مختار تھا، کسی کی جان و مال محفوظ نہ تھی، جنگل کا قانون رائج تھا اور جس کی لامٹی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

خداوند تعالیٰ نے یہ نام کی کوئی چیز ان کے ہاں نہ تھی، وہ لوگ جائز ناجائز، پاک، ناپاک اور طلال و حلال و حرام سے نا آشنا تھے، زنا، تاج ریزی، قتل و غارتگری کے دلدلہ تھے۔ ایک دستانہ سے کوئی پردہ نہ تھا، ان کے طواف ہوتے، اخلاقی گریوٹ کا یہ حال تھا کہ باپ کی موت کے بعد اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر سکتے تھے بہت پستی و ذلیل پن تھی، توحید نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی، طرح طرح کے توہمات

کاشکاستے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعویدار اُن کی تعلیمات سے کوسوں دور تھے۔
 پھر وہ وقت بھی آیا جب حضور نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پاک ہوئی، نزولِ قرآن
 کا سلسلہ شروع ہوا، اور جب اسی حوالہ کی پروردگارِ جلیل اور نوازِ دُورم نے قرآن پاک کو سینے سے لگایا تو
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ بے لگام قوم دنیا کی مذہب ترین قوم بن گئی، قیصر و کسریٰ اس کے سامنے سرنگوں ہو
 گئے، اراکینِ رہنما بن گئے۔ ————— پھر اہلِ ذاکر امین بن گئے، حسبِ نسب پر فخر کرنے
 والے کالے کلوٹے جیٹھی غلام کو سنیہ ناکتے لگے، سیاست سے نابلد قوم، مذہب ترین قوموں کی سبق
 سکھانے لگی، حزب و حرب کے وہ معرکے دکھائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک
 اسلام کا پرچم بائیس لاکھ مربع میل پر لہرانے لگا۔ اور پھر اُسے ہی عرصہ میں قرآنی تعلیمات کے ثمرات دنیا
 کے گوشے گوشے میں نظر آنے لگے، مگر مقامِ افسوس ہے کہ گزشتہ چند صدیوں سے مسلمان پوری دنیا میں ذلیل
 و سست، ایک ارب کی آبادی اور دنیا میں چالیس سے زیادہ ملکوں پر حکمرانی کے باوجود مسلمان قوم ذات
 و سنت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ قومیں جو ان کے نام سے کانپا کرتی تھیں، آج ان پر سلاطینِ مہمان
 شیرازہ زکے دستِ نچو ہو کر رہ گئے ہیں، حتیٰ کہ اسرائیل جیسا بزدل بھیڑیا جب چاہتا ہے ان کے گلے
 میں گھس کر انہیں شکار بنالیتا ہے۔ وجہ ظہر ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وہ معزز تھے زمانے میں مہمان ہر کر اللہ ہم خواہ میں تارکِ قرآن ہر کر

جب سے مسلمانوں نے قرآن پاک کا دامن چھوٹا ہے، ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں، مسلسل ناکامیوں
 کا شکار ہیں۔ بلاشبہ تمام غیر مسلم اقوامِ ملتِ واحدہ میں، ان کی پیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان قوم
 منہ پر ادنیٰ دستِ نچو کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے پاس ایک ہی نسخہ ہے کہ کسی طرح مسلمان قرآنِ کریم سے دستِ نچو
 ہو جائیں وہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمان قرآنِ پر حکامِ پر عمل کر کے ہی غائب آئے تھے اور اس پر درگرم کے محسن جانے سے ہی مغلوب
 ہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت بھی وہ یہ کہتے تھے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ
 وَالْغَوْفِ بِهِ لَعْنَتُكُمْ تَقْضُونَ ۚ دیکھتے تھے کہ انوں میں قرآن کی آواز نہ پہنچے پائے۔ بلکہ
 غیبِ شریعہ تاکہ کوئی دوسرا بھی سن کر اس کا گرویدہ نہ ہو جائے۔ تمہاری کامیابی کا یہی راز ہے۔ آج
 جی وہ لوگ یہ نسخہ آزماتے ہیں۔ مگر ہم خوابِ غفلت میں پڑے ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات سے بے بہرہ
 ہو چکے ہیں۔ یہ کام مقدس کتابی صورت میں ترجمہ سے دور نہیں، ہم اسے ریشمی غلاظتوں میں لپیٹ

کر اپنے طاغوتوں میں سجاتے ہیں، کبھی کبھی قیامت بھی کریتے، حسن قرأت کی مہمیں بھی جہتے ہیں، مگر کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ قرآن پاک سے دریافت کریں کہ تیرے زہل کا مقصد کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری ذمہ داری قرآن پاک کے ادب و احترام تک ہی محدود ہے، اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا کسی اور قوم کا کام ہے، یاد رکھئے، اگر آج ہم نے قرآن پاک کو سینے سے نہ لگایا تو بارگاہ رب العزت میں کتنی ذلت و رسوائی اٹھانا پڑے گی جب خود رسول شکایت کریں گے۔ یَسْرِبُ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا یعنی اے مولا کریم! میری قوم نے قرآن پاک کو نظر انداز کر دیا تھا۔

قرآن پاک کو بیگانہ گھر گھر پہنچانے کے لیے مفسرین کرام نے ہر زمانے میں اپنی ذمہ داری پوری کی ہے۔ اردو زبانی اور تحریری صورت میں قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ضرورت صرف ان لوگوں کی ہے جو قرآن کی پروگرام کو سن کر اٹھیں اور دنیا میں ایک دفعہ پھر اسلامی انقلاب برپا کر دیں۔

درس القرآن کا یہ سلسلہ بھی اپنی بساط کے مطابق قرآن پاک کے علوم و معارف کو آسانی اور عام فہم زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ آیتے ہم قرآن پاک کی آواز کو کانوں کے ذریعے دل میں جگہ دیں، اس پر غور فکر کر کے اس سے رہنمائی حاصل کریں اور پھر عمل پیرا ہو کر اپنا کھریا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر لیں، نہ صرف دنیا کو امن کا نسواں بنادیں بلکہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ وَمَا عَلِمْنَا إِلَّا الْبَلَاغَ۔

الحمد للہ سلسلہ درس القرآن کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پیشتر جلد اول جو کہ سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہے شائع ہو چکی ہے۔ جلد دوم پارہ اول مکمل پر مشتمل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس منصوبے کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ایسے کام کے لیے پوری زندگی وقف ہوئی ہے۔ کام وسیع اور کمشن ضرور ہے، مگر ناممکن نہیں۔ اس کام کے لیے آج جس طرح وسائل میسر ہیں اور کارکنان کی پوری ٹیم جس طرح قرآن پاک کے ساتھ والہانہ محبت اور دلی لگاؤ کے ساتھ مصروف کار ہے، ہم اُمید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مہربانی سے یہ کام پانچ تکمیل تک پہنچے گا۔

اس جلد پر کام شروع کرتے وقت اس کی ضخامت کے متعلق تردد تھا کہ آیا یہ جلد پوری سورۃ بقرہ

پیشگی ہوگی یا پورے پارہ اول تک محدود کرنا پڑے گا۔
 — پارہ اول کے مسودے کی ضخامت اور اس پر صرف ہونے والے وقت کے پیش نظر آخری فیصلہ ہوا، کہ سورۃ بقرہ کو دو حصوں میں شائع کیا جائے، پہلا حصہ مکمل پارہ اول پر مشتمل ہو اور دوسرے حصہ میں پارہ دوم اور سورۃ کا بقیہ حصہ از پارہ سوم آجائے۔ یہیں پورا پورا احساس ہے کہ اس جلد کی اشاعت میں ایک سال سے زیادہ عرصہ لگ گیا ہے اور قارئین کو اندازے سے کچھ زیادہ ہی انتظار کرنا پڑا اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

دوسرے پاسے پر کام جاری ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے ہر دو حصوں تقریباً بڑے برابر ضخامت کے ہوں گے۔ اور اس کے بعد ہر جلد ایک یا ایک سے زائد مکمل سورتوں پر مشتمل ہو کر گی اس طریقے سے ہر جلد مکمل پارہ جات پر مشتمل تو نہیں ہوگی، تاہم مکمل سورتیں اس میں آسکیں گی ہلف صالین نے اسی طریقہ کو اپن فرمایا ہے۔

اگرچہ وقت کے لحاظ سے قرآن میں سورتوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہمیں ترقع سے زیادہ کامیاب ہوئی ہے۔ کام جس قدر وسیع اور کٹھن ہے، اس کے لیے اسی قدر مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ کام کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے نئے مزید وقت دیا جائے تاکہ ہر آئندہ جلد کے لیے انتظار کی گھڑیاں کم سے کم ہو سکیں، قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس سلسلہ اشاعت سے وابستہ جملہ کارکنان خصوصاً صوفی صاحب مکتبہ کی درازی عمر اور صحت اور اس عظیم کام پر استقامت کی دعا کریں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

احقر العباد

(الحاج) نعل دین، ایم اے (علوم اسلامیہ)
 شالامار ٹاؤن، لاہور

سخن سائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
خَاتَمِ الْاَنْبِیَاۡہِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَزَوْاْجِهِ وَاتِّبَاعِهِ
اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

• خیر امت کو: کا خطاب پانے والی قوم ان جس قدر دیگر گروں حالات، ہستی اور
تہ منزل کے میں خطرناک دور سے گزر رہی ہے۔ وہ کسی گروں شنوا اور چشم بینا سے مخفی نہیں۔ اعمال و
اخلاق اسلام کی قید سے تقریباً آزاد ہو چکے ہیں۔ ایسا دور ہمدردی، مشترک اجتماعی مقاصد اور ملی ترقی کی
کوشش کے بجائے، نفس پرستی، خود غرضی، اور ذاتی حقوق مقصد حیات بن چکا ہے، دفتروں میں
عزت کی غمیت اور استیصال اس قدر عام ہے کہ پناہ بخدا بر دولت والا شخص جس کی عزت پر چاہے اتنا ڈال دے
اور کمزور آدمی کے لیے جائز حقوق کا حصول بھی تقریباً ناممکن ہے۔ اور حصول انصاف حقا ہے۔ دوسروں کو
پہچال کا سبق دینے والی قوم نے آج خود جھوٹ کر روزی کھانے کا ذریعہ بنالیا ہے، عربانی و فحاشی عروت پر
ہے، فرقدارانہ کشمکش، فوجی استبداد، مارشل لا، کی طاغوتی حکومتیں، جدید آلات و انخافات کا غلط استعمال
تصویری فتنہ، حد سے زیادہ آرام طلبی اور رفاہیت، باغ و کافور، کھیل و تماشا کی کثرت، اسلام کو اپنے
غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنا، طرکیت کی عشرت پنیاں، اسراف اور بہت طرازیوں، اللہ تعالیٰ
کی کتاب کی غلط تفسیریں اور باطل تاویلیں، رسالت و بہ عات کی فراوانی، اور دھوکا بازی اور فریب دہی
بل دوسری تمام قوموں کو مات کر دیا ہے۔ اور ان کے، صنی کا تمام ریکارڈ توڑ دیا ہے، قوم کی دیانت،

شرافت و صداقت اور امانت کا مال کسی سے مخفی نہیں، **وَاتَّخَذَ الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةً** تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کی تعلیم پانے والی قوم کے مالک اور افراد آپس میں نبرد آزما ہیں، آئے دن قتل میں اضافہ، گھر کے اندر عزت اور باہر جان محفوظ نہیں، اشتراکیت، سرمایہ داری کی لعنت کے عروج و بحالیست، یہودی ازم کی تباہ کاریوں، ہندو ازم کی تنگ نظری سے متاثرہ قوم، زبان پر اسلام اسلام اور عمل اس کے برعکس اور اسلام کی پیٹی میں ایک ذہر کا دھنجر ہے۔

بائیں ہمہ مسلم معاشرہ میں ایسے افراد بھی موجود ہیں۔ جو کہ صحیح معنوں میں قرآنی تعلیمات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔ اور اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تمنا رکھتے ہیں، ان حالات میں مسلمانوں کے ساتھ دلی ہمدردی اور ان کی اس حالتِ زار پر دردِ دل رکھنے والے حضرات کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ کردہ ان کو صحیح قرآنی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔

بھلا اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب دایم مجاہد کا انداز بیان سادہ اور دلپند ہے۔ تعمیس، بناوٹ اور تکلف سے دور لیکن پُر مغز، جامع اور مسلک سلف کے مطابق منشاء قرآن کا صحیح منظر ہے۔ اور داعی الی اللہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا۔ اس کے بعد شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر نے اردو میں بے حد مفید ترجمے کیے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے حکیمانہ تفسیر لکھی۔ اور دیگر بزرگوار دین نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ متاخرین میں حضرت تھانویؒ، کابیان القرآن، حضرت شیخ الحدادؒ کا ترجمہ اور تفسیر عثمانی اور حضرت لاہوریؒ کا ترجمہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن اور اس قسم کے دیگر تراجم اور تفسیر مستندہ اور ہر اعتبار سے سے خلق خدا کے لیے نافع ہیں۔ اور دل میں کلام الہی پر عمل کا سچا جذبہ پیدا کرنے والے ہیں۔

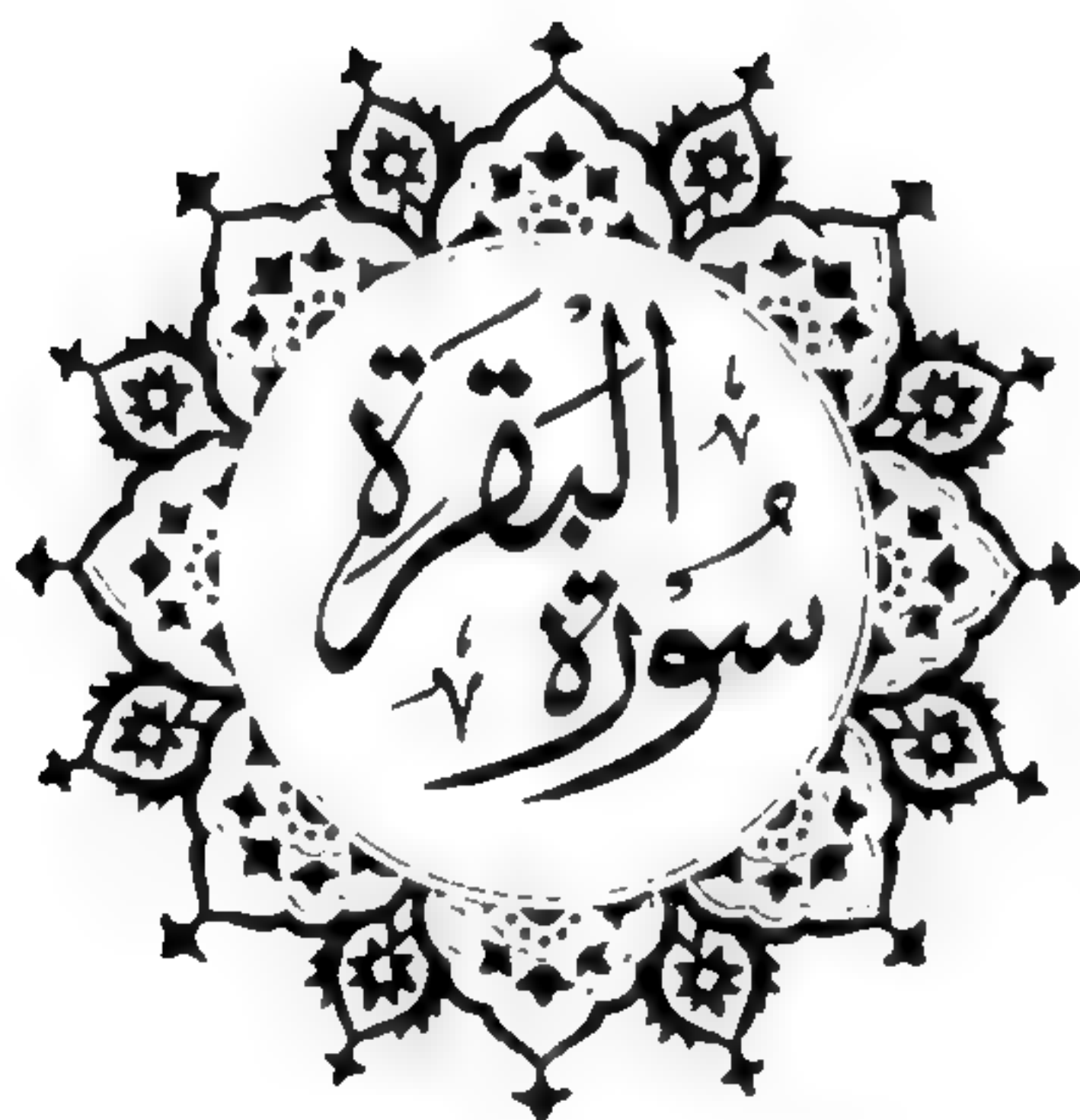
معالم العرفان فی صدس القرآن بھی اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور چند وجوہ کے اعتبار سے ممتاز بھی ہے۔ عام فہم طرز، انداز بیان میں مخاطبین کے ذہنوں کا لحاظ، واقعات کا سلسلہ انسانی مربوط اور دورِ حاضر کی دینی ضرورتوں کو پرآ کر کرنے کی رعایت، مسلمانوں کی بنیادی خامیوں کی واضح نشاندہی تفسیری سلسلہ کے شبہات اور جدید دور میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے شبہات کا بڑے لطیف انداز میں حل تحقیق کے نام پر تحریر کرنے والوں اور جدت پسند حضرات کی ٹھوکروں کی نشاندہی، سیاسی، اقتصادی، معاشی، فقہی مسائل اور جدید دور کے مسائل کی انہی سہولت گتھیوں کا قرآن و سنت اور سلف صالحین کے

کے ذریعے ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ خصوصاً جناب الحاج لعل دین صاحب
ایم اے علوم اسلامیہ اور اس میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی بخشش کا ذریعہ بنائے ان کی اس سعی کو قبول۔
فرمائے اللہ زیادہ اسے زیادہ مسلمانوں کو اس سے فیضیاب ہو سکی تو رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط

محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم)

صفحہ ۵۰۵ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء



الْبَقَرَةُ

دوسرے اول

البقرة

(آیت ۲۸۶)

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَكِّيَّةٌ مَدَنِيَّةٌ هِيَ مَائَتَانِ وَصِصَتِ وَثَمَانُونَ آيَةً وَالْبَقَرَةُ ذِكْرٌ
سورة بقرہ مدنی ہے اور یہ دو سو چھپاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْعَمَّ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۙ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

ترجمہ۔ ① سچ ② یہ کتاب، میں شک اس میں یہ رہنمائی کرتی ہے متقوں کی ③

سورة کے موعود اور نام سے پہلے قرآن کریم کی سورتوں سے متعلق چند بنیادی بات
کا ذکر ضروری ہے، اس کے بعد سورة بقرہ کے نام کے بارے میں کچھ بیان ہوگا۔

لفظ سورة اس کے ساتھ آیا ہے۔ اور اس کا معنی ہے قِطْعَةٌ مِّنْ اٰيٰتِ

سورة اور آیت

یعنی آیتوں پر مشتمل ایک ٹکڑا یا حصہ۔ مگر یا چند یا زیادہ آیتیں مل کر ایک ٹکڑا بن جائے تو

اسے سورة کہا جاتا ہے۔ کسی سورة کے لیے کم از کم تین آیات کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ

سورة نھر، سورة کوثر اور سورة نصر تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ سورة الفرو سب سے لمبی سورة

ہے۔ اور اس کی دو سو چھپاسی آیات ہیں۔

سورة کے ہر ٹکڑے کو آیت کہتے ہیں۔ جس طرح سورتیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں، اسی

طرح آیتیں بھی چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی آیت ایک لفظ کی بھی ہو سکتی ہے

جیسے اَللّٰهُ یَا حٰمِدٌ اور ایک حرف بھی ایک آیت ہو سکتا ہے جیسا کہ ق۔ ن وغیرہ اور

بعض آیات تنہی لمبی ہوتی ہیں کہ پورے ایک رکوع پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جیسے سورة منزل کے

دوسرے رکوع والی آیت ہے۔

آیت کا معنی علامت اور اس کا دوسرا معنی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں آیت کا لفظ

آیت کے مختلف معانی

ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں زمین و آسمان کی پیدائش، دن رات کے اختلاف، پانی میں چلنے والی کشتی، بارش اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے پھلوں وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: **لَاٰیٰتٍ لِّہُمْ یَعْلَمُوْنَ** اس میں غمنہوں کے لیے قدرت کی نشانیاں یا علامات ہیں۔ سورۃ روم میں فرمایا: **وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا** یہ بات اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت میں سے ہے کہ مائے تمہارے نفسوں میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے۔

قرآن میں آیت کا لفظ عبرت کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا: **کَیۡۤاٰیۡہٗۤ اٰتِیۡہٗۤ لَکُمۡ مِّنۡ ہٰۤیۡۤ اٰیٰتِہٖۤ لَعَلَّہُمْ یَعْلَمُوْنَ** کیا یہ بات لوگوں کو بہایت نہیں کرتی کہ: **کَیۡۤاٰیۡہٗۤ اٰتِیۡہٗۤ لَکُمۡ مِّنۡ ہٰۤیۡۤ اٰیٰتِہٖۤ لَعَلَّہُمْ یَعْلَمُوْنَ** ہم نے اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا: **یَعْلَمُوْنَ** فی مَکِیۡہِمۡ جو اپنے مکانوں میں چلتے پھرتے تھے: **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ** اس میں درس عبرت ہے۔ اسی طرح آیت کو معجزے کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام نے معجزات پیش کئے۔ جن کا مطالبہ قوم کے لوگ کرتے تھے۔ سورۃ رعد میں دو مقامات پر آیا ہے: **وَلَقَوْلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوْا اَلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِۤیۡہٗۤ نَزۡرٌ مِّنۡ رَّبِّہٖۤ** کفار کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا گویا آیت کا معنی معجزہ بھی ہوتا ہے۔

آیت کا معنی حکم بھی آتا ہے۔ جیسے: **یَسۡتَلُوْا عَلَیۡہِہٖۤ اٰیٰتِہٖۤ** پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے احکام پڑھ کر مانتا ہے۔ یا جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں فرمایا: **وَمَا یَنۡجِیۡہُمۡۤ اِلَّا الْکُفۡرُ** اور ہمارے احکام سے کافر ہی نجات کرتے ہیں۔

تاہم ان تمام تر معانی کے باوجود جب آیت کا لفظ سورۃ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ تو اس کا معنی سورۃ کا ایک حصہ یا جزو ہوتا ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات مل کر سورۃ ترتیب پاتی ہے جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا تھا۔ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سب سے پہلی سورۃ فاتحہ ہے۔ دوسرے نمبر پر سورۃ بقرہ ہے۔ پھر آل عمران اور سورۃ نساء ہے۔ یہ ترتیب اجتہادی نہیں بلکہ توفیقی ہے۔ یعنی یہ ترتیب صحابہ کرامؓ کی دی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ یہ

سورتوں اور آیتوں
کی ترتیب

حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ ترتیب تھے۔ اسی طرح ہر سورۃ میں آیات کی جو ترتیب ہے مثلاً
 پہلے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اس کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور پھر
 مَظْہَرِ یَوْمِ الدِّیْنِ یہ ترتیب بھی قرعہ سے ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **صَلُّوا هَذِهِ
 الْاٰیَةَ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُدْكَرُ فِيْهَا كَذُوْكَ** یعنی اس آیت کو فلاں مقام پر
 رکھ دو، تو صحابہ کرامؓ نے آپ کے فرمان کے مطابق آیات کو ترتیب سے لیا۔ انہوں نے اپنی
 طرف سے آگے پیچھے نہیں کیا۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل کی۔ حدیث
 میں صاف طور پر آتا ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے: اے
 فلاں مقام پر رکھ دو۔ تو صحابہ کرامؓ ویسے ہی کرتے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کے متعلق کچھ اختلاف
 پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین محققین فرماتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 قطعی فرمان نہیں ہے تاہم مہمور کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب بھی حضور علیہ السلام کے ارشاد کے
 مطابق ہی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہی موجودہ ترتیب
 کو قائم کیا۔

سورتوں کے اقسام
 بطاقت طوالت

قرآن پاک کی پہلی سات سورتوں یعنی سورۃ بقرہ سے لے کر سورۃ یونس تک کو
 سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چودھویں پائے میں سورۃ نمل تک
 کو ثانی یعنی طوال کے بعد دس سورتیں کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد حجرات تک کی سورتوں
 کو تیسری کہا جاتا ہے۔ مبین سے مراد وہ سورتیں ہیں جو کم و بیش یک سو آیات پر مشتمل ہوں
 اس کے بعد والناس تک سورتیں مفصلات کہلاتی ہیں۔ آگے مفصلات کے بھی تین گروپ
 ہیں۔ حجرات سے لیکر سورۃ بروج تک کو طوال مفصل بروج سے لے کر سورۃ جینہ تک وصال

۱۔ تفسیر اتقان فی علوم القرآن للسیوطی ص ۶۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔

۲۔ تفسیر اتقان ص ۶۱ ۳۔ ترمذی ص ۶۲۔

۴۔ ترمذی ص ۶۲، تفسیر اتقان ص ۶۱، مسند احمد ص ۱۰۰، متذکر حاکم ص ۲۳۔

۵۔ روح المعانی ص ۶۱ ۶۔ روح المعانی ص ۶۲۔

منفصل اور پھر آخر تک کو قصار مفصل کہا جاتا ہے۔ قصار کا معنی چھوٹی سورتیں ہیں۔

قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے ناموں کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض سورتوں کے نام ان کے ابتدائی حروف ہیں ق۔ ص۔ ط۔ یٰس وغیرہ بعض سورتوں کے اسماء ان کے پہلی آیت کے کسی لفظ پر رکھے گئے ہیں۔ جیسے سورۃ کوثر کا نام اس کی پہلی آیت اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ لُكُؤْنًا سے لیا گیا ہے۔ کسی سورۃ کا نام اس سورۃ میں مذکور مشہور واقعہ سے ماخوذ ہے۔ جیسے بقرہ کہ اس میں گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اسی طرح اسراء میں معراج کا واقعہ آیا ہے۔ سورۃ اعراف میں اعراف کا واقعہ ہے۔ جو کہ ایک جگہ کا نام ہے۔ سورۃ الاعراف کا نام بھی واقعہ ابراہیم کی دھبے سے ہے۔ سورۃ یونس کا نام یونس اس لیے ہے کہ اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔

زمانہ نزول کے لحاظ سے سورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی مکی اور مدنی سورتیں جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ خواہ وہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران نازل ہوئیں یا طائف میں یا کسی اور سفر کے دوران۔ مدنی سورتیں وہ ہیں، جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں۔ ہجرت کے بعد جو بھی سورتیں نازل ہوئیں۔ خواہ وہ قیام مدینہ کے دوران یا تبوک یا خیبر یا کسی اور مقام پر وہ سب مدنی سورتیں کہلاتی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے زمانہ و مکان کے لحاظ سے کئی قسمیں بیان کی ہیں۔ مثلاً جو سورۃ حفصہ یعنی اقامت کی حالت میں نازل ہوئی۔ وہ حفصہ کہلاتی ہے۔ اور جو سفر کی حالت میں اتری اس کو سفری سورۃ کہتے ہیں۔ اسی طرح رات کے وقت نازل ہونے والی سورۃ یسلی اور دن کے وقت اترنے والی نہاری کہلاتی ہے۔

بعض سورتیں دفعۃً یعنی یکدم نازل ہوئی ہیں۔ ان کو دفعی سورتیں کہتے ہیں اور بعض سورتیں تدریجی کہلاتی ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ تدریجاً نازل ہوئی ہیں۔ کبھی چند آیتیں نازل ہو گئیں۔ پھر درمیان میں وقفہ آگیا پھر کچھ نازل ہو گئیں۔ یہ تدریجی سورتیں ہیں۔ بعض سورتیں ایسی ہیں جو کئی توہماتی ہیں مگر ان کے کچھ حصے مکی دور میں نازل ہوئے مثلاً

یہی سورۃ بقرہ مدنی سورۃ ہے۔ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ﴾ کہ آخر تک کی آیتیں مکی زندگی کا حصہ ہیں۔ مشہور روایت میں آتا ہے کہ معراج کے دوران حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین تحفے دیے گئے۔ یعنی پانچ نمازیں۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں۔ اور ان لوگوں کے لیے خوشخبری جو شرک میں ملوث نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا معراج مکی زندگی میں ہوا۔ لہذا یہ آخری آیتیں مکی زندگی کی ہیں۔ اگرچہ سورۃ بقرہ مدنی سورۃ ہے۔

ترتیب تلاوت
کی حکمت

مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ ترتیب نزول کا تقاضا تو یہ تھا کہ پہلے مکی سورتیں آئیں اور اس کے بعد مدنی سورتوں کا بیان ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم تمام نوع انسانی کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور مختلف انسانوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسانی مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے وہ سورتیں رکھی ہیں جو جامع اور مانع ہیں اور ان میں ہر قسم کے حکام پائے جاتے ہیں۔ اور یہ عام طور پر مدنی سورتیں ہیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر فیضانِ عقائد کا ذکر ہے۔ ان میں ہر قسم کے احکام نہیں پائے جاتے۔ تو گویا پہلے مدنی سورہیں سورہوں کو لانے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ ہر قسم کے احکام سے مانوس ہو جائیں۔

فضیلت سورۃ

حدیث پاک میں سورۃ بقرہ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ یعنی اپنے گھروں کو قبروں کی طرح سنان نہ بنالو۔ بلکہ وہاں نمازیں بھی پڑھا کرو۔ نیز یہ بھی فرمایا: وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تَقْرَأُ الْبَقْرَةَ فِيهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ یعنی جس گھر میں سورۃ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا، مسلم شریف کی روایت میں اس طرح آتا ہے: يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَأَهْلِيهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدِمُهُ سُورَةُ الْبَقْرَةِ وَأَرْعَمَرَانِ یعنی قیامت کے روز قرآن پاک اور اس کے اہل کو لایا جائے گا۔ ان کے آگے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہوگی۔

یہاں پر یہ بات یاد رہے کہ اہل قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن پاک پر عمل کرتے ہیں۔
 آج کل تو چکڑا لومی اور پردیزی وغیرہ اہل قرآن کہلاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ گمراہ اور منکرینِ قرآن ہیں۔
 ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں تَعْلَمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخَاهُ
 بَرَكَهٌ یعنی سورۃ بقرہ سیکھو، کیونکہ اس کا سیکھنا باعثِ برکت ہے۔ وَتَرْكُهَا حَسْرَةٌ
 اور اس کا ترک کرنا باعثِ حسرت ہوتا۔ نیز فرمایا لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَسَنَامُ الْقُرْآنِ
 سُورَةُ الْبَقَرَةِ ہر چیز کی ایک کوہان یا بندی ہوتی ہے۔ اہل قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے
 یعنی یہ سورۃ قرآن پاک میں اس طرح نمایاں ہے جس طرح اونٹ کی پشت پر کوہان نمایاں ہوتی ہے۔
 فرمایا سورۃ بقرہ میں ایک ایسی آیت ہے ہٰی سَيِّدَةُ اَيُّ الْقُرْآنِ اَيُّهَا
الْكُرْسِيُّ یہ قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سرِ دار ہے، یعنی آیتہ الحُرّی گویا سب بڑی اور سب سے
 فضیلت والی آیت اسی سورۃ میں ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سورۃ بقرہ فَطَّاطُ
 الْقُرْآنِ یعنی قرآن کا خیمہ ہے جس میں ہر چیز آجاتی ہے۔ فرمایا اقْرَؤْ وَالزَّهْرَ اَوْ مِثْلَ
 الْبَقَرَةِ وَالْعَمْرُونَ دو روشن سورتیں پڑھو یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران۔ یہ قیامت
 کے روز اس طرح آئیں گی جس طرح دو بادلی ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان بڑی چمک ہوگی
 یہ سائبان کی طرح اُپر آئیں گی۔

مسند احمد کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ الْبَقَرَةُ سَنَامُ الْقُرْآنِ
 سورۃ بقرہ قرآن کریم کی کوہان ہے۔ اس کی ہر آیت کے ساتھ اتنی۔ اتنی فرشتے اترتے ہیں
 ہیں۔ یعنی ہر آیت کے نزول کے وقت ملائکہ کا نزول ہوتا تھا۔ فرمایا اس کی اہمیت اللہ مَوَالِہُ
 اَزْهَوُہُ لِحٰی الْقِیَومِ ؕ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے سے نکال کر سورۃ میں شامل کیا ہے
 اسی آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم بھی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں مختصر طور پر بہت سے مضامین آجاتے ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ نے مضامین سورۃ

۱۔ مزہبہ ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸،

نے منعم علیہم لوگوں کے بجز اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اور ان کے نتائج سے آگاہ کیا ہے اسی طرح کھراؤ لوگوں کے اوصاف اور ان کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ جن سے دو پہچانے جاتے ہیں اس سورۃ مبارکہ میں توحید باری تعالیٰ اور رسالت کا ذکر دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ آیا ہے ختم نبوت کا بیان ہے۔ اور وحی کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے۔ انسان کے مکلف ہونے کا بیان ہے۔ اور پھر وحی الہی کی احتیاج کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنے تمام تر مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ انہیں زندگی کے ہر موڑ پر وحی الہی کی دستگیری کی ضرورت ہے۔

اس سورۃ میں عبرت حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے فضائل کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے اسلاف پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔ اور موجودہ بنی اسرائیل کی جانتوں، شرارتوں، ان کے غبار اور ضد کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں قت ابراہیم کا ذکر ہے۔ بیت اللہ شریف کے کعبہ ہونے کا ذکر ہے۔ تہذیب، حلق اور تعلیم کے ارکان اتمیر منزل اور سیاست میں ان کا ذکر ہے۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس میں قوانین مملکت اور خلافت کبریٰ کے اصول بیان کیے گئے ہیں کہ امیر کیسا ہونا چاہیے۔ اور قریب کے لیے کیا قوانین ضروری ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ میں اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کی پہچان کرائی گئی ہے۔ سخاوت کی ترغیب دی گئی ہے۔ بخل کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ سود کی حرمت اور تجارت کے قوانین کا بیان ہے۔ عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل ہیں۔ معاشرتی امور سے متعلق نکاح، طلاق، قسح، ایلاء وغیرہ کے احکام ہیں۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا بیان ہے۔ عقوبات میں قصاص اور دیت کے احکام ہیں۔ اصلاح معاشرہ، عبادت اللہ، غرض اس سورۃ مبارکہ میں ہزاروں مضامین بیان ہوئے ہیں

اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ بقرہ عام طور پر گائے کے لیے بولا جاتا ہے تاہم عربی زبان میں یہ لفظ گائے اور بیل دونوں کے لیے مشترک ہے۔ اگر وضاحت کرنی ضروری ہو تو بیل کے لیے ثور کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ بہر حال اس سورۃ مبارکہ میں جس بقرہ کا ذکر ہے کہ وہ نہر ہرما مادہ ہو۔

نام اور کوائف

قرآن پاک کے الفاظ و حروف کے اعداد و شمار جمع کرنے والے لوگوں کے مطابق اس سورۃ کی دو سو چھیاسی یا دو سو ستاسی آیتیں اور چالیس رکعات ہیں۔ اس میں چھ ہزار دو سو اکیس کلمات اور پچیس ہزار اکیس حروف ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے پسے حصے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے۔ دوسرے حصے میں بننے کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ صرف اسی کا باریک گذار ہے۔ اور اسی کی اعانت کا طالب ہے۔ تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اَعْدَانَا الْقَوِیَّاتِ الْمُسْتَقِیْمِؕ اے پروردگار! ہمیں یہ سب راستے کی طرف راہنمائی فرما۔ چنانچہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس ہدایت اور راہنمائی کی تمہیں ضرورت ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ مِنْهُ فِیْهِ رُخْسٌ لِّیْهِ كِتَابٌ ہے جو مکرر و منہج ہدایت ہے۔ اس کو منبرِ طہی کے ساتھ پکڑو سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ میں پڑھا ہے۔

قرآن پاک میں بیان کردہ واقعات عام طور پر کئی سورتوں میں آئے ہیں مثلاً فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں تقریباً پچاس مرتبہ بیان ہوا ہے اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ تاہم یہ گھسے کا واقعہ صرف سورۃ بقرہ ہی میں بیان ہوا ہے۔ قرآن پاک کے کسی دوسرے مقام پر اس واقعہ کا کوئی حصہ نہیں آیا۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں دین کے تمام مہمات یعنی اہم باتیں سمجھا دی گئیں ہیں۔

اس واقعہ کی اہم ترین بات اللہ وحدہ لا شریک کی پہچان اور شناخت ہے۔ جب بنی اسرائیل کو ایک آدمی قتل ہو گیا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سلسلہ میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فریاد ہے کہ گائے ذبح کرو۔ اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مرے کے جسم پر مار دو۔ اور وہ خود بخود بتائے گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا تو مردہ زندہ ہو گیا۔ اور اس نے اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مردہ گوشت لگانے کی وجہ سے زندہ ہو گیا تھا یا خود بخود ہی بکھڑا ہو گیا تھا۔ اگر خود بخود زندہ ہو گیا تو وہ سب سینکڑوں ہزاروں مرنے والے خود بخود کیوں نہیں زندہ ہو جاتے۔ اور اگر وہ مردہ گائے کا گوشت لگانے کی وجہ سے زندہ ہوا، تو گائیں بھی جیسا ذبح ہوتی ہیں مردوں کو زندہ کرنے کا یہ آسان نسخہ ہے۔ ہر مرنے والے کو زندہ کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا وہ مردہ نہ تو خود بخود زندہ ہو گیا۔ اور نہ ہی مرنے والے کا گوشت لگانے سے۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوا جو صانع اودقود مطلق ہے۔ لہذا اللہ رب العزت کی سب سے بڑی چٹان یہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ سورۃ مبارکہ کی سب سے اہم بات ہے۔

ثبوت نبوت
اس سورۃ میں دوسری اہم بات نبوت کا ثبوت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کا پتا لگانے کے لیے جو طریقہ بتایا، وہ کامیاب ہوا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہو گئی جب ایک نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو علم انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ نیز یہاں پر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نبی کی بات کو بغیر تعقیب کے تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس میں حیل و حجت نہیں کرنی چاہیے۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے بتائے گئے طریقے میں حچان بین شروع کر دی۔ کہ جس گائے کو ذبح کھنے کے لیے کہا گیا ہے وہ کیسی ہونی چاہیے اور اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ لوگ اپنے نبی کے حکم کے مطابق فوراً عمل کرتے ہوئے گائے ذبح کر دیتے، تو مسئلہ فوراً حل ہو جاتا۔ انہوں نے اپنے اوپر جس قدر سختی کی، اُسی قدر قیدیں بڑھتی چلی گئیں۔

استقامت
کی ضرورت
اس واقعہ میں تیسری اہم چیز استقامت ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عقیدے عمل اور اخلاق پر قائم رہے۔ اگر استقامت میں لغزش آجائے گی تو کسی قسم کے فساد پیدا ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے آدمی کے قاتل نے اس جرم کا ارتکاب اس لیے کیا تھا تا کہ مقتول کو راستے سے ہٹ کر چچا کا سارا مال حاصل کر لے۔ گویا اُس نے استقامت کو چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے ذلیل و بے ہوش کر دیا۔ معلوم ہوا کہ استقامت بڑی چیز ہے اس کو چھوڑنے سے ذلت و سوائی ہو کر ناپاڑا ہوتا ہے۔

اس واقعہ کی پوری بات مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ دین اور ایمان کے راستے میں کوشش

اور جدوجہد کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جوانی کے عالم میں انسان کی عقل مغلوب ہوتی ہے۔ انسان پر خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس عمر میں اکثر لوگ مجاہدہ میں ناکام ہوتے ہیں۔ جب انسان پر بڑھاپا آجاتا ہے۔ تو ظاہری قوتیں کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف حیات انسان کے قلب و ذہن میں سخت سوچنی ہوتی ہے لہذا اس عمر میں بھی انسان مجاہدہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ لہذا اس کی بڑی اہمیت اور بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اس واقعہ کی پانچویں اہم چیز معاد یعنی حیات بعد الممات کا ثابت ہونا ہے۔ یہ پورا واقعہ معاد ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَذٰلِكَ يُخَيِّطُ اللّٰهُ الْمَوْتٰی یعنی جس طرح اس مرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا، اسی طرح معاد میں سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

یہ تمام دین کے بنیادی اور اہم اصول ہیں۔ باقی چیزیں ان کے ضمن میں آتی ہیں اس ایک واقعہ میں خدا تعالیٰ نے دین کے بنیادی مسائل اور معارف سمجھائے ہیں۔ اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔

اس درس میں سورۃ بقرہ کے فضائل اور اس کے مجموعی مضامین کا مختصر بیان ہوا۔ آئندہ درس میں انشاء اللہ آلہ کے تعلق بیان کیا جائے گا۔

الْقَافُ

درس دوم

البقرة

(آیت ۲۵۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْقَافُ ۱ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ مِنْهُ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۲

تو عجب ہے۔ الْقَافُ ۱ یہ کتاب میں شک اس میں۔ یہ رہنمائی کرتی ہے متقینوں کی ۲

محکمات متشابہات
مقطعات

گزشتہ درس میں سورۃ بقرہ کی فضیلت، اس کے نام اور اس کے موضوعات کا اجمالی تذکرہ ہوا تھا۔ اس درس میں حروف مقطعات میں سے الْقَاف، یام، میم کے متعلق بیان ہوگا۔

اصولی طور پر یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ قرآن کریم میں تین قسم کی آیات ہیں۔ پہلی قسم کی آیات محکمات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی آیات کے الفاظ بھی معلوم ہیں اور ان کا مطلب اور مراد بھی معلوم ہے۔ گویا یہ آیات بالکل واضح ہیں۔ قرآن پاک کی اکثر آیتیں محکمات ہیں۔ آیات کی دوسری قسم متشابہات ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے الفاظ کا معنی

تو معلوم ہے۔ مگر ان کی حقیقت پر شبہ ہے۔ مثلاً آیت کریمہ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی میں رَحْمٰن عَرْشِ اللہ استوائی کے معانی معلوم ہیں۔ مگر اس کی حقیقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ وہ غامض اور دقیق ہے۔ گویا معنی تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے۔ مگر جلوہ گر ہونے کی کیفیت ذہن انسانی کے بس کی بات نہیں۔ ایسی آیات متشابہات کہلاتی ہیں۔

تیسری قسم کی آیات مقطعات کہلاتی ہیں۔ یہ مفرد حروف ہیں جو قرآن پاک کی انیس سو تینوں کے ابتداء میں آتے ہیں۔ سورۃ بقرہ بھی انہیں میں سے ہے۔ جو الْقَاف سے شروع ہوتی ہے۔ دوسرے مقامات پر ق، ص، ی، ا، ک، ر، ی، س، خ، ت وغیرہ کے حروف آتے ہیں۔ مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کا معنی واضح ہے۔ اور نہ ان کی مراد معلوم ہے۔

احکام خداوندی
معانی کھلیں

تاہم ہر قسم کی آیات کے احکام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ خواہ ان احکام کی حکمتیں واضح ہوں یا غیر واضح۔ مثلاً نماز پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ انسان اپنے مجہود کے سامنے تواضع کرے۔ اور اپنے منعم کا شکریہ ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ جو کہ عبادت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات پیش کرنے کی حکمت بالکل واضح ہے۔ اسی طرح روزہ کا مقصد نفس کو دہانا شہوت کو مغلوب کرنا ہے۔ تاکہ انسان میں تقویٰ کی روح پیدا ہو سکے۔ بھوک اور پیاس سے خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بھی واضح حکمت ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس میں دو بڑی حکمتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ مساکین کی حاجت پوری کی جاتی ہے تاکہ کوئی غریب بھوکا پیاسا نہ رہے۔ اور دوسری یہ کہ انسان بخل کے مارہ سے پاک ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے مال سے زکوٰۃ نکالتا ہے گا اس میں بخل کی بجائے سخاوت کا روپ پیدا ہوگا۔ لہذا زکوٰۃ کی حکمت بھی واضح ہے۔

اب بعض احکام ایسے ہیں جن کی حکمتیں بڑی گہری ہیں۔ اور ہر آدمی انہیں نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً حج کے ارکان منجملہ ان کے بیت اللہ شریف کا طواف۔ منیٰ اور عرفات کا وقت ہے۔ جہالت کی رہی ہے۔ ان احکام کی حکمتیں غامض اور دقیق ہیں۔ مگر ان پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مکلف کے لیے لازم ہے۔ اور جن احکام کی حکمت واضح نہیں۔ ان کے متعلق زیادہ کہہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان احکام کی بر حالت میں تعمیل کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ احکام آیات محکمات کے ہوں یا آیات متشابہات کے ہوں۔

حرف مقطعات
معنی کلمات

اسی طرح حدود مقطعات کے بارے میں بھی زیادہ کہہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا معلوم نہیں ہوا۔ جس نے حدود مقطعات کی کریمہ کی ہو جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا صی پڑنے کیلئے کریمہ کی ہو۔ مگر بعض فرماں تحقیق پسند ہوتے ہیں۔ وہ معاملہ کی نہ تک نتیجہ چاہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن حدود کے معانی ہی معلوم نہیں۔ ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ چنانچہ

صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی بعض علمی ذہن کے لوگ تھے۔ جو ان کے متعلق سوال کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں بھی بعض لوگوں نے ان الفاظ کے معانی پوچھے۔ بعض نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے التماس کا مطلب دریافت کیا۔ تو انہوں نے تقریب ذہن یعنی ذہن کو قرآن کریم کے قریب کرنے کے لیے کچھ معانی بتا دیے۔ اس کے بعد دوسرے مفسرین کرامؓ نے بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان الفاظ کے معانی بیان فرمائے مگر ان میں سے کوئی بھی معنی اطلاق نہیں ہے۔ محض احتمال اور ظن غائب سے کچھ معانی بیان کر دیے ہیں تاکہ ذہن قرآن پاک سے مانوس رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض صحابہ کرامؓ اور مفسرین صالحین کے اقوال ملتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ

حضرت ابو جبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اَلْکَلَامُ بِرِکَاتٍ یعنی ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی
راز کی بات ہوتی ہے۔ یعنی ہر کتاب کی ہر چیز واضح نہیں ہوتی بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی چیز
پوشیدہ بھی ہوتی ہے۔ جو عام انسانوں کی سمجھ سے بالا ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں
وَمِنْ الْقُرْآنِ اَوَّلُ السُّورِ یعنی قرآن پاک کے اسرار اس کی ابتدا میں حروف مقطعات ہیں
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اَلْکَلَامُ بِرِکَاتٍ صَفْوَةٌ یعنی ہر کتاب
میں کوئی نہ کوئی چھانٹی ہوئی یا منتخب بات ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم میں ایسی بات حروف
تجلی السّٰوۃ وغیرہ ہیں۔ جنہیں ہر آدمی کا کھنا ضروری نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؑ

اہم عامر بن ترزجیل المعروف شعبی نے پانچ سو صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہے۔ اور ان سے علم حاصل کیا ہے۔ آپ اہم البخیفہ کے استاذ ہیں۔ جب آپ سے حروف مقطعات کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا اے ربی اللہ فلا تطلبوا یہ اللہ کے راز ہیں۔ ان کے پیچھے مت پڑو۔ جو کتاب ہے تم انہیں سمجھنے میں ناکام رہو اور کسی غلط چیز میں مبتلا ہو جاؤ۔ لہذا تم انہیں صرف پڑھ لیا کرو۔

حضرت امام شہید

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے ہر حرف کی تلاوت پر

حضرت ابن مسعودؓ

۲۰ تفسیر کبیر ۲۱ تفسیر عزیزی ص ۴۱

منہ تفسیر غریزی خاکی چپ ۱۱۴، تفسیر کبیر ۱۱۵

تفصیل کے لیے

۲۰ تفسیر عزیزی ص ۵۰ پارہ ۱۰ تفسیر کبیر ص ۲۰

دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ جو مومن ان عبادت کو پڑھے گا۔ سب سے نیکیاں حاصل ہوں گی
یہی بہت بڑی غنیمت ہے۔ لہذا ان کے معانی تلاش کرنے میں کوشش نہ کرو۔

امام رازی پچھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے بڑے عظیم مفسر قرآن گزشتے ہیں۔ جس میں تیسری
صدی میں امام ابن جریر طبری اور چوتھی صدی میں ابو جبر جصاص ہوئے ہیں اسی طرح آپ کا مقام
تھا ابو جبر جصاص معنی تھے۔ اور امام رازی شافعی تھے۔ امام ابن جریر خود مجتہد صاحب مذہب تھے۔
اور کسی کے متقلد نہیں تھے۔ ابو جبر جصاص نے صرف احکام کی تفسیر کی ہے۔ یعنی قرآن پاک کی صرف
ان آیات کی تفسیر لکھی ہے جن میں احکام بیان ہوئے ہیں۔ البتہ امام رازی نے پچیسویں پارے
تک مکمل تفسیر کی ہے۔ اس کے بعد آپ وفات پا گئے۔ چنانچہ بقیہ تفسیر آپ کے نہایت قابل
شاگردوں نے کی۔ اس تفسیر کی آخری دو جلدیں امام رازی کی اپنی ماییت نہیں۔ بلکہ آپ کے تلامذہ
کی ہے۔ ان آخری جلدوں کا مقابلہ پہلی جلدوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا
اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شرف عطا فرمایا۔

حدوت مقطعات کے متعلق امام رازی کا قول یہ ہے کہ السّورة بقرة کا دوسرا
نام ہے۔ ایک نام بقرة ہے۔ اور دوسرا السّورة ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ السّورة اور دیگر حدوت مقطعات کہلیعصۃ ۳۱ ۳۲ ۳۳
عسقی وغیرہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک ہیں۔ امام رازی نے ایک حدایت ذکر کی ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ کے چھ ہزار نام ہیں۔ اس نے اپنے تمام نام آسمانی کتابوں میں نازل فرمائے ہیں۔
سوئے ایک کے جو اس نے مخصوص کر لیا ہے۔ اور کسی کو نہیں بتایا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ السّورة
یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسا کہ السّورة کے متعلق امام ابن کثیر نے
لکھا ہے تَذَكُّرُنِي خَيْرٌ مِنَ رِّيحٍ طَحْطَحٍ وَابْتِغَاءُ وَجْهِكَ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ كَرِهَ لِيَائِي
جو اردو میں مَلاَحَظَةُ خَيْرٌ قَبْلَ الْتَفَتُدْجِ۔

مقطعات
اسمائے الٰہی ہیں

۱۔ تفسیر کبیرہ ص ۲۰
۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۰

۱۔ تفسیر کبیرہ ص ۲۰
۲۔ تفسیر کبیرہ ص ۲۰

اس کے جواب میں کہتا ہے۔ کہ اب حیب کہ نیزے کٹک رہے ہیں۔ اب واسطہ پیش کرتا ہے۔ خ کا واسطہ پہلے کیوں نہ دیا تاکہ ہم لڑائی شروع نہ کر لے۔ اب ہم لڑائی نہیں چھوڑ سکتے اس مقولہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ اللہ کا نام ہے۔

بعض اس کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ حروف مقطعات اللہ کا پورا نام نہیں بلکہ بعض اسماء کی طرف اشارات میں مثلاً الف کا اشارہ اس کے ذاتی نام اللہ کی طرف ہے۔ ل سے مراد رحمن ہے۔ اور اسی طرح لاء کا اشارہ کافی کی طرف ہے ل کا اشارہ اکم لطیف کی طرف ہے۔ اور ہ سے مراد ملک اور اکم مجید ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات قرآن پاک کے نام میں جیسے خ یس۔ الہ وغیرہ۔ حضرت ام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتب الفوز البکیر، خیر کثیر اور ہوامع میں حروف مقطعات پر بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طہ پر یہ فہم دیا ہے۔ کہ جس سورۃ کی ابتداء میں یہ حروف آتے ہیں اس سورۃ کا خلاصہ اور عنوان ان حروف میں مذکور ہے۔ ان حروف سے سورۃ کے مضامین کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہی ہیں۔ جیسے کسی شخص کے لیے معنی، قاضی، امیر سلطان یا حاکم وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یا اس طرح سمجھ لیں۔ جیسے تعلیمی ڈگری بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی، ایس ڈی (ڈاکٹر آف لٹریچر) وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ انہی سے کسی کی شخصیت کی علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ بالکل اسی طرح حروف مقطعات کے ذریعے کسی سورۃ کا خلاصہ یا اسس کی سرخی بیان کی جاتی ہے۔

مقطعات
اسم قرآنی میں

امام مہر ڈیسری صدی کے بڑے صوفی، انجمنی اور لغت و ادب کے امام تھے اپنی مشہور کتاب "کامل نسب" وہ فرماتے ہیں کہ "ان فیصیح و بیغ حروف مقطعات میں پہنچا ہے

مقطعات
بیشیت چینی

۱۔ تفسیر طبری ۲۔ تفسیر کبیر ۳۔

۴۔ تفسیر جبرہ طبری ۵۔ تفسیر کبیر ۶۔

۷۔ تفسیر کبیر ۸۔

۹۔ الفوز البکیر ۱۰۔ مطبوعہ لاہور

کہ اے دنیا والو! یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے انہی حروف میں قرآن پاک نازل کیا ہے۔ اگر تم اس کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے: **فَاَنذَرُكُمْ سُورَةٌ مِّنْ جَنَّاتٍ** تو اس جیسی ایک سورہ ہی بنا کر لاؤ اگر تم بھی ایسا کر سکو تو مانیں گے کہ قرآن بھی خدا تعالیٰ کا نازل کیا ہوا نہیں ہے۔

عربی زبان بڑی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ نزل قرآن سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے عربی زبان کی ترقی شروع ہوئی اور اس غرصہ میں وہ اپنے کمال تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ عرب لوگ اس زبان کے مہر سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیے وہ غیر عربوں کو بھی یعنی گونگے کتے تھے عربی زبان کا شعر و ادب کا ذخیرہ کمال دیتے کا ہے۔ ہمارے دروسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ تو اسی ترقی یافتہ زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے **قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ** عربوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا اہم اور اہم ترین زبان تعالیٰ۔ انہی اہل زبان کے سامنے آکر کھینچنے کا چیلنج پیش کیا گیا۔ کہ اگر کوئی ہے تو اس جیسا کلام بنا کر لائے۔ مگر کوئی بھی اہل زبان اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔

اہم انخسٹ اور مفسر تغیر غازی کہتے ہیں کہ ہر کتاب ہے کہ حروف مقطعات قسم کے معنوں میں استعمال ہوتے ہوں۔

بعض فرماتے ہیں کہ ان حروف کو قرآن کے انقطاع کے لیے لایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ** پر ختم ہوئی۔ تو دوسرا کلام شروع کرنے کے لیے آئے ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانے میں ہی بحث و تمحیص کرنے والے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ جو اس قسم کے معاملات میں تحقیق کرتے تھے۔ چنانچہ آپ سے آئے کا معنی دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **كَانَ اللَّهُ أَعْلَمُ**

یعنی میں تمہارا اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ گویا آسمے مراد اَنَا لَی سے مراد اللہ اور م سے مراد اَفَلَمْ ہے۔ اسی طرح الْقَمَر سے مراد اَنَا اللہ اَفَقِیْطِل ہے یعنی میں تمہارا اللہ ہوں، جو تمہارے لیے ہر چیز تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔ اَللّٰی کَا مَطْلَب ہے اَنَا اللّٰہُ اَرٰی میں تمہارا اللہ ہوں جو تمہاری ہر بات کو دیکھتا ہوں۔

اہم ماوردی کی تحقیق

امام ماوردی صاحب احکام السلطنہ: چنانچہ زمانے کے بہت بڑے محقق ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ الْقَمَر کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اَلْعَرَبِکُمْ اور اس کی تفصیل ہے نَزَّلَ عَلَیْکُمُ الْکِتَابَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب نازل کی ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں: الْقَمَر کا معنی اَقْلٌ لَزِیْمٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ذَلِکَ الْکِتَابُ یعنی ایمان مندوں کے لیے اولین ضروری چیز یہ کتاب ہے۔ اس کے اندر غور و فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہدایت کا منبع و مرکز یہی کتاب ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ آسمے مراد اللہ ہے۔ ل سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے اور م سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

شیخ ابن عربی کا قول

شیخ ابن عربی اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ کل وجود خداوند تعالیٰ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام درمیان میں ایک واسطہ ہے۔ جو اللہ سے فیض لے کر اُدھر پہنچاتا ہے۔ اور آخر الوجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان تک فیض پہنچانے کا واسطہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ الْقَمَر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے انسانیت کی تکمیل کے لیے ذَلِکَ الْکِتَابُ لَزِیْمٌ فِیْہِ اس عظیم کتاب کو نازل فرمایا۔

۱۔ تفسیر کبیر

۲۔

۳۔ احکام القرآن شیخ ابن عربی ص ۱۷

۴۔ تفسیر کبیر

بعض فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کی تلاوت کی جانی چاہیے تاکہ برکت اور ثواب حاصل ہو۔ خواہ اس کا مطلب سمجھیں آئے یا نہ آئے۔ تاہم ثواب تو ہر ایسا نذر کو حاصل ہوگا بعض فرماتے ہیں کہ صرف مقطعات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کا ایک معجزہ ظاہر فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام تو اُمّی ہیں۔ آپ نے کوئی نوشتہ و خوانہ نہیں کی جب تک کوئی تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ ایک اُمّی صرف تہجی کیسے پڑھ سکتا ہے۔ مگر پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کے اُمّی ہونے کے باوجود ان الفاظ کا پڑھنا ایک غیر معمولی معجزہ تھا۔ حالانکہ نہ آپ نے کسی مکتب میں داخلہ لیا۔ اور نہ کسی استاد سے پڑھا۔ لہذا اس معجزے کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ محدود مقطعات نازل فرمائے۔

اہم بیضاوی ساؤلمہدن کے عظیم مفسر ہوئے ہیں۔ مختصر تفسیروں میں اہم صاحب کی تفسیر سب سے اہم ہے۔ آپ کا زمانہ مسلمانوں کی ترقی کا دور تھا۔ آپ اللہ کی تائید اس طرح کرتے ہیں کہ حرف الف حلق کے انتہائی آخری حصے سے نکلتا ہے۔ لام درمیان سے مچھوٹوں سے نکلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ حروف آخر، اوسط اور ابتداء کی حصے سے ادا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے کلام کی ابتداء اوسط اور آخری حصہ تالی کے ذکر سے ہونی چاہیے گویا اہم بیضاوی نے عروف اللہ کو اللہ کے ذکر کے ساتھ مربوط کیا ہے۔

حضرت امام شاہ
دل اللہ کا قول

حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے کشفی اور ذاتی طور پر معلوم ہوا ہے کہ اللہ کا مطلب وہ غیر مادی فیض مجرب ہے۔ جو اس مادی اور سمجھنے مکان والے عالم میں آکر معنی ہو گیا ہے اور لوگوں کے ادب اور علوم وغیرہ کے مطابق ان کی شکل سے متصادم ہے۔ یہ فیض محسوس اعمال فاسدہ، اقوال کاسدہ کی تذکیر کرتا ہے۔ اور بہ عادت اور اخلاق ردیہ کا رد کرتا ہے۔ یہ اللہ تشریح اور تحقیق قدسی پیش کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ساری سورۃ بقرہ میں اللہ کا یہی اجمالی معنی نظر آتا ہے۔ اس سورۃ میں

۱۔ تفسیر و تفسیر بیضاوی ص ۱۲۱ تفسیر غزالی قادی ص ۱۲۱

۲۔ تفسیر و تفسیر بیضاوی ص ۱۲۱

۳۔ الفہم البکیر ص ۸۲ مطبوعہ کراچی

۴۔ تفسیر و تفسیر بیضاوی ص ۱۲۱

نزدک مسلمانوں
سورۃ کافہ کی تفسیر

لوگوں کی نگاہ دل کا مقابلہ، قوانین کی تشریح اور تحقیق اور بڑے اقوال و عقائد اور بڑے اخلاق کی اصلاح کے متعلق ہی مضامین پائے جاتے ہیں۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ استقامت علی الشریعہ کی طرف ہے۔ اِنَّ
الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفَعَا هُوَ اِلٰهِنَا شَرِيعَتِہٖ بِرِاسْتِغَاثِہٖ اِستِغَاثَہٗ اِستِغَاثَہٗ
چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ لام کا اشارہ مجاہدہ کی طرف ہے۔ یعنی وہ چیز جو ریاضت اور مجاہدہ کرنے
سے حاصل ہو۔ جیسے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فَاٰتَيْنَا لَهُمْ فَاكِهًا وَنِسَاءً۔
یعنی جو لوگ ہماری طرف مجاہدہ کریں گے۔ ہم ضرور ان کو راہ بتلائیں گے۔ اسی طرح حرف میم میں
یہ اشارہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عزت ہونی چاہیے۔

مولانا مودودی صاحب
کا تفسیر

مودودی صاحب نے اپنی کتاب تفسیر تفسیر القرآن میں ایک نہایت ہی غلط بات لکھی
ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ الف کا معنی پست نہ لسنے میں معلوم تھا مگر بعد میں ملے لوگ بھول
گئے۔ اسکا مطلب کہ کچھ لوگ اسے معانی جانتے تھے بعد میں اسے لگے لوگ بھول گئے۔ یہ تو بالکل ہی غلط و گمراہی
کہ کسی کو بھی اسکا معنی نہ آتا ہو۔ مفسرین کو کہنے جو معانی بیان کیے ہیں وہ میں نے عرض کر دیے۔

مفسر فراہی
کا قول

مفسر قرآن فراہی کہتے ہیں کہ قدیم مصری زبان میں الف کو سر کی شکل میں لکھا جاتا تھا۔
بعض زبانوں میں حروف جائز یا درخت کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ ایسے الف کے دو معنی استعمال
ہوتے تھے۔ ایک معنی گائے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سورۃ کو گائے کے ساتھ مناسبت ہے
کیونکہ اس میں گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ الف کا دوسرا معنی التذکرۃ لا شریک ہے۔
تو فراہی لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حروف اس محاورے کے مطابق استعمال کیے
گئے ہوں۔

حرف آخر

امام جلال الدین سیوطی اور بہت سے مفسرین آخری بات یہ فرماتے ہیں گے۔ اَللّٰہُ
اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ کہ اللہ اور دیگر حروف مقطعات کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اَمَّا بِذَلِكَ وَصَدَّقْنَا بِهْمِ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں
 ہمارے عقل ناقص ہے۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کے معانی ضرور ہی معلوم کر سکیں۔ اس کا
 احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دینا چاہیے۔ کہ ان حروف سے
 اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے، وہ برحق ہے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔
 اَمَّا وَحَسَدَّقْنَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الحزب الاول

مع

عند الخیر

الْقُرْآنُ ① ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ②
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
يُنْفِقُونَ ③ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِمَّا
أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ④ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ⑤ أُولَٰئِكَ
عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ⑥ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑦

ترجمہ: الْقُرْآنُ ① یہ کتاب۔ نہیں شک اس میں۔ یہ رہنما کرنا
ہے متقینوں کی ② جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو۔ اور
جو روزی ہم نے ان کو دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ③ اور
وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اُس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اُس چیز
پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی
لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور یہی لوگ مراد کر پہنچنے
والے ہیں۔ ⑤

مخطوطات
کی حکمت

عربی میں ذلک اشارہ بعید کے لیے اور هذا اشارہ قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے
یہاں پر گفتگو اس کتاب یعنی قرآن پاک کے لیے ہو رہی ہے۔ لہذا اسم اشارہ هذا
استعمال ہونا چاہیے تھا یعنی یہ کتاب۔ نہ کہ ذلک یعنی وہ کتاب۔ اس اشکال کے متعلق مفسرین
کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر اشارہ بعید استعمال کرنے کا مقصد اس کتاب کی عظمت اور شان

لے تفسیر معنی المعالیٰ چاہیے۔ تفسیر عزیزی قدسی ص ۱۸۰

کا اظہار ہے۔ لہذا ذٰلِكَ الْكِتَابُ کا معنی یہ ہو گا۔ کہ یہ وہ کتاب ہے۔ جو اپنے مالِ حقائق۔
وقائق۔ اسرار اور درستی کی جندی کی وجہ سے مخاطبین کے فہم سے غائب اور انسانی افکار کی جوں کا
سے بہت جلد سے لہذا اس کے لیے ذٰلِكَ کا اشارہ استعمال کیا گیا ہے۔

مفسرین کرام ایک دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلی کتابوں میں قرآن پاک کے متعلق
پیش گوئیاں موجود تھیں۔ چنانچہ قرأت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ
میں تیرے بھائیوں میں سے تیرے جیسا ایک بنی برپا کروں گا۔ اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں
گا۔ اور وہ کلام ہی وہی قرآن پاک ہے۔ تو یہاں پر ذٰلِكَ الْكِتَابُ کا معنی ہے کہ یہ وہی
کتاب ہے۔ جس کی پیش گوئی پہلی کتابوں میں کی گئی تھی۔

یا اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے پہلے لوح محفوظ سے بیت العزت
میں نقل کیا گیا۔ اور پھر وہاں سے تیس سال کے بعد مصر میں بتہ ریح بنی علیہ السلام پر نازل کیا گیا
یاد ہے کہ بیت العزت آسمانوں میں ایک مقام ہے۔ جہاں پر قرآن پاک اولیٰک وقت منتقل
کیا گیا تھا۔

لفظ ذٰلِكَ
کا مضموم

ذٰلِكَ فِیْہِ کَلام فہم معنی یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس سے مراد یہ نہیں
یعنی چاہیے کہ کوئی دوسرا شخص اس کلام میں شک و شبہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بلاشبہ کفار و مشرکین
قرآن پاک کی صداقت پر شک کرتے تھے۔ اسی لیے تو تیسرے رکوع میں ان لوگوں کی جیسلیج
کیا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یعنی اگر تمہیں اس چیز میں
کوئی شک ہے۔ جو ہم نے اپنے بند پر اتاری ہے۔ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ تمہاری قابلیت کا پتہ چل جائے گا۔ مطلب یہ کہ مشرکین کو لازم
اس کلام میں شک کرتے تھے۔ تو یہاں پر ذٰلِكَ کا معنی یہ ہے کہ واقعہ اور نفس الامر میں اس
کلام میں شک و شبہ والی کوئی بات نہیں۔ اگر کوئی شک کرتا ہے۔ تو یہ اس کی اپنی غلطی اور
دماغ کی خامی ہے۔ وہ شخص تعصب اور عناد کی وجہ سے شک کرتا ہے۔ ورنہ اس کتاب

میں تو کوئی غامی نہیں۔

حضرت شیخ المنہج
کی تفسیر

شیخ المنہج مولانا محمود الحسن فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں شک و شبہ کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس چیز میں واقعی کوئی نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے شک پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس چیز میں تو کوئی شک و شبہ یا نقص نہیں ہوتا مگر شک کرنے والے کے اپنے دماغ کی خرابی اور خلل کی وجہ سے اُسے وہ چیز مشکوک نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت اس کا ایک ایک لفظ شک و شبہ سے پاک ہے اس میں نہ کوئی کذب بیانی ہے اور نہ ہی کوئی خلاف واقعہ چیز ہے۔ یہ تو محض شک کرنے والے کے اپنے ذہن کا فتور ہے۔ جو اس کلام پاک میں شک کرتا ہے۔ مشرکوں اور منافقوں کے دماغ خراب تھے جو قرآن پاک پر اعتراض کرتے تھے، آج کل کے علماء کے ذہن بھی پرانہ ہیں جو قرآن پاک کے احکام پر اعتراض کرتے ہیں۔ ورنہ قرآن پاک کی کوئی بات مشکوک نہیں۔ بلکہ یہ تو منبع رشد و ہدایت ہے۔

حضرت مولانا شیخ المنہج برصغیر کی جانی پہچانی شخصیت ہیں یہ میرٹھ کے پاس انیس کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ آپسٹا، شا کی ہیل میں اسیری کے دوران کیا تھا۔ تقریباً دو سو توں کا حاشیہ بھی لکھا تھا عزیزِ زندگی کے یادِ پوسٹ ہو گئے۔ حاشیہ کا باقی بھر آپ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ جی کی سب غٹا انجام دیا۔ آپ کا کیا ہوا ترجمہ قرآن بالمحاورہ ہے۔ اور جلد تین تراجم ہیں سے ہے۔

قرآن پاک کے اردو ترجمے بہت سے بزرگوں نے کیے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی لکھے۔ یہ سب آسان عقلی ترجمہ ہے۔ اس کے ذریعے الفاظ کے معانی سمجھنا نہایت سہل ہے۔

آپ کے بعد دوسرا محاورہ اردو ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی کا ہے۔ یہ بہترین بالمحاورہ ترجمہ ہے آج تک علماء اہلِ ترجمہ پیش نہیں کر سکے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ شیخ المنہج

سے ترجمہ قرآن ص ۱ مطبوعہ دارالتبلیغ دہلی

یہ صاحبِ درس حضرت مولانا صفی علی محمد صاحب سواتی کے پاس دورانِ درس

کا ترجمہ پھر حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ آپ نے قرآن پاک کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ فن تجوید کے متعلق اور پھر ربط کے بارے میں، اور اصول کے بارے میں آپ کی کتب موجود ہیں۔ آپ کی تفسیر علمی ہونے کی بنا پر ذرا مشکل ہے۔ تاہم یہ بلند پایہ اردو تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء کرام نے ترجمہ کیے ہیں یہ آپ کے پاس جو ترجمہ ہے۔ یہ مولانا احمد علی لاہوری کا ہے۔ انہوں نے نہایت آسان اور عام فہم ترجمہ کیا ہے اور اس پر ملاحظہ فرمائیے۔

فرمایا یہ وہ کتاب مقدس ہے۔ جو شک و شبہ سے بالابے اور ہڈی لٹمتقین
قرآن پاک متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ ہدایت تو کون ہے
کے لیے ہونی چاہیے مگر تفسیر ہی ہدایت یافتہ ہیں، ان کے لیے ہدایت ہونے کا کیا
معنی؟

اس ضمن میں شاہ عبدالقادر اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ متقین سے مراد
ہیں، نہ بکنے والے اور ڈرنے والے لوگ اور تقویٰ کی طرف جانے والے لوگ۔ یعنی جن میں ضد
اور مخالفت نہیں پایا جاتا۔ بلکہ وہ تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں
کہ اس قرآن کو پڑھیں گے، تو ان میں تقویٰ پیدا ہوگا، یہ متقی بن جائیں گے، مقصد یہ کہ اگرچہ
آج یہ لوگ مسمیٰ نہیں ہوں مگر اس قرآن پاک کی برکت سے آئندہ زندگی میں تقویٰ اختیار کر لیں گے۔
شاہ عبدالعزیزؒ اس کا معنی سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بڑا
عقلمند، نوجوان، بڑے مضبوط جسم والا شخص ہو۔ تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نوجوان نے
فلان ماں کا زور دھچکا ہے۔ دیکھو کتنا طاقتور ہے۔ گویا اس کی ماں کے دودھ میں وہ طاقت
اور تاثیر ہے۔ جس سے اس قسم کے کڑیل جوان پیدا ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ
ہٰذِی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا مطلب یہی ہے کہ اس قرآن پاک میں ایسی تاثیر ہے کہ جو اس سے

قریب ہوں گے۔ اس پر عمل کریں گے وہ متقی بن جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کتاب صرف متقیوں کو ہدایت دیتی ہے۔ کیونکہ خود اسی میں دوسری جگہ **هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ** بھی آیا ہے۔ کہ یہ تمام جہاں والوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے۔

تقویٰ کی
تعریف

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں حضرت ابی بن کعبؓ بڑے قاری تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا۔ حضرت تقویٰ کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا **اَمَّا سَلَكْتُ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ** کیا آپ کو کبھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں ہر طرف کانٹے دار جھاڑ ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا ہاں! بہت دفعہ ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے تو حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا۔ پھر آپ نے وہاں کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا **شَمَوْتُ وَاجْتَنَبْتُ** میں نے دامن سمیٹ لیا اور پورے کوشش کی کہ کانٹے میرے جسم کے کپڑوں میں نہ الجھ جائیں اور میں سلامتی سے ایسے راستے سے نکل گیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا **فَذَلِكَ التَّقْوٰی** تقویٰ اسی کو کہتے ہیں کہ دنیا میں پیسے ہوتے کفر، شرک، مگرابی، بدعت اور دیگر خرابیوں سے انسان بچ کر نکل جائے۔ جو شخص ان چیزوں سے دامن بچ کر نکل گیا۔ وہی متقی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے تقویٰ کا مطلب پوچھا گیا، تو فرمایا اللہ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ مانے اور یقین رکھے کہ تمام کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ لہذا جس شخص کا اعتقاد اور عمل یہ ہوا وہ متقی ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا **اَلَا تَتَذَكَّرُ نَفْسًا خَسِيًا مِّنْ اَحَدٍ**۔ یعنی تم اپنے نفس کو کسی دوسرے سے بہتر نہ سمجھو۔ تم یہی سمجھو کہ میں ہی کمزور ہوں اور میرا ہی قصور ہے جب تمہارے اندر یہ چیز پیدا ہو جائے تو متقی بن جاؤ گے۔ حضرت مجتہد العارف ثانی کا قول ہے جگہ

برآں کس معرفت خدا حرام است کہ خود را از کافر خرمگ بستر داند

یعنی جو شخص اپنے آپ کو انگریز کافر سے بھی بہتر سمجھتا ہے۔ اس پر خدا کی معرفت حرام ہے آپ نے بہت بڑی بات کہی ہے۔ کہ اپنے آپ کو انگریز کافر سے بھی بہتر نہ سمجھے۔ کیونکہ ہو

لے تعبیر کبیر میاں

لے تعبیر ابن کثیر میاں

لے تعبیر منطری میاں

بیچھے، مگر آپ نے ہاتھ تک نہیں لگایا، کہتے تھے یہ رقم ان کو دو جن کا حق چھین لکھا ہے۔
مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان کے لقمے کی بات تھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے پوچھا کہ بھائی! بتائی کہ کن ہوتا ہے، تو اس حکم نے جواب دیا مستی وہ ہوتا ہے
جو خدا کو مخلوق پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دے۔ وہ مستی ہو رہا ہے۔

کتاب الہی کا ابتدائی تعارف کرنے کے بعد کہ یہ متقین کے لیے ذریعہ ہدایت ہے
ارشادِ ربانی ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ جو غیب پر ایمان
رکھتے ہیں۔ غیب وہ چیز ہوتی ہے۔ جو ادراک، حواسِ ظاہرہ و باطنہ، عقل و فہم اور خیال کی دوسری
سے باہر ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں۔ فرشتے ہیں۔ برزخ اور آخرت
کا دن ہے۔ اس میں آخرت کے تمام معاملات شامل ہیں، یہ سب غیب ہیں۔ اس کی تشریح
سورۃ بقرہ کی آخری آیات اِنَّ الْمُرْسُوْلَ بِمَا اُنْزِلَ اَيْدِيهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَالِیْهِ كِتٰبِهٖ وَرُسُوْلُهٗ میں چلی ہے۔ ان تمام
چیزوں پر ایمان ہونا چاہیے۔ ابتداء غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بندوں کے لیے
سوائے وحی۔ الہام یا کشف وغیرہ کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی پر
الہام نہ کرے، تب تک کسی کو معلوم نہیں ہوتا، جب تک کسی نبی یا رسول پر وحی نہ کرے یا کشف
کے ذریعے کسی پر کوئی بات منکشف نہ کرے، اس وقت تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور جب کسی
کو کسی بات کی اطلاع دے رہے ہوں، یا کوئی چیز ظاہر کر دی جائے۔ تو وہ غیب نہیں رہتا، غیب
وہ ہوتا ہے۔ جو عقل و حواس یا کسی اور ذریعے سے منکشف نہ ہو۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ساتھ مختص ہے۔ اسی کو علم الغیب و الشہادۃ کہا گیا ہے۔ جو بغیر کسی حواس، قوت یا اسے
کے جانتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں: علم کا معنی ہوتا ہے۔ جاننا اور معرفت کا معنی ہے پہچاننا اور ایمان
کا معنی ہے ماننا۔ یہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہودی حق کو جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ انسان
مستی کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مستی وہ شخص ہو سکتا ہے جو
اوتھ اپنے دلی جذبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہو۔
ثانیاً اپنی پوری طاقت کے ساتھ اللہ کے لیے عمل کرنے والا ہو۔

ثالثاً یہ کہ اپنے ابتداء جنس پر اسی طرح رحم کرنے والا ہو جس طرح اپنے آپ پر رحم کرتا ہے۔
گویا جس طرح خود اپنے آپ کو ہر تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی جذبہ جو مرد
کے لیے بھی موجود ہو جس شخص میں یہ تین علامتیں پائی جائیں گی وہ مستی بن جائے گا۔

محمد بن یوسف قزلباشی ایک بزرگ ہوئے میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری
سے پوچھا کہ کیا بات ہے جہاں جائیں آپ ہی کا چہرہ ہوتا ہے۔ لوگ آپ کے اس قدر
مدح ہیں۔ حالانکہ میں نے تو آپ کو رات کے وقت سوتے ہوئے دیکھا ہے۔ یعنی آپ
کو ساری رات عبادت کرتے ہوئے نہیں پایا ہے۔ آپ نے فرمایا چپ رہو۔ یہ بات تقویٰ
پر مبنی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ تقویٰ عطا کرے، اُسے مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔

امام سفیان ثوریؒ نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حکمت کے
معتوب ہے حتیٰ کہ منصور نے آپ کے لیے سزائے موت کا حکم جاری کر دیا کہ سفیان جہاں سے
اُسے سولی پر لٹکا دو۔ وجہ یہ تھی کہ آپ حکومت کے غلط احکام پر تنقید کرتے تھے۔ انہیں ظلم
سے منع کرتے تھے۔ ایک موقع پر ساتھیوں نے عرض کیا۔ حضرت! منصور برا ہے آپ
کو گرفتار کرنے کا۔ وہ آپ کے لیے سزائے موت کا حکم پہلے ہی جاری کر چکا ہے۔ لہذا
آپ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی کہ اے پروردگار! اگر
منصور مجھے میں آجائے تو میں کعبہ سے بری ہو جاؤں گا۔ آپ نے ایسی سخت دعا کی کہ منصور
راستے میں ہی ہلاک ہو گیا۔ آپ کو بادشاہ نے بڑا لالچ دیا۔ پچاس ہزار روپے بطور عطیہ

اسی طرح مسجدیں بنانا اور ان میں ضروریات فراہم کرنا، اور دینی مدارس کا قیام بھی
 مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ میں آتا ہے۔ کسی نامے پر پل تعمیر کرنا پانی کے لیے کنواں
 یا تل بگوانا، مسافر خانہ تعمیر کرنا۔ حج اور عمرہ خود کرنا یا کسی دوسرے کو کروانا۔ اللہ تعالیٰ کے
 راستے میں جہاد پر مال صرف کرنا یہ سب مذات ہیں۔ جن پر خرچ کرنا اتفاق فی سبیل اللہ
 میں آتا ہے۔ اور باعث اجر و ثواب ہے۔ نیک کام کے لیے اخلاص کے ساتھ ایک پیسہ
 خرچ کرنے کا اجر دس گنا ہوتا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جہاد میں خرچ کرنا جہاں
 دشمن اور کافر دین کو توڑنا چاہتے ہوں۔ ان کے مقابلے کے لیے جو مال خرچ کیا جائے۔
 اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ سات سو گنا ہے۔ نفقات واجبہ یعنی گھر کے ضروری اخراجات
 وہ بچوں کے لیے ہوں یا بیوی کے لیے، لو کر چاکر یا رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے، یہ
 سب اتفاق فی سبیل اللہ میں آتا ہے اور مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ کا مصدق
 ہوتا ہے۔

کتب سہادی
 پر ایمان

اس کے بعد فرمایا متعین وہ لوگ ہیں وَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نَزَّلَ إِلَيْكَ
 یعنی آپ پر جو کتاب ہدایت اور جو احکام نازل ہوئے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں وَمَا
 أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور جو پہلے پیغمبروں پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں
 یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلی کتابوں پر صرف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ان پر عمل کرنا
 ضروری نہیں، عمل ان احکام پر ہو گا۔ جو آخری کتاب قرآن پاک میں نازل ہوئے ہیں۔ قرآن
 پاک کے نزول اور حضور علیہ السلام کی شریعت کے نفاذ پر پہلے تمام احکام منسوخ ہو چکے
 ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے۔ ان پر عمل ضروری نہیں تاہم ان پر ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے
 پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے جو کچھ نازل فرمایا وہ بحق ہے۔ یہ اجزائے ایمان ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام آسمانی
 کتابیں بحق ہیں۔ تاہم قابل عمل احکام صرف قرآن پاک کے ہیں۔

ایمان بالآخرت

متعین کی آخری صفت یہ بیان فرمائی وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ وہ آخرت

مکرماتے نہیں۔ وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ یہودی نبی آخر الزماں کو
 "يَعْرِضُونَكَ بِمَا يَفْعُرُونَ ابْنَاءَهُمْ" اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی
 اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر ایمان نہیں لاتے۔ ہاں! ایماندار اور پھر متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان
 رکھتے ہیں۔ ملائکہ، بزمخ، آخرت وغیرہ تمام چیزیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ
 چیزیں نبی علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلائی ہیں۔ لہذا امتی وہ ہیں جو ان سب پر ایمان رکھتے ہیں
 کہ یہ چیزیں برحق ہیں۔ اَمَنَّا وَحَكَّ قَنَا

اقامت صلوٰۃ

متقین کی دوسری صفت ہے۔ اقامت صلوٰۃ فرمایا متقین وہ ہیں وَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
 جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہاں پر یُقَوِّدُونَ الصَّلَاةَ یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔ نہیں فرمایا۔
 بلکہ اقامت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو کہ بڑا گراں گزشتہ ہے۔ اقامت کا مطلب یہ ہے کہ قیام
 رکوع، سجود، تلاوت، فرائض، سنن، واجبات اور مستحبات وغیرہ کو احسن طریقے سے ادا کیا
 جائے۔ جو لوگ ان تمام چیزوں کا خیال رکھتے ہیں اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز
 ادا کرتے ہیں، اقامت صلوٰۃ کرنے والوں سے وہی لوگ مراد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
 نے اقامت صلوٰۃ کا معنی یہی کیا ہے کہ نماز کے تمام ارکان کو ٹھیک طور پر ادا کیا جائے۔

انفاق فی
 سبیل اللہ

ایمان بالغیب اور اقامت صلوٰۃ کے بعد متقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی وَمِمَّا
 رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ یعنی متقین وہ لوگ ہیں جو ہماری دی ہوئی روزی سے خرچ کرتے ہیں
 خرچ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور خرچ کی مختلف حالت میں سے پہلے نمبر
 پر زکوٰۃ ہے۔ دوسرا صدقہ فطر تیسرا قربانی چوتھا عام خیرات۔ اس کے بعد سائیں۔ محتاجوں۔
 یتیموں۔ کمزوروں۔ یتامی اور یتیم خانوں کی حاجت برداری ہے۔ اس کے بعد وقف کی حالت
 ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو وہ اس کے نام پر وقف کر جائے تاکہ اس کے
 آخرت میں فائدہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہترین زمین کے متعلق حضور علیہ السلام سے عرض کیا
 کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کا فائدہ مجھے آخرت میں پہنچے۔ اپنے فرمایا وقف کر دو۔ چنانچہ وہ وقف
 کر دی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَوَّاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥ خَسِمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے برابر ہے کہ آپ انکو

ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥ اللہ تعالیٰ نے ہر گاہی ہے

ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے

لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ ⑦

ہدایت (اور گمراہی) کے اعتبار سے انسان تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں: پہلا گروہ مومنین کا ہے۔ جو ہدایت کو نظر اور باطن قبول کرتے ہیں اور اسے اپنا لے لیں۔ یہ مومنین مٹا کھاتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی پہلی آیتوں میں ان کا حال، ان کے اوصاف اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ انسانوں کا دوسرا گروہ وہ ہے، جو ہدایت الہی کا ظاہر بھی انکار کرتے ہیں اور باطناً بھی نکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ کسی طور پر ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور ان کا ذکر کھاتے ہیں۔ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ ان کا تیسرا گروہ زبان سے تو ہدایت، بانی کا قائل کرتا ہے، مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا۔ یہ لوگ منافق ہوتے ہیں۔ آئندہ تیسرا آیت میں انہی لوگوں کا حال بیان ہوا ہے۔

ان میں سے پہلا گروہ جو متقین اور مومنین کا گروہ ہے، وہ فلاح پانے والا گروہ ہے

البتہ دوسرے دونوں گروہ ناکام ہیں۔ پھر ان میں سے کافروں کا حال مختصر طور پر بیان ہوا ہے۔

کیونکہ انہوں نے علی الاعلان ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ اور کفر پر اصرار ہوتا ہے۔ البتہ منافقین

کا گروہ چونکہ دنیا وہ خطرناک ہے اس لیے اس گروہ کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا

ہے۔ ان کی مثالیں بھی دی ہیں۔ تشبیہات کے ساتھ بھی سمجھایا ہے، کیونکہ منافقین کا یہ گروہ

کے دن پر یقین رکھتے ہیں آخرت کے دن سے مراد قیامت کا دن یا دنیا کا آخری دن
 (LAST DAY OF THE WORLD) ہے۔ اسی لیے اس کو آخرت کہتے ہیں۔ اسے
 دارالآخرت یا آخرت کا گھر بھی کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی ایمان کے اجزاء میں سے ہے۔ اسی
 طرح فرشتے، آسمانی کتابیں، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور توحید یہ سب ایمان
 کے اجزاء ہیں۔ تقدیر بھی ایمان ہی کا حصہ ہے۔ کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا
 اللہ تعالیٰ کے علم اور اسے اور مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔
 فرمایا جو لوگ مذکورہ صفات کے حاملین ہوں گے اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى
 مِّنْ رَبِّهِمْ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ وَ اُولَئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کے معنی مراد کو پہنچنے والے ہیں
 تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کے جس پر دگرام کو لوگ نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
 کہہ کر مانگتے ہیں وہ سارا پر دگرام بیان تک بتا دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس پر دگرام کو تسلیم کر کے اس
 پر عمل کریں گے۔ فلاح پائیں گے۔ اور جو قوم اس سے روگردانی کرے گی۔ وہ فلاح حاصل نہیں
 کر سکے گی۔ اگرچہ وہ دنیوی لحاظ سے جس قدر بڑی سودہ حال ہو جائے۔ پر دگرام کو واضح کر دیا گیا ہے
 یعنی ایمان، تقویٰ، انفاق فی سبیل اللہ۔ پھر اس کے بعد سابقہ کتابوں اور آخرت پر ایمان،
 اور پھر ان اصولوں پر استقامت ہی فلاح کا دار و مدار ہے۔ اسی کی وجہ سے دائمی نذاب
 سے نجات حاصل ہوگی اور آخرت میں اعلیٰ درجات نصیب ہوں گے۔

ہدایت یافتہ
 لوگ

سکتے ہیں کہ انگریز کا فرسی وقت ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔
اور کفار النفس موٹا موٹا ہوتے ہوتے شیطان ہی بن جاتے لہذا جب تک اپنے آپ کو اس سے
حضرت نہ سمجھو گے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی۔ اگر وہ عامل نہ ہوتی تو متقی کیسے بن سکتے ہو
(محمد الاسلام) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شجرہ مبارکہ میں ایک شعر آتا ہے۔

زمین دار دس گئے نصرانیاں عام کہ او سبے گناہ وں گنہگار
یعنی مجھ سے تو نصرانیوں کا کتا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ گنہگار نہیں اور میں گنہگار ہوں عجزی
لہذا انکساری کا یہ معیار ہے۔ اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ انسان شرک کی تمام
انکساری سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو عذاب سے خلاصی پائے گا۔ ”وَلَنُفِثَنَّ كَلِمَةً
التَّقْوَىٰ“ کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا ہے۔

تقویٰ کے
تین درجات

تقویٰ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اور چھوٹے گناہوں
پر صبر نہ کرے۔ اور تیسرا درجہ تقویٰ کا یہ ہے کہ انسان مشکوک اور شبہات والی باتوں سے
بچتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے ان تینوں درجات پر پورا اترے گا وہی کامل درجے کا متقی ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حسرت کے دن یعنی قیامت کے روز آواز آئے گی
کہ متقی لوگ کہاں ہیں متقی لوگ اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعجب کے سببے میں چلے جائیں گے۔

متقی کون ہیں؟

وہ تعجب ان پر ہر وقت سایہ فگن ہوگی اور کسی وقت ان سے علیحدہ نہیں ہوگی کیسی نے حضرت معاذ بن جبلؓ
سے دریافت کیا کہ حضرت! متقی کون ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے
اپنے کو انواع شرک سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرتے رہے۔ متقیوں کی عبادت
یہ ہے کہ اگر انہیں مصیبت آئے تو صبر کریں۔ اور خدا کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اگر رحمت
آئے تو خدا کی نعمت کا شکر ادا کریں قرآن پاک کے احکام کے سامنے ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہیں
یہی لوگ متقی ہیں۔

بڑا خطرناک گروہ ہے۔

کفر کا معنی

عربی زبان میں کفر کا معنی کسی چیز کو چھپا دینا یعنی مخفی اور پوشیدہ کر دینا ہے۔ اسی لیے اہم بیضاوتی کتے میں کہ جس ڈوڈی کے اندر پھل بند ہوتا ہے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ لو کہان جو بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ الحجۃ میں آتا ہے: **كَشَلْ غَنَیْثَ الْعُجْبِ الْكُفَّارِ نَبَاتٌ** گویا کافر کا لفظ گسان پر بھی بولا گیا ہے۔ بادل و اندھیرا جو سورج کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اس کو بھی کافر کہتے ہیں ۵

فِي لَيْلَةٍ كَفَرَ النَّجْمُ عَمَّا هُمْ

یعنی بادل اور اندھیرا ستاروں کو چھپا لیتا ہے۔ تو لغوی اعتبار سے اس کا معنی یہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں: **إِنَّ الَّذِينَ سَتَرُوا لِحُوقِ عِثَابِ شَكٍّ** وہ لوگ جنہوں نے غنا کی وجہ سے حق کو چھپا دیا۔ مارک دالے اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں یعنی حق کو چھپا دیا۔ ظاہر ہی نہیں کیا۔

جب کفر کا اطلاق شریعت کی اصطلاح میں کیا جاتا ہے تو اس کا خاص معنوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ شک و شبہ وال بات نہ ہو، اُس چیز کا منکر کفر کہلاتا ہے۔ اور یہ انکار کفر کہلاتا ہے۔ گویا خود کسی ایک چیز کا انکار ہو یا تمام چیزوں کا۔

کفر کی مختلف اقسام

جس طرح شرک تفاق، الحاد، ارتداد، زندقہ، فسق، ایمان، توحید وغیرہ قرآن کی مختلف اصطلاحات ہیں۔ اور ان سب کا الگ الگ معنوم ہے اسی طرح کفر بھی ایک اصطلاح ہے اور اس کی مختلف اقسام ہیں۔ جو کہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور علمہ نے بیان کی ہیں۔

کفر انکار

منجملہ ان کے کفر انکار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دل اور زبان دونوں سے شریعت کی قطعی چیز کا انکار کرے **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا** میں دل اور زبان دونوں سے انکار ہے۔ ایسا شخص حق کی بات کو جاننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ لہذا یہ کفر انکار ہے

قرآن پاک میں کفر کی جس دوسری قسم کا ذکر آتا ہے۔ وہ کفر جہود ہے۔ جحد کا معنی انکار ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ وَبِحَدِّ ذَابِلَتٍ سے ظاہر ہے۔ کفر جہود کی تعریف یہ ہے کہ آدمی دل سے پہچانتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ بات سچی ہے۔ مگر وہ اس کا زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرعونوں کے متعلق فرمایا: وَبِحَدِّ ذَابِلَتٍ وَاسْتَقْنَتَهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا ۖ فَمُلُواْ دُلَّ مِیْنِ سَمِیْتَتِهِ تھے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین سچا ہے۔ مگر وہ اس کا انکار کرتے تھے یہ انکار ظلم اور تعدی کی بناء پر تھا۔ اس کو کفر جہود کہا جاتا ہے۔ ابلیس کا کفر سی ہے۔ کیونکہ وہ دل میں حق بات کو سمجھتا ہے۔ مگر اقرار کی بجائے انکار کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص بلعم بن باعور ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مر دود ہوا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ الاعراف میں موجود ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا حکیم شاعر امیہ بن ابی الصلت ہوا ہے۔ اس کا کفر بھی ایسا ہی تھا۔ اُس نے حق کو جانتے پہچانتے ہوئے قبول نہیں کیا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں وحی نازل کی۔ مجھ پر کیوں نہیں کی۔ عربی زبان میں اس کا کلام موجود ہے۔ وہ شخص نبی ابدی اور قیامت تک کا تصور رکھتا تھا۔ وہ توراۃ اور انجیل کا قاری اور ہدایت کا طلب گار تھا۔ مگر جب حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو وہ حسد میں مبتلا ہو گیا۔ اور آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ دل سے برحق سمجھتا تھا۔ وہ اتنا قابل آدمی تھا کہ اس کے اشعار پڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ کوئی بڑا مومن آدمی ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا: نَكْفُرُ مَنْ كَانَ لَهُ وَلَعُ يُؤْمِنُ قَلْبُهُ يَعْنِي زَبَانُ تَوَاسُّلُ كُفْرِهِ جیسی بے مکر دل کا فربہ۔

بعد کے زمانہ میں ایک افانہ لوہی انگریز برطانوی شاہ گداز ہے۔ بڑا صاحب علم تھا، اسلام کو وہ بھی سچا سمجھتا تھا۔ مگر کمزورت سے قرار نہیں کیا۔ یہی حال مشرک گاندھی کا تھا۔ وہ اسلام کو سچا مذہب کہتا تھا۔ مگر دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ عیسائیت اور ہندومت کو بھی سچے مذاہب ہی

سمجھتا تھا۔ ملائکہ سچا مذہب تو صرف اسلام ہی ہے۔ اِنَّ الْمَذِيْنَ مِنْهُ الْوَعْدُ الرَّسْلَا فَرِ
 باتی سب ادیان باطل ہیں۔ یہی کفر مجرب ہے۔ کہ کسی چیز کو دل سے صحیح سمجھ کر پھر زبان سے
 اس کا اقرار نہ کیا جائے۔

کفر عناد

کفر کی تیسری قسم کفر عناد ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دل سے پہچانتا بھی ہے۔ زبان
 سے اقرار بھی کرتا ہے کہ یہ دین درست ہے۔ مگر قبول نہیں کرتا۔ اس کی مثال ابو طالب کا
 کفر ہے۔ وہ حضرت علیؑ کے والد اور حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ وہ یہ تھا کہ میرا عہد سچا ہے
 صادق اور امین ہے۔ جو کہتا ہے۔ سچ ہے مگر اس نے ایمان اور توبہ کو قبول نہیں کیا۔

اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہوا۔ وہ عجیب قسم کے دہم کا شکار تھا۔ محض اس ڈر سے اسلام قبول
 نہیں کیا۔ کہ عورتیں دامت کریں گی کہ موت کے ڈر سے باپ و مادرین چھوڑ دیا۔ یہ کفر عناد ہے

کفر نفاق

کفر کی چوتھی قسم کفر نفاق ہے۔ اس کا ذکر اگلی باتوں میں آ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے
 کہ انسان زبان سے اسلام کی سچائی کا اقرار کرتا ہے۔ مگر قلبی طور پر متا ہے۔ نمازیں بھی ادا کرتے
 زکوٰۃ دیتا ہے۔ بسا اوقات جہاد میں بھی شریک ہوتا ہے۔ مہروروں سے تکذیب کرتا ہے۔ یہ
 کفر نفاق ہے۔ اور پھر نفاق بھی دو قسم سے ہے یعنی اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ یہاں پر
 جس نفاق کا ذکر ہوا ہے۔ یہ اعتقادی نفاق ہے کہ اعتقاداً دل سے تسلیم نہ کرنا عملی نفاق
 کا ذکر بعد میں آئے گا۔ وہ اور چیز ہے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ چاروں کفر خطرناک ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی مبتلا ہو
 گیا۔ وہ اللہ کے ہاں کبھی نجات نہیں پاسکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ قطعی
 بات ہے۔

کفر شک

اس کے علاوہ بھی کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ مگر ان کے کفر شک ہے۔ قرآن پاک میں
 بعض منافقوں کے بارے میں آتا ہے۔ فَهَمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَكْتُمُوْنَ دُوْنَ۔ دوسری
 جگہ فرمایا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّكْتُمُوْنَ۔ یعنی ایسے لوگ شک میں ہی کھیل رہے ہیں۔

یہ کفر شک کہلاتا ہے۔

اسی طرح کفر کی ایک قسم کفر جہالت ہے۔ علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے
 ساری عمر جہالت میں گزر جاتی ہے۔ نہ علم ہوتا ہے اور نہ وہ راہِ راست پر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 نے ایسے لوگوں کی جگہ جگہ پر مذمت بیان کی ہے: **أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** "ان میں سے
 اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی علم نہیں رکھتے۔ دوسری جگہ فرمایا: **هَكَذَا يَسْتَوِي الَّذِينَ
 يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ** "کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ کہ برابر
 نہیں ہوتے۔ اس قسم کا کفر کفر جہالت ہے۔ جس میں اکثر لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔

کفر تاویل کو اتحاد اور ذوقِ قد بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شی کو غلط مطلب
 پہنا دیا جائے۔ اصل مقصد کچھ اور ہو مگر تاویل کے ذریعے کچھ سے کچھ بنا دیا جائے مثلاً غلام احمد پر وزیر
 قرآن پاک کی آیت **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** کا مطلب مرکزِ ملت یا سنٹرل گورنمنٹ
 مراد لیتا ہے۔ کہ مرکزی حکومت کا حکم ماننا لازمی ہے۔ اسی طرح حج کا معنی اس نے عالمی کانفرنس
 کیا ہے۔ حالانکہ حج ایک عبادت کا نام ہے۔ اس کے ارکان ہیں جن کو پر کرنا ضروری ہے
 اس لیے محض عالمی کانگریس یا عالمی کانفرنس کا نام دینا بالکل غلط ہے۔ پر وزیر نے اپنی کتابوں میں
 لکھا ہے کہ خدا کے حکوم ہونے کا مطلب اپنی فطرت کا محکوم ہونا ہے۔ یہ بھی کفر والا معنی ہے۔ اس
 نے ترجمہ القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ کا معنی قانون ہے۔ جہاں بھی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے
 مراد قانون ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی ذات یا ہستی نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے **حُورٍ عِیْنٍ** کا معنی
 پاکیزہ فکر کیا ہے۔ گویا جنتوں سے مراد پاکیزہ فزولے لوگ ہیں۔ حالانکہ **حُورٍ عِیْنٍ** کی اصطلاح
 کو تمام مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ عورتوں کی ایک پاکیزہ مخلوق ہے۔

غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب **ازالہ اودام** میں مٹھہ رسول اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ
 خدا تعالیٰ نے قرآن میں میرا نام محمد بھی رکھا ہے اور رسول بھی۔ العیاذ باللہ۔ یہ کفر والا معنی ہے۔
 اس سے پہلی آیت **وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ** کا معنی قادیانی یوں کرتے ہیں۔

بِالشَّهَادَةِ الْخَيْرَةِ يَعْنِي مَعْنَى وَه لَوْ كَانَتْ فِيهِ جَوَازُ خُرُوجِ تَوْبَةٍ بِطَعْنٍ سَكَنَ فِيهِ. اور آخری توبت
مرزا غلام احمد مرتد کی سیٹے میں حالانکہ آخرت سے مراد دارالآخرت یا یومِ آخرت ہے یہ نیز قول
کی تاویل کی مثال ہے۔ اسی طرح انہوں نے وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ
کا معنی یہ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور نبیوں کے سرنگھنے والے
ہیں۔ یعنی اب جو نبی آتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرے آتے ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سرنگھانگہ کر دوسروں کو نبی بنائے ہیں (یعنی باللسان)

الغرض کفر تاویل سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا معنی نہ کرنا جو نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقول ہو نہ صحیحہ کرارہ ہے۔ اور نہ سلف صالحین سے ثابت ہو، وہ کفر تاویل، از حد قدیم الحاد
میں شمار ہوگا۔

سرستہ احمد خاں نے بہشت کا معنی مسرت اور خوشی کیا ہے۔ دوزخ کو غم اور پریشانی
سے تعبیر کیا ہے۔ خوشی اور مسرت اچھے اعمال کا صلہ ہوتی ہے۔ اور رنج و غم بڑے اعمال کا نتیجہ
ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک جنت اور دوزخ کسی خاص جگہ کا نام نہیں۔ یہ بھی کفر یہ معنی ہے۔
کفر کی ایک قسم عملی کفر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نعمت کی قدر دانی کی بجائے
اس کی ناشکری کی جائے۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضور! کفر سے کیا مراد ہے
فرمایا ناشکرگزاری اور نفاقہ بی۔ اکثر عورتیں اس قسم کے کفر میں مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں کے متعلق
حدیث شریف میں آتا ہے تَكْفُرُنَ الْعَشِيرَ یعنی تم خاوند کا کفر کرتی ہو۔ ناشکرگزاری
کرتی ہو۔ یہی عملی کفر ہے۔ فرمایا کہ خاوند زمانہ بھر رحمت و آرام مہیا کرتا ہے اگر ایک مرتبہ بھی تمہاری
مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جاتی ہے۔ ترک کرتی ہو، تیرے گھر آکر مجھے کبھی کبھی نصیب نہیں ہوا
کفر بن نعمت اکثر عورتوں کے مزاج میں داخل ہوتا ہے۔ یہ اعتقادی کفر نہیں بلکہ عملی کفر ہے۔

محمد بن مورقہ کے کلام علی کفری دو قسمیں بتاتے ہیں۔ بعض عملی کفر ایمان کے باطل منافی ہوتے

عملی کفر

ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے کفر کا ارتکاب کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی بت کے سامنے بکھوڑیز ہو جائے، یا قرآن کریم کی توہین کا مرتکب ہوئے گندی جگر پر پھینک دے یا مثلاً کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا کسی نبی کو قتل کئے تو ایسا آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

عملی کفر کی دوسری قسم وہ ہے۔ جن وجوہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص نماز کا تہ کم ہو، شراب پی لے، کسی کو قتل کر ڈالے، زنا کا مرتکب ہو یا کسی سے ناحق لڑائی کی۔ یہ سب کفر ہی کی قسم سے ہیں۔ مگر یہ ایمان کے منافی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفًّا رَامِرًا بعد کفار کی طرح نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ ان امور سے انسان اسلام سے توبہ نہیں نکلتا۔ مگر کام کافروں واسطے ہیں۔ مومن کی شان نہیں کہ یہ کام کرے۔ قَتْلُ الْكُفَرِ مَوْنٌ سے متاثر نہ ہو۔ مومن کو گالی دینا فسق کی بات کرے، ناحق لڑائی یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔ کیونکہ کافر، مسلمان کی جان کا دشمن ہوتا ہے جب کہ مومن، مومن کی جان کا محافظ ہوتا ہے۔ فرمایا شَارِبُ الْخَمْرِ كَافِرٌ یعنی شراب پینے والا ایسا ہی ہے، جیسا بت پرستی کرنے والا۔ گویا شرابی کو بت پرست کے ساتھ تشبیہ دی۔ نَسَائِی شَرِیف میں آتے ہیں مَنْ اَتَى عَرَّافًا اَوْ كَاهِنًا جَوَّابًا یَسْأَلُہُ كے پاس غیب کی خبریں پوچھنے کے لیے گیا فَتَدْکُفِّرْ اس نے کفر کیا۔ اس کی مزید تفصیل آتی ہے۔ کہ اگر نجومی کی بات کو بالکل سچا سمجھ رہا ہے تو اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور اگر سچا سچا تو نہیں سمجھتا، ویسے ہی اس کی رائے لینا چاہتا ہے، تو یہ عملی کفر ہے، اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا۔ مگر سخت گنہگار ہوتا ہے۔

کفر دہریت بھی اسی قبیل سے ہے۔ قرآن پاک میں اسی کفر کے متعلق مذکور ہے کہ بعض کافر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دَمَا یَهْدِلُنَّ اِلَّا الدَّهْرُ یعنی ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے ایسے لوگ زمانے کے تمام حادثات کو زمانے ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات

کا اقرار نہیں کرتے کہ وہی ہر چیز کرنے والا ہے۔ بلکہ زمانے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ کفر و ہریت کو ثابت کرتا ہے۔
 اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاثَرُ ذُنُوْبِہُمْ فِیْ ہٰذَا اَشْکَالٍ وَّارِدٍ
 ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ کفار کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
 اگر ایسا ہے تو پھر انہیں ایمان کی تبلیغ و دعوت سے کیا حاصل ؟

ایک اشکال فرد
 اس کا جواب

مفسرین کرام وضاحت فرماتے ہیں کہ اس مقام پر لفظ سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ یعنی ان کفار کے لیے برابر ہے۔ خواہ آپ تبلیغ کریں یا نہ کریں۔ سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ کے الفاظ نہیں آئے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان کو تبلیغ کرنا یا نہ کرنا آپ کے لیے برابر ہے۔ یہ تو ان کے لیے برابر ہے۔ کہ انہیں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ کا تو فرض ہے کہ آپ فریضہ تبلیغ انجام دیتے ہیں۔ کوئی ماننے یا نہ ماننے۔ یہ اس کی اپنی صوابیہ پر ہے۔ آپ کے لیے حکم یہ ہے "فَذِکْرُکُمْ لِنَفْعَتِ الذِّکْرِ اِی" آپ نصیحت کرتے چلے جائیں، چاہے وہ انہیں فائدہ دے یا نہ دے۔ آپ کو اس تبلیغ کا ہر حالت میں اجر ملے گا۔

سفا

البقرة ۲

درس نمبر ۲

(آیت ۶۴)

إِنَّ الْبَدِیْنَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦

بج

ترجمہ: بد بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥ اللہ تعالیٰ نے ہر گناہی سے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑦

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اعتبار سے انسانوں کے دو سکرگروہ گذشتہ پیرہ یعنی کفار کا ذکر کیا ہے۔ پہلے گروہ متعین کا بیان ہو چکا ہے۔ یہ دو سکرگروہ کا بیان ہے اور دوسرے گروہ منافقین کا تذکرہ اگلے رکوع میں آئے گا۔ یہ دوسرا گروہ کفار کا ہے۔ جو ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں۔ اور ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ کفر کی تشریح اور اس کی مختلف اقسام گذشتہ درس میں مختصر بیان کر دی گئی تھیں۔

گذشتہ درس میں اس اشکال و تذکرہ ہوا تھا کہ اگر کافروں نے ایمان ہی نہیں لانا خواہ انہیں ڈرایا جائے یا نہ ڈرایا جائے، تو پھر انہیں تبلیغ کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ اس کا جواب بھی دیا گیا تھا کہ ڈرایا یا نہ ڈرایا کفار کے لیے برابر ہے۔ نہ کہ خود تبلیغ کے لیے، کیونکہ تبلیغ تو ہر حالت میں اجر کا مستحق ہے، خواہ کوئی ایمان نہ لے یا نہ لے۔

دوسرا سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، کفار ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ بہت سے کافر

ن آیات کے مصداق
کون ہیں

اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر دوسرے بہت سے ایمان لائے۔ ابوسفیانؑ کافر ہی تو تھے۔
وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔ ابوجہل جیسے بدترین دشمن کا بیٹا عکرمہؑ ایمان لایا۔
مشہور جبریل خالہ بن ولید بھی بڑی دیر کے بعد ایمان کی دولت سے لالہال ہوئے۔ تو اس کا
جواب یہ ہے۔ کہ یہاں یہ کفار سے مراد وہ کفار ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے
کہ ان کی استعداد خراب ہے۔ ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے۔ ان کے متبعین شیعہ۔ ابولہب۔ ابو
ابوجہل جیسے کافر مراد ہیں۔ جن کا خاتمہ حالت کفر پر ہوا۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں۔ کہ ان آیات میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جب
قرآن کریم نازل ہوا تو انہیں اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔ مگر وہ جانتے بوجھتے ہوئے ایمان نہ
لائے ماسوائے اکادمی کے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ ہم پہلی کتابوں
پر ایمان لائے ہیں۔ لہذا ہمیں اس کتاب یعنی قرآن پاک پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے
وہ انتہائی درجے کے متعصب لوگ تھے۔ یہ روش انہوں نے عذرا کی وجہ سے اختیار کی۔
چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں کثرت سے یہود کا ذکر آئے گا۔ بلکہ اس سورۃ کا موضوع ہی یہود کی
اصلاح ہے۔ یہود کا ذکر فی سبغۃ السیل سے شروع ہو کر اختتام پارہ اول پھر
دوسرے پارے تک چلا گیا ہے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔
تو پھر انہیں اسلام کی دعوت دینے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ بلکہ انہیں دعوت دینا تو خلاف انصاف
معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ یہود کے بقدر
کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔ کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں
ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وہ ایمان سے محروم رہیں گے۔ اس کی مثال ایسے
ہی ہے۔ جیسے کوئی ماہر ڈاکٹر یا طبیب کسی مریض کو دیکھ کر بتائے کہ اسے ٹی بی کا مریض لاحق
ہے۔ لہذا اب یہ تین درجے عبور کر کے چوتھے درجے میں داخل ہو گیا ہے۔۔۔ مریض کی موت

یقینی ہے۔ ظاہر ہے کہ مریض کی ہلاکت ڈاکٹر کے کئے سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی موت کا سبب تو وہ بیمار ہی ہے جس میں وہ مبتلا ہے۔ یا اس میں مزید دخل اس کی جہ پر بیماری یا بے احتیاطی کو ہوگا جو اس نے اختیار کی۔ اسی طرح کفار کے ایمان نہ لانے کا سبب ان کی اپنی روکش ہے انہی کو اللہ کا فرمان۔

الغرض! فرمادے گا: الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأْتَتْهُمُ آيَاتُ اللَّهِ مِنْ قَبْلِهِمْ أَمْ لَمْ يَأْتِهِمْ آيَاتُ اللَّهِ مِنْ قَبْلِهِمْ انہیں ڈرامیں یا نہ ڈرامیں
لَا يُؤْمِنُونَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

مہر لگانے
کا مطلب

انہیں کفار کے متعلق ارشاد ہوتا ہے خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہاں پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں پر اور کانوں پر پٹھے لگا دیے ہیں، اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ تو پھر ان سے کتنا ایمان لازماً بدایت اعتقاد کرو۔ کہاں تک درست ہے۔ اس کا حل مفہوم کریم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مہر لگانا یا پردہ ڈالنا بطور سزا کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقائد اور سرکشی کی وجہ سے پٹھے لگائے ہیں۔ کسی کو اس کے ہیٹ میں ہی مہر لگا کر بدایت کا راستہ بند نہیں کر دیا۔ قرآن و حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے حدیث شریف میں آتا ہے كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ ماحول اور تربیت کے مطابق یہودی، مجوسی یا کھنڈیائی وغیرہ ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ لیتا ہے۔ اور کفر، شرک اور نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْكَ بِكُفْرِكَ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور اس پر انہی کی وجہ سے پٹھے لگا دیئے کہ روزِ اول سے ہی انہیں بلاوجہ مہر بند کر دیا۔ قرآن پاک کی آیت بتاتی ہے۔ لَوْلَا مَا تَوَلَّىٰ أَوَّلَىٰ

طرف جانا چاہتا ہے۔ خدا اسی طرف کی توفیق دیتا ہے۔ توفیق تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ مگر ارادہ تو انسان کا ہوتا ہے۔ اور ارادے کی حد تک انسان کو اختیار دیا گیا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں شے کسب کئے ہیں۔ گویا ارادہ انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے **وَنُصَلِّبُ جَهَنَّمَ** آخر کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک تندرست آدمی اپنے ارادے اور اختیار سے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور دوسرا شخص جوشہ کامریض ہے۔ اور اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر حرکت کرتا رہتا ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر کوئی تندرست آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی نقصان کرے، کوئی بدن توڑے کسی کو تھپڑ مارے تو وہ اس فعل کا ذمہ دار ہوگا۔ اور قابل گرفت ہوگا۔ برخلاف اس کے کسی سچے داسے آدمی سے غیر ارادی طور پر کوئی نقصان ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہوگا۔ وہ تو بیچارہ مجبور ہے۔ اس کے ہاتھ سے تو ارگ کر کسی کی ہلاکت کا سبب بھی بن جائے۔ تو اس کے ذمے قصاص نہیں ہوگا بلکہ دیت ہوگی، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو محدود اختیار دیا گیا ہے۔ اسی کو شریعت میں کسب کہا جاتا ہے چنانچہ جو شخص بقائم بوش و حواس اپنے ارادے سے صحیح نیت سے رگزدنی کرے یا بے توپیر اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور آنکھوں پر پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ مہر لگانے کا یہی مطلب ہے۔

دلوں کی سیاحت

مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے **لَعَسَ أَنْ يَفْتَنَ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْخَصِيرِ** **هَؤُلَاءِ عَوْدًا** دلوں پر فتنے وارد ہوتے ہیں۔ جس طرح مٹکا مٹا جوڑ کر چٹائی تیار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دلوں پر فتنے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گمراہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر ٹھپہ لٹک جاتا ہے۔ یہ فتنے گمراہی کی باتیں ہیں جو ایک ایک کر کے انسان پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ان فتنوں کو قبول کر جاتا ہے اس کا دل سیاہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پورے کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور انسان اس شیخ

پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نیکی کو نیکی نہیں سمجھتا اور بُرائی کو بُرائی نہیں جانتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے
 لٹے کو اٹا کر کے رکھ دیا جائے یعنی ہینڈ اوپر اور منہ نیچے کی طرف کر دیا جائے۔ تو اس میں کوئی
 چیز نہیں سمجھ سکتی۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اٹا ہو جاتا ہے۔ نیکی کی کوئی بات اس میں جگہ نہیں پاتی۔
 یہ خلاف اس کے جو شخص دل پر وارد ہونے والے فتنوں کو قبول نہیں کرتا، اس کا دل منکسر
 کی طرح سفید ہو جاتا ہے۔ اُسے کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرماتے کہ جب بندہ پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب
 کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر سیاہ داغ پڑ جاتا ہے اگر بندہ توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے پہنچے گا کہ معافی دے گا۔
 لے تو سیاہ داغ وصل جاتا ہے اور دل پھر سفید ہو جاتا ہے۔ اور اگر توبہ کرنے کی بجائے دوبارہ گناہ کا
 مرتکب ہوا تو سیاہ داغ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گناہ کے ارتکاب پر دل کی سیاہی میں اضافہ
 ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَحَاطَتْ
 بِہِ خَطِیئَتُہٗ" اس کے گناہوں نے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کا دل عصیت کفر اور
 شرک میں گھبر گیا ہے۔ اسی حالت کے متعلق فرمایا "کَلَّامِلٌ عَسْرٌ اَنَّ عَلٰی قُلُوْبِہِم مَّا کَلَّامِلٌ یَّکْبُوْنُ"
 خبردار! سن لو! ان کے دل پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ اور اس کی وجہ ان کا اپنا کیا دھڑ ہے۔ یہی وہ
 شیج ہے جس کے متعلق فرمایا "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِم" یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور سزا
 ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے۔

اعضائے ہر کے
 ہاتھ میں بازو پر
 ہونے

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسان کے تین اہم اعضاء یعنی دل، کان اور آنکھوں کا ذکر کیا
 ہے۔ دل محض گوشت کا ایک لوتھر ہی نہیں بلکہ اس کو عقل قلب اور فہم سے بھی تعبیر کرتے ہیں
 حقیقت یہ ہے کہ سرج کا تعلق دماغ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور قوت ارادہ کا تعلق قلب کے ساتھ
 ہوتا ہے۔ اسی قوت ارادی کو فہم کہا گیا ہے قرآن پاک میں موجود ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
 وَ النُّفُوْدَ کُلٌّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَشْوَْرٌ" یاد رکھو! کان، آنکھ اور دل سب کے متعلق ہر
 ہو گا۔ یہ اعضا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ انسانی جسم میں یہی چیزیں علم کے ذرائع ہیں۔ اگر یہ

چیزیں نہ ہوں تو انسان کی کچھ حقیقت نہ ہو۔ یا اگر اللہ تعالیٰ یہ اعضاء عطا کرے اور پھر انسان اُن سے کام ہی نہ لے تو اس کی مثال قرآن پاک نے یہی بیان فرمائی **مُسَوِّمُكُمْ عُمًی**۔ ایسے لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں **فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ** کہ یہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ گویا کافروں کی مذمت کی ہے۔ کہ ان کی حالت یہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دی ہیں کہ انسان دل کے ساتھ سمجھے اور غور کرے۔ کیونکہ یہ دل ہی منبع اخلاق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سزا کے ذکر میں **تَطَّلِعُ عَلَى الْفِتْنَةِ** فرمایا۔ یعنی جہنم کی آگ کا اثر سب سے پہلے ایسے لوگوں کے دلوں پر ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے قلب جیسے مرکز اخلاق کو بگاڑا، تو جہنم کی آگ کا اثر بھی پہلے دل پر ہی ہوگا۔ جسم کے باقی حصوں یعنی ہاتھ پاؤں پر آگ کا اثر دوسرے نمبر پر ہوگا۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان کے جسم میں ایک قطرہ ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوگا اور اگر یہ قطرہ بیمار ہے تو سارا جسم بیمار ہوگا **فَسَرَّيَا لَا وَهَى الْقَلْبُ سَرَّيَا** وہ قطرہ اول ہے۔ حسن و قبح کا سارا دار و مدار دل پر ہے۔ محبت اور نفرت کے تمام جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ کسی کام کے کرے یا نہ کرنے کا سارا معاملہ دل سے تعلق رکھتا ہے۔ دل کے ذریعے انسان سمجھتا ہے۔ اور کان کے ذریعے اللہ تعالیٰ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت۔ نبی کی حدیث، واعظ کا وعظ وغیرہ سب چیزیں کانوں کے ذریعے سے سنی جاتی ہیں۔ لہذا کان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح آنکھ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ انہیں کے ذریعے انسان قدرت کی عظیم نشانیاں دیکھتا ہے۔ کتابیں پڑھتا ہے۔ اگر آنکھیں نہ ہوں تو ساری دنیا گھپ اندھیرا ہو جاتی ہے۔ دل کی اہمیت کے متعلق علامہ اقبال مرحوم کہتے ہیں:۔۔۔ غافل تر سے زمر و مسلمان غریہ ام۔۔۔ دل درمیان سینہ او بیگانہ دل است کہ میں نے مسلمان سے زیادہ غافل کسی کو نہیں دیکھا۔ کہ دل جیسی عظیم دولت اس کے سینے میں موجود ہے۔ مگر وہ اس سے غافل ہے۔ اُسے شعور ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت اس کو عطا کی ہے۔

الغرض یہ کہ
میں سے قلب
کی اہمیت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نعمتیں انسان کو وصیت کی ہیں۔ یہ اس کے لیے حصول طہ کے ذرائع ہیں۔ جو شخص ان ذرائع کو ضائع کرے گا ہے۔ اس کی مثال حسرت مولانا اشرف علی تھالوی نے یوں دی ہے۔ جیسے کوئی امیر کبیر کسی کی تنخواہ مقرر کرے۔ کہ بجائی تم غریب ہو ہر ماہ یہ وظیفہ وصول کریں گے۔ وہ شخص ہر مہینے اپنا مشاہرہ وصول تو کرتا ہے مگر کسی معرفت میں لانے کی بجائے اسے ٹھکے میں پھینک دیتا ہے۔ یہ پانی میں ڈبو دیتا ہے۔ امیر دیتا رہتا ہے اور غریب ضائع کرتا رہتا ہے۔ آخر کار اس امیر کو کنا پڑتا ہے۔ کہ یہ شخص کس قدر نمک حرام ہے۔ کہ میں نے اس پر رسم کرتے ہوئے اس کا وظیفہ مقرر کیا ہے۔ مگر یہ اُس سے فائدہ نہیں اٹھاتا چنانچہ اس کا وظیفہ بند کر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اُس شخص کو افسوس بلکہ احساس تک نہیں ہوتا کہ اُس کی آمدنی ختم ہو گئی ہے۔ تو اس قسم کے شخص کے متعلق سوائے اس کے در کیا کہا جائے گا کہ یہ بے وقوف سزا کا ہی مستحق ہے۔

عذاب عظیم
کی وجہ

یہی حالت اُس شخص کی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دل عطا کیا۔ کان اور آنکھیں دیں مگر وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ان کو بروئے کار نہیں لاتا۔ تو آخر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی، اور ایسا شخص نمک حرام قرار پائے گا۔ یعنی وہ حالت ہے۔ جس کے متعلق فرمایا کہ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے لہذا اُن کے لیے عذاب عظیم مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ اسی کے مستحق ہیں۔

احسن تدبیر کا
مرکز ایک ہے

یہاں پر جن تین اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں قلوب جمع ہے۔ سمع واحد اور البصار جمع کا صیغہ ہے۔ کہتے ہیں کہ قلب کی حالت تو ہر شخص کی الگ الگ ہے۔ لہذا بہت لوگوں کی وجہ سے اسے جمع فرمایا۔ ”یہ ان اگرچہ ہر انسان کے دو ہیں مگر ان دونوں کی سماعت اکٹھی ہوتی ہے۔ ان کا مرکز ایک ہے۔ لہذا اس کے لیے واحد کا صیغہ بولا۔ اور آنکھیں دونوں الگ الگ ہیں ان دونوں سے اکٹھا بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ اور ایک کو بند کر کے کسی ایک سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ لہذا ان کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پہلے دو اعضاء یعنی دل اور

کانوں کے متعلق فرمایا کہ ان پر ٹپہ دگا دیا گیا ہے۔ اور آنکھوں کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ ان کو استعمال نہیں کرتے ان پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہ کفر، شرک اور برائی کا پردہ ہے۔ جو آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ صحیح بات نظر ہی نہیں آتی۔ جب کسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ان کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔ جو آگے چل کر انہیں ملے گی۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوسری قسم کے گروہ انسانی کا حال بیان فرمایا۔ جنہوں نے ظاہراً اللہ باطناً کفر کو اختیار کیا۔ اور ہدایت سے محروم ہے۔ ان کی سزا کا ذکر بھی اجماعاً کر دیا۔ اہل الفاظ کے ضمن میں وجوہات بھی ذکر کر دیے۔ ان کا حال محسوس ہونے پر بیان فرمایا ہے۔ اُس کے منافقین کا ذکر آئے گا۔ چونکہ یہ زیادہ خطرناک گروہ ہے۔ اس لیے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ تیسرا گروہ ہے۔

السم
درس ششم

البقرة ۲

آیت ۱۲۹

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِينَ ۝۸ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰ بِمَا كَانُوا
يَكْذِبُونَ ۝۱۱ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا
إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝۱۲ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن
لَّا يَشْعُرُونَ ۝۱۳

ترجمہ: اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ
پر اور قیامت کے دن پر حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ۝۸ وہ دھوکا دیتے ہیں
اللہ کو اور اُنی لوگوں کو جو ایمان لائے اور حقیقت میں وہ نہیں دھوکا دیتے مگر اپنی
جانوں کو، اور وہ سوچتے بھی نہیں ۝۹ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس
وجہ سے کہ وہ مجھوٹ بولتے ہیں ۝۱۰ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں
فساد نہ کرو تو کہتے ہیں بیشک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۝۱۱ سنو!
بیشک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں۔ مگر یہ سمجھتے نہیں ۝۱۲

ہدایت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر چاہیے۔ پہلا گروہ وہ ہے
جو ظاہر اور باطن ہدایت کو قبول کرتے ہیں۔ وہ مومن و متقی کہلاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی پہلی چار
آیتوں میں ان کا حال بیان ہوا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ظاہر اور باطن ہدایت الٰہی کا انکار
کرتا ہے۔ وہ کافروں کا گروہ ہے۔ اعلیٰ دو آیات میں ان کا حال بیان ہو چکا ہے اب ان
آیات میں تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں تہذیب و تربیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان

گذشتہ پیرتہ

کے باطن میں کفر ہوتا ہے۔ اگلی تیرہ آیات میں منافقین کی خرابیاں، ان کی سازشوں اور چال بازیوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ذریعے سارا معاملہ سمجھایا ہے۔

منافقین کا گروہ قرآن کریم میں منافقین کا حال مختلف سورتوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ بعض سورتیں صرف منافقین کے نام پر ہیں مثلاً سورۃ منافقون۔ اسی طرح نمل کے اعتبار سے آخری سورۃ توبہ میں بھی منافقین کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اور ان سے خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

امام ابو بکر جصاصؓ بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ امام زبیر بن عفرہؓ بھی بہت بڑے عالم گزشتے ہیں انہوں نے علوم عربیہ میں کامل نامی عظیم کتاب لکھی ہے۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نفاق کا اشتقاق نَافِقًا الذی دُجِعَ سے ہے جس کا معنی ہے جھٹلی چوبے کا بل بشور ہے کہ گروہ جھٹلی چوبے کے چار بل (سوراخ) ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ شکاری کو دھوکا دیتا ہے یہ کسی ایک سوراخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ شکاری اس کو کھوٹتے ہیں، تو وہ کسی دوسری طرف غائب ہو جاتا ہے۔ منافق کا حال بھی یہی ہے۔ یہ شرک کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے جھٹلی چوبے کی طرح یہ بھی خدائے تعالیٰ کے دھوکے باز ہوتا ہے۔ شریعت میں منافق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں لِمَنْ يَظْهَرُ الْإِيْمَانُ وَيُكْتُمُ الْكُفْرَ جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے۔ اور کفر کو چھپاتا ہے۔

اب منافق کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کا منافق وہ ہے جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے مگر باطن میں کفر بھرا ہوا ہے۔ اور وہ اس پر مطمئن ہے۔ دوسری قسم کا منافق وہ ہے جو ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے متنبہ رہتا ہے۔ دو ظاہر اور باطن شاک میں ہوتا ہے ایسا منافق مَذْبُذِبٌ بَيْنَ بَيْنٍ ذَلِكْ کا مصدق ہوتا ہے۔ ان دونوں قسم کے منافقین کا نفاق شدید ہوتا ہے ان کا اعتقاد غائب ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر جن منافقین کا ذکر ہے، وہ یہی اعتقادی منافق ہیں۔ جن کے عقیدے میں کفر بھرا ہوا ہے۔

تیسری قسم کا منافق وہ ہے جو اخلاقی اور عملی منافق ہوتا ہے ایسا شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے آخرت کے نقصان کو دنیا کے نقصان پر ترجیح دیتا ہے۔ اور دنیا کے نفع کو آخرت کے نفع پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ ایسے منافق ہوتے ہیں کہ اگرچہ ان میں ایمان موجود ہوتا ہے مگر یہ لوگ آخرت کو دنیا پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْآخِرِ بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے
ہیں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ایسے لوگ دھوکے باز ہیں۔
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ اللہ تعالیٰ اور ایمانداروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر
حقیقت یہ ہے وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ کہ یہ اپنی جانوں کو دھوکا دے رہے
ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ یا ایمان والوں کا کیا بگاڑیں گے۔ یہ تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ اور اپنا
سہی انجام خراب کر رہے ہیں۔ اور سوچتے بھی نہیں وَمَا يَشْعُرُوْنَ یہ اتنا شعور بھی نہیں رکھتے
کہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ آخرت کو برباد کر رہے ہیں فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَمٌ ان کے
دلوں میں بیماری ہے۔ اور یہ بیماری شک کی بیماری ہے۔ اکثر صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمرؓ
بن مسعودؓ نے یہی معنی کیا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں شک ہے۔

نفاق کی بیماری جسمانی بیماری نہیں بلکہ دین کی بیماری ہے۔ جس طرح اجمام کی بیماری
ہوتی ہیں۔ اسی طرح دین اور عقیدے کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ تو اس بیماری سے مراد عقیدے
کی بیماری ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اعتدال کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ وہ
بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جسم کے مختلف غصہ اور اجزاء جب تک اعتدال پر قائم رہیں انسان
کی صحت درست رہتی ہے۔ اور جب یہ اعتدال خراب ہو جائے تو جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ عقیدے
کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جب آدمی اعتدال کا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر بدعتیگی، حسد،
کینہ، اور گناہوں کے ساتھ محبت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو انسانوں کو

نفاق دینی
بیماری ہے

خنسیت کی باتوں سے روکتی ہے۔ اور ابدی اور حقیقی زوال کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں مَرَضٌ کا لفظ نفاق پر بھی بولا جاتا ہے۔ کہنے اور حسد کو بھی نفاق کہتے ہیں۔ نفاق کا کام یہ ہے کہ خیر کو ظاہر کرتا ہے اور شر کو چھپاتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان چھائی کا کام کر رہا ہے۔ مگر باطن میں فتنہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دل کی بیماریوں کا پتہ چلتا ہے۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں بھی بیماری ہوتی ہے۔ اور یہ بیماری خونِ صغیر وغیرہ کی ظاہری بیماری نہیں ہوتی جو ظاہری جراثیم سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے محرک باطنی جراثیم یعنی گناہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑے گناہ شرک، کفر، نفاق، شک، تردد اور اتحاد وغیرہ ہیں۔ اور ان سے پیدا ہونے والی روحانی بیماریاں ہوتی ہیں۔

فرمایا فَزَادَ هُمْ اللہ مَرَضًا اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا کیونکہ اللہ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ جب علاج نہیں کیا جاتا تو بیماری بڑھ جاتی ہے دیکھ لیجئے اسلام کو ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ مگر منافقوں کی بیماری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے باطن میں پریشیہ و حسد اور کینہ، اسلام کی مخالفت اور بدعتیگی بڑھتی جا رہی ہے۔ اسی کو فرمایا فَزَادَ هُمْ اللہ مَرَضًا اب اس بیماری کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اور یہ سزا انہیں اس جرم کی پاداش میں ملے گی۔ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ زبان سے حق کا اقرار کرتے تھے۔ اہل ایمان کی رفاقت کا دم بھرتے تھے۔ مگر دل سے کفر کے ساتھ بولتے تھے۔ گویا وہ زبان سے جھوٹ بولتے تھے۔ چنانچہ فرمایا ان کے اس جھوٹ کی وجہ سے انہیں سزا کا عذاب کا مزہ چکنا ہوگا۔ یہ ان کے نفاق یا حسد یا کفر کی سزا ہے۔

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ منافقین اپنے نفاق کی وجہ سے فساد فی الارض کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس سلسلے میں جب ان سے کہا جاتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا

فساد فی الارض

پر بیعت کرتے ہیں، وہ گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا: مَنْ يَطُوعِ
الرَّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت
کی۔ کیونکہ رسول خدا کا نائب اور اس کا پیغام مخلوق تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام امور کی
رضا کے لیے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کو دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے
رسول کو دھوکا دیتے ہیں۔

منافقین کا طریقہ واردات بھی وہی ہے۔ جو ایک عام دھوکا باز ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔
کہ اس طریقہ سے ہم اپنے مفاد بھی حاصل کر لیں گے۔ اور ہمیں نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔ اس طرت
ہم اس جہل و غیور پر قائم رہ سکیں گے۔ گویا اسلام کا دھوکے بھی کرتے ہیں۔ اور کفر کے پروگرام کو
بھی ساتھ ہی جاری رکھتے ہیں

حالانکہ یہ دو متضاد پروگرام ہیں اور کسی صورت میں ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہیں ہو
سکتی۔ اسلام کا پروگرام نہایت ترقی یافتہ پروگرام ہے۔ جب کہ کفر انتہائی رجعت پسندانہ نظام
ہے۔ یہ دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے۔

ایک طرف توحید، ایمان، اور تقویٰ کا پروگرام ہے۔ اور دوسری طرف کفر، شرک اور باطنی
بیماریوں کا نظام ہے۔ معاصی اور جنگ و جدل کا نظریہ رکھنے والے ہی لوگ فساد فی الارض کے
مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا اِنَّهُمْ لَمُفْسِدُونَ
اصل فساد ہی ہیں۔ جو زبان سے اسلام کا نام لیتے ہیں وَلٰكِنْ لَا يَتَعَرَّوْنَ مِحْرَ
یہ لوگ سمجھتے نہیں ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے اور فساد ثابت ہو گیا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو آج کل کی حکومتیں بھی اسی نفاق کا شکار ہیں۔ یہ بھی حق و باطل کو
یکجا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں۔ خود ہماری حکومت کا کیا حال ہے۔ اسلام
کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ اور یورپ کے غیر اسلامی پروگرام بھی ساتھ چل رہے ہیں انگریز کا قانون بھی
راج ہے۔ اور اسلامی قوانین بھی جاری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ دونوں پروگرام اکٹھے
نہیں چل سکتے، صرف ایک نظام کو اپنانا ہو گا۔ ورنہ فساد فی الارض کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔
اسی طرح اسلام کے نظام تعلیم اور انگریزی تعلیم کو یکجا چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے ایک

حکومتی سطح
پر نفاق

نظام کا معنی ہی فساد ہے اور دوسرے کا ایمان، تو یہ اکٹھے کیے ہو سکتے ہیں۔ جب تک تمام باطل نظاموں کو ختم کر کے صرف اسلامی نظام کو قائم نہیں کریں گے۔ کبھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ بات اشارۃً کر دی ہے۔

عذابِ عظیم اور
عذابِ الیم
میں فرق

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے قبل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا: **وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ** اور منافقوں کے متعلق فرمایا: **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** یعنی کافروں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ اور منافقوں کے لیے دردناک عذاب۔ اس کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: کہ کافر مردود اور محروم ازلی ہے۔ اس کی استعداد تو ابتدا ہی سے خراب ہے۔ کافروں نے اپنی استعداد کو بگاڑ کر بالکل محرومی کی حالت اختیار کر لی ہے۔ لہذا ان کے لیے عذاب اول سے آخر تک بڑا ہی ہو گا۔

جہاں تک منافقین کا تعلق ہے۔ ان میں استعداد تو موجود تھی، مگر انہوں نے اس استعداد میں بگاڑ پیدا کر کے اپنے اندر خود محرومی پیدا کر لی۔ جب سزا کی نوبت آئے گی، تو ان کو اس کا احساس ہو گا اور دکھ پیدا ہو گا۔ کراہوس ہمارے اندر استعداد تو موجود تھی مگر ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا لہذا ان کو مولم عذاب ہو گا۔ یعنی جس قدر احساس ہو گا، اسی قدر تکلیف ہو گی۔

اس کے علاوہ مفسرین کرام ایک اور بات بھی بیان فرماتے ہیں۔ کہ کافروں نے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہی نہیں۔ وہ تو اول و آخر کافر ہی ہے۔ برخلاف اس کے منافقین نے اگرچہ دل سے حق کو قبول نہیں کیا، مگر زبان سے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہے۔ اور جو آدمی کسی چیز کا ذائقہ چکھ لیتا ہے۔ اس کا حکم اور ہوتا ہے۔ لہذا ان کے لیے عذاب الیم مقرر کیا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بکثرت پھل پیدا کرنے والے علاقے کے لوگ کسی ایسی جگہ جاتے ہیں۔ جہاں ایسے پھل نہیں ہوتے۔ تو انہیں احساس محرومی ہوتا ہے۔ اور بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ بڑا مشورہ واقعی ہے کہ ابدالی نے جب پانی پت کا معرکہ لڑا۔ تو دل کے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں۔ تو انہوں نے یہ تاریخی جگہ لکھائی: ایں جا اندر قندھار کجاست یعنی یہاں قندھار کا اندر کمال ہے۔

جو میں یہاں قیام کروں، وہ قندھاری نامہ کے ذائقے سے واقف تھا۔ اس لیے وہ وہاں بٹھ کر اُن کے ذائقے سے محو نہ نہیں ہونا چاہتا ہے۔

منافقین کا حال بھی یہی ہو گا۔ چونکہ انہوں نے زبان سے ایمان کا ذائقہ چٹھا تھا۔ اس لیے آخرت میں انہیں محرومی کا سخت احساس ہو گا۔ اور اس احساس کی وجہ سے ان کے دلخیز و دہ میں اعتراف ہو گا۔ اسی لیے اس کو عذاب الیم کہا گیا ہے۔

الْعَمَّ:

درس ہفتم:

البقرہ - ۲۵۶

آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ
 الشُّفَهَاءُ أَوَ لَآ إِشْرَافٌ لَهُمُ الشُّفَهَاءُ وَنَكِرُوا لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذْ
 آمَنَ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِمَا آمَنَ كُفَرَاءُ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا
 إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا عَنَّا مُتَهِنُونَ ﴿١٥﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ
 وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
 اشْتَرَوُا أَنْفُسَهُمْ بِالْأَمْدِ فَمَا رَجَعَتِ بَيْعَاتُهُمْ وَاكْ
 كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے۔ ایمان لاؤ اس طرح جس طرح لوگ
 لوگ ایمان لاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں، جس طرح یہ قوت لوگ
 ایمان لاتے ہیں۔ سنو! بیشک یہی لوگ یہ قوت ہیں، لیکن یہ جانتے نہیں ﴿۱۴﴾
 اور جب یہ مٹتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لاتے، تو کہتے ہیں، ہم بھی ایمان
 لاتے ہیں، اور جب یہ تنہا ہوتے ہیں، اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس، تو کہتے
 ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، بیشک ہم تو ہنسی کرتے ہیں ﴿۱۵﴾ اللہ ان کے ساتھ
 ہنسی کرتا ہے، اور مصلحت دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں وہ سرگردان ہوئے ہیں ﴿۱۵﴾
 یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خریدے گمراہی کو ہدایت کے بدلے پس نہیں فائدہ دیا
 ان کو ان کی تجارت نے، اور نہیں تھے یہ لوگ ہدایت پانے والے ﴿۱۶﴾

ہدایت کے اعتبار سے تیسرا گروہ منافقین کا ہے۔ کل بھی ان کا ذکر ہوا تھا، اور آج کی آیت
 میں بھی منافقین کا ہی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے منافقین کی خرابیوں کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا
 ہے۔ پہلی آیت میں آیا تھا، کہ بعض لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے
 ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی نفی فرمادی ہے، کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ

گمراہی سے پرستہ

اور ایمانداروں دونوں سے دعا بازی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو دعو کا نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی ان کے دعو کے سے بچائے گا۔ کیونکہ ان کا دعو کا ان کی اپنی ہی جانوں پر ہے اور یہ ان باتوں کو سوچتے تک نہیں۔ ان کے دلوں میں شک، تردد اور نفاق کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو ابد بڑھا دیا ہے۔ اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ کیونکہ یہ مہوٹ بولتے تھے ظاہر اسلام کرتے تھے مگر ان کے باطن میں کفر تھا۔ ان کی ایک اور بیماری فساد فی الضمیر تھی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو اکڑ جاتے اور کہتے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ہمیں کوئی فساد ہی کیسے کہہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی لوگ فساد ہیں مگر یہ سمجھتے نہیں۔

حقیقی ایمان

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور غرابی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح وہ بے لگ ایمان لائے ہیں يَقَالُوا۔ تو جواب میں کہتے ہیں أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ أَنْتُمْ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ یقیناً ایمان لائے ہیں فَرَأَوْهُمُ أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ أَنْتُمْ یہ یقیناً ایمان لائیں وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ مگر یہ جانتے نہیں۔ یہاں یہ اشکال وارد ہو رہا ہے کہ منافقین تو بڑے ایمان کا انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بظاہر تو وہ ایمان لائے تھے۔ تو پھر وہ یوں کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہم یقیناً ایمان لائیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ایسی بات بڑے مسلمانوں کے سامنے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے خاص محنت آدمیوں کے روبرو کرتے تھے جنہیں اپنا راز داں سمجھتے تھے۔ کہ وہ ایسی بات کا بُرائی نہیں منائیں گے۔

اس مقام پر ایک اور بحث قابل غور ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ ایمان لاؤ، حالانکہ ایمان کا دعو نے تو وہ پہلے ہی کر رہے ہیں۔ تو ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ محض زبانی طور پر ایمان نہ لاؤ بلکہ حقیقی اور صحیح ایمان لاؤ جیسے وہ مسلمان ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ فلاح کا دار و مدار اسی ایمان پر ہے۔ لہذا ذات فانیہ، شوائع نفسانیہ، ریاکاری، طلب جاودہ وغیرہ حقیقی ایمان کی بدولت ہی دفع ہوتی ہیں کسی بطل مقصد کے لیے خالی ایمان کا اظہار بہ گزیر مفید نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ حقیقی ایمان لاؤ۔ یعنی دہا کی پوری تصدیق اور اخلاص کے ساتھ ایمان کو قبول

کرو۔ دوسرے مقام پر آئے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا ۝ اے ایمان والو! ایمان لاؤ
یعنی محض زبانی ایمان کافی نہیں بلکہ حقیقی اور مخلصانہ ایمان اختیار کرو۔

اسی لیے منافقین سے کہا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح ایمان لاؤ۔ وہ دوسرے لوگ کون
ہیں؟ بلاشبہ وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اخلاص کے ساتھ
ایمان لائے۔ ابن مسکڑ جو بہت بڑے مورخ ہیں۔ انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن
عباس سے روایت نقل کی ہے۔ کہ آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ تم اس طرح ایمان لاؤ کہ
مَنْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَبْنُ جَعْفَرٍ یعنی جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ،
حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ایمان لائے ہیں، اس طریقے پر تم بھی ایمان لاؤ۔ اسی کا ایمان خلوص اور
حقیقت پر مبنی ہے۔ ان کے معیار پر پورے آؤ محض زبانی دعوے سے بات نہیں بنے گی تم تو
جھوٹے ہو وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ یہ لوگ قطعاً مومن نہیں ہیں۔

اسی سورۃ میں آگے چل کر سورتوں کے تعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَبِأَنِ آمَنُوا
بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۝ اگر یہ لوگ بھی تمہاری طرح ایمان لے
آئیں۔ تو یہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔ یہاں سے معیار حق ہونے والی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔
کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ یہ اسی بکار اگرچہ
نبی کی طرح معصوم تو نہیں ہیں۔ مگر امت کے لیے نمونہ ہیں۔ وہ اپنے اخلاص اور حقیقی ایمان کی
وجہ سے ان خرابیوں سے محفوظ تھے۔ جو ایمان کے باوجود انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور جن
کی وجہ سے آدمی ناکام ہو جاتا ہے معیار حق اسی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قرآن پاک میں
فرمایا ہے: لَسْتُ كُنْتُ أَشْهَدُكَ عَلَى الشَّيْءِ وَلَا يَكُونُ السُّؤَالُ عَلَيْكَ بِشَيْءٍ
شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں کہ جو جاؤ تم لوگوں کو بتانے والے
اور معلم اور اللہ کا رسول تمہیں بتانے والا ہے :

۱۔ تفسیر درمثور ص ۲۶ بحوالہ ابن عساکر وغیرہ عزیزی فارسی پارہ ۱ ص ۱۸۱
۲۔ قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۱۸۱ مطبوعہ حج کمیٹی

گو یا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فوج کی مجاہدت تیار کر کے ان سے خدمت اسلام کا کام لیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے متعلق یہ بھی فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ خدا کی زمین پر تم اللہ کے گواہ ہو۔ یعنی جس کی اچھائی کی گواہی تم دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا سو کا اور جس کی تم بُرائی کی گواہی دو گے وہ اللہ کے ہاں جی بُرا ہو گا۔ اُسے صیبرا تم اللہ کے گواہ ہو اور خصوصاً اُسے غفلتے باشندین! تم اللہ کے گواہ ہو۔ آپ کے یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

ترمذی شریف کی ہدایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے متعلق فرمایا اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبُہِ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے۔ یعنی وہ حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے قلب پر اللہ تعالیٰ نے حق رکھ دیا ہے، کیا وہ معیار حق نہ ہو گا؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح حضرت ابو بکرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور ان کے ساتھی ایمان لائے ہیں، ان کا ایمان جھٹکتی ایمان ہے جو خلوص سے بھر پور ہے۔ ایسا ہی ایمان انسان کی فلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

النَّاسُ یعنی انسان اُنس کے ماٹے سے ہے۔ انسان اس لیے انسان ہے کہ اس میں الفت اور مانوس ہونے کا مادہ پایا جاتا ہے۔ عربی میں اُنس سے ما سَجَى اِلَیْكَ اَلْاَرْضَ فِیْہِ کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے قلب کو قلب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اُٹا ہوتا ہے مَا الْقَلْبُ رَا اَنْہُ یَتَقَلَّبُ ایک تریہ اپنی وضع کے اعتبار سے اُٹا ہوتا ہے۔ یعنی اس کا جیذا اوپر اور سر نیچے ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ دل میں ہٹیاں آتی رہتی ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دلیا وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْبَکِیْنَ الْعَرِدَ وَقَلِبُہِ اللّٰہُ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ اس لیے محتاط رہنا چاہیے۔ ڈرا سی غلطی پر خدا تعالیٰ دل بدل سکتا ہے۔ اسی لیے دعائیں بھی ایسی کہتے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ اے دلوں کو پھٹنے والے اللہ کریم! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ یہ حال انسان

انسان ہونے کا دل

کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر انس کا مادہ و دلیعت کیا گیا ہے۔

حقیقی انسان
کون ہیں؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہاں پر ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ اس مقام پر منافقوں کو کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسلانے کے وہی لوگ تھے ہیں جو حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ یہ لوگ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور انہی کی وجہ سے دنیا کا نظہ درست رہتا ہے۔ جو لوگ حقیقی ایمان سے محروم ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولَٰئِكَ كَانُوا فِيْهُمْ اَضَلّٰۤىۤاۤ یہ تو جانوروں کی مانند ہیں یا ان سے بھی بدتر۔ یہ انسان کسلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور جھتی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ لہٰذا حقیقی انسان وہ ہیں جو حقیقی ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔

یوقوت کون ہیں؟

پہلے گزر چکا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح اسے ایمان لاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم یوقوتوں کی طرح ایمان لائیں حالانکہ حقیقت میں منافق ہی یوقوت ہیں۔ مگر انہیں علم نہیں۔ یہ لوگ ایمانداروں کو اس لیے یوقوت سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا کے نفع سوئے کو چھوڑ کر آخرت کی فکر کرتے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کی ٹمک و درد میں لگے رہتے ہیں۔ مگر وہ یوقوت یہ بات نہیں سمجھتے کہ ممکنہ ہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نقصان سے بچ جائے اور فائدہ حاصل کرے ایماندار دنیا کے اس عارضی فائدے کی پروا نہ کرتے ہوئے آخرت کے ابدی فائدے کو حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا صحیح فرائض میں ممکنہ سی میں اور منافق یوقوت ہیں جو آخرت کو چھوڑ کر عینی حقیقی اور ابدی فائدہ کی بجائے دنیا کا عارضی اور فانی فائدہ تلاش کرتے ہیں۔ مگر یہ اپنے آپ کو ممکنہ سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کو یوقوت جانتے ہیں۔ اور اس طرح اس فریب سے دنیا کا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَرَاَيْتُمْ هُمْ اِذَا تُفْتَحُ لَهُمْ الصُّفُوۡتُۙ اَخْلَفُوۡا وَاٰذَا اُلْقُوۡا اِلَیۡہِیۡمُ اَعْمٰوۡاۙ حَقِیۡقَتٌۢ بٰیۤہِیۡمٌ لِّکُمۡ فَاَ تَعْمٰوۡنَ۔

منافقوں کی
دو جگہ پالیسی

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا پردہ فاش کرتے ہوئے فرمایا وَاٰذَا اُلْقُوۡا اِلَیۡہِیۡمُ اَعْمٰوۡاۙ

جب یہ اعلان ہوتا ہے تو شرعاً کہتے ہیں قَالُوا اٰمَنَّا بِمَا نَكَرَ
اٰتٰنَا فِيْهِ۔ ان کے اُن کی پہچان میں اپنی پہچان کے اُن کی سمجھ میں ہو حقیقت یہ ہے وَرَدَّ اَخْلَاوَالِ
شَبَابِهِمْ۔ جب یہ نیک شیعہ ان کے پاس جاتے ہیں۔ قَالُوا اِنَّا مَعَكُمْ تو کہتے ہیں
 کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ فَمَا نَحْنُ مُتَهَيِّزُوْنَ یہ تو ہم مسلمانوں کا محض تسمیہ ہے۔
 تو یا ہم اُن کی نسبت کا دعویٰ کر کے نہیں بے وقوف بنائے ہیں۔ یہاں پر شیاطین سے مراد
 منافقوں کے بڑے بڑے سردار اور سرغنہ ہیں۔ جو نفاق کے پردہ گرام کے بانی تھے۔

بعض بول اعتراض کرتے ہیں کہ تبلیغی نقطہ نظر سے ان لوگوں کو یہ قوت یا شیطان کا لقب
 دینا کسی قدر زیادتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کو یہ القاب اس وقت دیے گئے ہیں۔
 جب تین گئے تھے تقاضے پر سے ہو چکے ہیں۔ اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی
 کی وجہ سے اپنی کرتوتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ کے ابتدائی
 دور میں اس قسم کے القاب دینا درست نہیں۔ مگر اتمام محبت کے بعد ایسا کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں
 منافقین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کا تسمیہ اٹا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے
فَرَايَا اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہنسی کرتا ہے وَيَمْدُ هُمْ فِيْ
مُكَيِّدِهِمْ اور مصلحت دیتا ہے۔ اُن کی سرکشی میں کھینچ دیتا ہے اور سرگردان ہو جاتا
 ہے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کے ساتھ ہنسی کرنا۔ اس کا تسمیہ اٹانا تو فعل عبت اور ناجائز
 ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے متبرک ہے۔ اس کے
 جواب میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ استہزاء نہیں بلکہ شاکت ہے۔ یعنی جو سلوک منافقین نے
 مسلمانوں کے ساتھ کیا، ویسا ہی سلوک اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے پسند کیا۔ اس قسم کی مثالیں
 در سکرمعات پر بھی ملتی ہیں مَثَلًا حَبْرًا وَّ اَسِيَّةً سَيِّئَةً۔ بڑائی کی جزا بڑائی ہے مَثَلًا
 جو ا تو عدل کا نام ہے۔ اور عدل بڑائی نہیں ہوتی۔ تو یہاں پر بھی مراد یہی ہے کہ جیسا سوال ہے
 اس کا ہم شکل جواب ہے۔ یہی بات ہے وَمَكْرُوْا مَكْرًا وَّ مَكْرُنَا مَكْرًا میں

استہزاء من اللہ
 کا منوم

بھی پڑ جاتی ہے۔ یہ عربی زبان کی لطافت، بلاغت اور فصاحت ہے۔ اور اُسے شاکست کے ہیں
 اس طرزِ کلام کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ منافقین کے استتار کا نقصان انہی کی طرف ہوتا
 ہے۔ اللہ خود ٹھٹھا نہیں کرتا بلکہ منافقین کے قسم کا ضرر خود ہی کاٹ جاتا ہے۔ وہ نہ کو کیا
 ضرر پہنچائیں گے۔ نبی علیہ السلام اور مومنین کو اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ
 مومنین کو منافقین کی چالوں سے آگاہ کر دے گا۔ تاکہ وہ ان سے ضرر نہ پہنچائیں۔ **اللہ یستہزیئ بہم**
 یہ لفظ کا یہی مطلب ہے۔ استتار یا مخفی ماندہ اللہ کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 منافقین کے ساتھ دیا ہی معاملہ کرتا ہے۔ جیسا ٹھٹھا مذاق کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے چونکہ
 منافقین محض زبانی دعوے کی بنا پر جماعتِ مسلمین میں شریک ہوتے ہیں اور مفاد حاصل کرتے ہیں
 اس لیے اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے۔ **ایمان تو ایسا کرنے والا ہے وہ غازی پڑھیں، عہدہ دیں، جہاد**
میں شرکت کریں۔ مگر ان کا کوئی ثقل فیسروں نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دل سے تو ایمان لائے نہیں
لہذا ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو مذاق کرنے والے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ بھی گویا ان کے
ساتھ ایک قسم کا تمسخر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن منافقین
 دوزخ کے گڑھے میں پہنچ جائیں گے۔ تو جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ گویا انہیں جنت میں جانے
 کی اجازت مل گئی ہے۔ جنتی ان منافقوں کی طرف دیکھیں گے۔ تو وہ محسوس کریں گے کہ واقعی ہمیں
 جنت میں داخلے کی اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ وہ دوزخ کو جنت کے دروازے پر پہنچیں گے
 مگر اتنے میں دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور منافق نامہ دروازہ جائیں گے۔ **اللہ یستہزیئ بہم**
 کی یہ بھی ایک صورت ہے۔ یہ لوگ اس دنیا میں اس قسم کی چالاکی کر رہے ہیں، تو کل قیامت
 کے دن ان کے ساتھ بھی تمسخر ہوگا۔

گائے کا واقعہ اس سورۃ میں آیا ہے۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا آدمی
 قتل ہو گیا۔ مگر قاتل کا پتہ نہیں چلتا تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ گائے ذبح کریں، تو اس

موقع پر ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، کیا آپ جلتے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: **أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ** میں خدا کی پناہ دوں گا۔ اچھا ہوں اس بات سے کہ میں تم سے ٹھٹھا کر کے جاجروں میں شمار ہو جاؤں۔ خدا کے بندو! میں تو اللہ کا حکم تم کو سنار ہوں کہ گائے ذبح کرو۔ اس کے گوشت کا سڑا مرے پر مارو۔ تو قاتل کا پتہ چل جائے گا۔ میں تم سے ٹھٹھا نہیں کر رہا ہوں۔

الغرض! فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کی سہیلی میں ان کو مہلت دیتا ہے۔ اور وہ اچھے ہوتے ہیں یاں یہ **يَصْهَوْنَ** سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے۔ جیسا کہ سورۃ حج میں ہے۔ کہ دیکھو ظاہری آنکھیں اکثر اندھی نہیں ہوتیں **تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ** وہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ جو سینوں میں موجود ہیں۔ نہ وہ سمجھتا ہے کہ دیکھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے پہلی آیت میں کافروں کے دلوں پر مہر لگانے کا بھی ذکر آیا ہے۔ آگے ان کی مثالیں بھی آ رہی ہیں۔

فرمایا: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ شَرَوْا الصَّلَاةَ بِالْهَيْدِ** میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں۔ ظاہر میں انہوں نے زبان سے یہی کہا تھا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس ہدایت کو چھوڑ کر انہوں نے باطن کی بے عقیدگی اور گمراہی کو اختیار کیا **فَعَارَبْتُمْ أَجَارَ تَتَّمُوا** پس ان کی تجارت نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا **وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ** اور نہیں تھے وہ ہدایت یافتہ۔

ہدایت کے
بدلے گمراہی

یہ تجارت کا لفظ بھی بڑا معنی خیز ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب انسان کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ تو عمر اور تمام اسباب دیکر بھیجتا ہے۔ کہ یہ تمہاری پونجی ہے۔ اس کے ساتھ اعمال خیرہ و۔ اس سے تمہیں آخرت کی دائمی زندگی میں فائدہ پہنچے گا۔ عمر کی یہ پونجی برف کی مانند ہے۔ اوپر سے بھاروں کی تپش پڑے گی۔ اور یہ برف چلتی جا رہی ہے۔ اگر اس کے چھلنے سے پہلے اس سے قیمتی اشیاء ایمان اور اعمال صالحہ خرید لو گے۔ تو یہ عمر

کی پونجی ٹھکانے لگے گی۔ اور تم ہمیشہ کے لیے راحت پاؤ گے۔ اور اگر تم نے عمر عزیز کے بدلے کفر، شرک، بدعتیہ گی، معاصی اور سود و لعب خریدا، تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلتے میں مبتلا ہو جاؤ گے، اسی لیے فرمایا کہ منافقین کی تجارت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ اس کی ایک اور مثال ایسی ہے کہ انسان تریاق کے بدلے زہر ملا لے۔ اگر تریاق حاصل کر لیا تو ہر قسم کی تکلیف سے بچ جائے گا۔ زہن کی آسودہ ہو جائے گی۔ اور اگر فہم خواستہ اس نے زہر کو پسند کیا۔ تو تباہ ہو جائے گا۔ اس قسم کی تجارت نے کوئی نفع نہ دیا۔ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ اور یہ لوگ ہدایت یافتہ نہ تھے۔ بلکہ ابدی خسارے میں مبتلا ہوئے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بعض خرابیاں بیان فرمائی ہیں۔ اگلی آیات میں مثال کے ذریعے ان کی مزید خرابیاں اور ان کا انجام بیان فرمایا۔

الْمَدَّ
دس ہجرت

لبقرة ۲
آیت ۱۸۴

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَّ
يُبْصِرُونَ ﴿۱۸﴾ صُمْ أَبْكُمْ عَمَّا فِيهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ان منافقوں کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلانی جب
آگ نے اس کے — اس پاس کو روشن کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا روشنی
زائل کر دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ بھی نہیں دیکھتے ﴿۱۹﴾ وہ ہرے
گوشت اور انہی میں پس وہ نہیں روئیں گے ﴿۱۸﴾

بدبختی اور شقاوت کے لحاظ سے درمیانگر وہ منافقین کا ہے اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال
بیان فرمایا ہے کہ ان کا کام جھوٹ بولنا، فریب دینا، زمین میں فساد کرنا ہے وہ ایمانداروں کو
بیوقوف کہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو اصلاح کرنے والے سمجھتے تھے۔ جب انہیں حقیقی مومنوں
کی طرح ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو کہتے کہ ہم بے وقوفوں کی طرح کیوں ایمان لائیں۔
مسلمانوں کی جماعت کے بددینے آپ کو مسلمان کہلاتے۔ تاکہ ان کی جان و مال محفوظ رہے۔ وہ
ان کے حقوق کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مگر جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تمہارے
ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ تھے اور ہمیں کرسٹ میں حقیقت میں ہم ان کے ساتھ نہیں
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک نشانی یہ بھی بتائی کہ انہوں نے ہدایت کے پے میں
گمراہی کو اختیار کیا۔ اور اس تجارت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ بلکہ ایسے لوگ ابھی نقصان میں
مبتلا ہیں۔

گزشتہ سے پورے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جن سے منافقوں کے حالات
پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ کسی مسئلہ میں مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاملہ واضح اور قریب العین
ہو جائے۔ جو چیز غامض اور تاریک ہو اسے واضح کر دیا جائے۔ ایسی مثالیں تمام آسمانی کتب میں بیان

کتب آسمانی
اللہ اعلم

کی گئی ہیں۔ قرآن: زیور اور انجیل میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفہ اور دیگر قلم آسمانی صحیفوں میں مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ خود قرآن پاک میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جن سے بات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا اپنا بیان ہے: **وَقُلْنَا لِلْعَالَمِينَ إِنَّ هَذَا نَصْرُكُم مِّنَّا** اور **وَمَا يَعْزُبُ عَنْكَ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا مَا فِي كِتَابٍ** یعنی ہماری ان مثالوں سے اہل علم ہی سمجھ جائیں گے۔ اور مقصد کو پالیتے ہیں۔

شیخ ابو جراح ابن العربیؒ نے تفسیر احکام القرآن مکمل کی ہے۔ آپ کی تفسیر میں تین چار کتابیں ہیں۔ حدیث کی شروعات، فتویٰ، خواہ در سکر علوم و فنون میں بھی بے شمار کتابیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صرف سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار مثالیں بیان کی ہیں۔ گویا قرآن کریم، دیگر آسمانی کتب اور قلم علما کے کلام میں مثالیں موجود ہیں۔ حضرت لقمانؑ ان کی طرف منسوب کتب، نیز ہر زبان کے فصیح و بلیغ لوگوں کے کلام میں مثالیں پائی جاتی ہیں۔

تفسیر
احکام القرآن

احکام القرآن کے نام سے بہت سے مفسرین نے کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں قرآن پاک کی صرف انہیں آیات کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ جن میں حلال و حرام کے احکام بیان ہوئے ان میں سے ایک کتاب ابو جراح صاحب رازنیؒ کی احکام القرآن ہے۔ دوسرے مفسر پر ابو جراح ابن العربیؒ اندلسیؒ ہیں۔ آپ کی احکام القرآن مابقی مسک کے مطابق ہے۔ اسی طرح کشف و تصوف کے بہت بڑے ائمہ شیخ ابن عربیؒ کی تفسیر احکام القرآن ہے۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ایک چھوٹی سی تفسیر لکھی ہے جس کا نام **الکلیلی** ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** اس میں قرآن کریم کی ان آیات کی مختلف تفسیر ہے۔ جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ آپ فرمیں اور دسویں صدی کے حافظ الحدیث ہوتے ہیں۔ عمر بھی کوئی زیادہ نہیں پائی۔ ہاتھ سال کی عمر میں وفات پائی مگر پانچ سو کے مصنف میں آپ کے بعد کوئی حافظ الحدیث نہیں ہوا۔ حافظ الحدیث وہ بنیاد پائے ہوئے ہے جسے ایک لاکھ حدیث جمع سند زبانی یاد ہو۔

آپ کے بعد بڑے بڑے محدثین ہوتے ہیں۔ مگر حافظ الحدیث کوئی نہیں ہوا۔ البتہ

آپ سے پہلے ہزاروں کی تعداد میں حافظ الحدیث، محدثین، جہن میں بخاری شریف کے شارح ابن حجر شافعی اور علامہ سیوطی وغیرہ ہیں۔ کسی طرح صحیح سنہ کے تمام مؤلفین حفاظ حدیث تھے۔ ان کو کم از کم ایک لاکھ حدیث مع سنہ اور جہاں کے زبانی ہوتی۔

مثال حکمت

الغرض مثال بیان کر چکی ہوتی ہے کہ کسی بار ایک چیز کو انسانوں کے ذہن کے قریب تر کر دیا جائے۔ اور عقلی چیز کو محسوس بنا دیا جائے۔ مثال کے ذریعے کہیں کسی چہرے نفرت دلانا مقصود ہوتا ہے، تو کہیں کسی چیز کو ثابت کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہودیوں کی برائی اور قباحت اس طرح بیان فرمائی ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْخِمَارِ يَحْمِلُ أَصْفَارًا خَامِينَ تَوْرَةً
نے توراہ کو بگاڑ دیا۔ انسانوں نے اسے اس طرح نہ اٹھایا جس طرح اٹھانے کا حق تھا۔ تو ان کی مثال گھسے کی سی ہے، جس پر کتابوں کا دفر رو دیا گیا ہو۔ جو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ گھسے کو علم ہی نہیں کہ اس کی پشت پر کتابوں کا بوجھ ہے یا سڑکیوں کا ٹھکا۔ تو یہی مثال اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بیان فرمائی۔ کہ توراہ کے حامین ہونے کے باوجود اس سے مستغید نہیں ہو سکے۔

منافقین کی مثال

منافقین کی دو مثالوں میں پہلی مثال آج کے درس میں بیان ہوئی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جن کے دل میں کفر پختہ ہو چکا ہے۔ اور دوسری مثال جو آگے آرہی ہے، ان منافقوں کے متعلق ہے جو ابھی متردد ہیں اور شک میں مبتلا ہیں۔
الغرض! اس پہلی مثال کے مصداق پختہ کفر والے منافقین ہیں جن کے ہدایت پانے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اور جن کے متعلق پہلی آیات میں گند چکا ہے کہ انہوں نے اپنی کوتاہ نظری اور غلط فہمی کی بنا پر ہدایت کے بارے میں گمراہی کو خرید لیا۔

فَرَأَى مَثَلَهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ اِنَّ مَنَافِقِينَ كَمَثَلِ اس
شخص کی طرح ہے جس نے جھل میں سخت اندھیرے کی حالت میں آگ جلائی۔ تاکہ اس سے روشنی اور گرمی حاصل کر لے۔ یہ دونوں چیزیں ضروریات زندگی میں سے ہیں جن کے بغیر گزارا نہیں۔

چنانچہ ان منافقوں نے بھی اپنی فطرتِ استعداد کے مطابق اپنے اقرارِ ایمان کی شمعِ روشن کی۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی صحبتِ نسیا کی ان لوگوں نے اہل ایمان کی رفاقت بھی حاصل کی۔ اور زبان سے اقرار کیا: اَمَّنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ چاہیے تو یہ تھا کہ ایمان کی اس روشنی سے اُن پر تمام حقّی روشن ہو جاتے۔ مگر انہوں نے تو صحیح معنوں میں ایمان قبول ہی نہیں کیا تھا۔ محض وقتی مفاد حاصل کرنے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر وہ دل سے نہ ایمان کی آگ کو روشن کرتے۔ تو ان میں اِلٰہِ حَسْبِ الْاِنْسِ کا جذبہ پیدا ہوتا۔ اور ان کے دل میں ذکرِ الہی کا شوق پیدا ہوتا۔ اُن کے دل بھی توحیدِ خالص سے نور ہو جاتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ تو وقتی طور پر ایمان کا اعلان کر کے اپنے مال و جان کی حفاظت چاہتے تھے۔ کیونکہ اسلام کا قانون یہ ہے: هُنَّ قَالَتْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَاكُمْ رَبِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زبان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر لیا اس کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی۔ اسی سے یہ منافقین اپنی فطرتِ صلاحیت کو برکت کا لالچے ہوئے زبانی ایمان سے آئے۔ ان کا یہ ایمان لانا گریبا جھکل گئے اندھیرے میں آگ جلانے کے مترادف تھا۔

فَلَمَّا اَخْبَاثُ مَا كَانَتْ جِبْ اُس آگ نے آگ جلاتے دے شخص کے ارد گرد کو روشن کر دیا۔ اُسے غنودہ است گرد و پیش کا پتہ چل گیا۔ تو پھر کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس آگ کو بجھا دیا۔ یہاں پر اَطْفَاَهَا اللّٰهُ مَخْذُوت ہے۔ اس طرح کرموت طلدی ہو گئی۔ جب وہ آگ بجھ گئی جس کی روشنی میں یہ لوگ اپنی جان و مال کی حفاظت کر رہے تھے۔ تو پھر ذَهَبَ اللّٰهُ بِسُودِهِ اللّٰهُ تعالیٰ اس کی روشنی کو لے گیا۔ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ اُرَاۤئِيْس بے پناہ اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ پھر اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ لَا يُبْصِرُوْنَ کچھ بھی دیکھ نہیں سکتے۔ روشنی تو عارضی تھی جب وہ مستطع ہو گئی۔ تو وہ اپنی اختیار کردہ بازیوں کے اٹھاؤ اندھیروں میں گم ہو گئے۔

اس مقام پر جن اندھیوں کا ذکر ہے۔ اور جن میں منافقین سرگردان ہیں اُن کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ساری کی ساری منافقین کی جماعت پر صادق آتی ہیں۔

اندھیروں کی
مختلف قسمیں

سب سے پہلا اندھیرا کفر کا ہے۔ یہ لوگ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے، مگر ان کے دلوں میں کفر کا اندھیرا بھرا ہوا تھا۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے: **اللَّهُ قَوْلُ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ** یعنی اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا دل اور کارساز ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے جس کی وجہ سے دل میں روشنی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ روشنی آگے چل کر حقیقی روشنی میں تبدیل ہو جائے گی۔

فرمایا دوسرا اندھیرا جو منافقین میں پایا جاتا ہے۔ وہ مکر و فریب کا اندھیرا ہے۔ **يُخَذِّعُونَ اللَّهَ وَلَ الَّذِينَ آمَنُوا** یہ وہی دھوکے اور فریب کا اندھیرا ہے۔ جو وہ اہل ایمان کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔

اسی طرح تیسرا اندھیرا دوسرا گونا گونا گوارا ہے۔ جیسا فرمایا **يَمَّا كَانُوا يَكْذِبُونَ** کہتے ہیں ہم مومن ہیں۔ حالانکہ یہ مرتد و مہوٹ بول رہے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز مومن نہیں۔ ان کے دل میں کفر چاہا ہوا ہے۔ لہذا یہ ایمان کے دعوے میں مہوٹے ہیں۔

منافقین کا چوتھا اندھیرا طعن و تشنیع کا اندھیرا ہے۔ یہ لوگ اہل ایمان کو احمق اور بیوقوف کہتے تھے۔ حالانکہ ایمان والے آخرت کے طلبگار ہیں۔ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کیا ہے۔ مگر منافق ان کو بیوقوفی کا طعن دیتے ہیں۔ یہ ان کا چوتھا اندھیرا ہے۔

جہالت دو قسم کی ہے۔ جہل بسیط اور جہل مرکب۔ کوئی شخص کسی چیز سے ناواقف ہو یہ جہل بسیط ہے۔ جب بھی ایسا شخص متعلقہ چیز سے واقفیت حاصل کرے گا۔ وہ اس جہل سے نکل جائے گا۔ دوسری قسم کا جہل جہل مرکب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان غلط بات کو صحیح سمجھنے لگے۔ بڑے عقیدے کو اچھا خیال کرے۔ یہ بہت خطرناک جہت ہے کیونکہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ ایسا شخص نہ غلط کو غلط سمجھے گا اور نہ وہ اس جہالت سے نکلے گا۔

منافقین کا پانچواں اندھیرا جہل مرکب ہے۔ وہ اپنے دھوکے اور فریب کو بڑا اچھا سمجھ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ پانچویں قسم کے اس اندھیرے میں مبتلا ہیں۔

پہلا اندھیرا معاصی اور شہوات کا اندھیرا ہے۔ اطاعت و شہادت کی بجائے اور معاصی کا اندھیرا ہے جن خواہشات کی تکمیل میں یہ لوگ سرگردان ہیں۔ وہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ساتواں اندھیرا قبر کا اندھیرا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلُمَةً عَلٰی اَهْلِهَا یہ قبریں اپنے مکینوں کے لیے اندھیروں سے بھری پڑی ہیں۔ ہاں جو شخص اپنے دل میں نور ایمان رکھتا ہوگا۔ اس کو وہاں بھی روشنی میسر ہوگی۔ جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نماز پڑھی اس کی قبر میں روشنی ہوگی۔ ایمان والوں کے دل سے روشنی کی لٹ نکلیں گی، نیز ان کے اعمال صالحہ کی روشنی انہیں حاصل ہوگی۔

بخاری شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْظُّلُمَةُ ظُلُمَاتٌ يُّوَفُّ الْقِيَمَةَ اس دنیا میں کسی پر کیا ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ یہ قبر میں جا کر پتہ پتے کا کہ ظلم کا اندھیرا کس قدر شدید ہے۔ پل صراط سے گزرتے وقت حشر کے میدان میں ادھر پھر دوزخ کی گہرائیوں میں اندھیروں کا احساس ہوگا۔ الغرض! یہ تمام اندھیرے ہیں جو منافقین پر وارد ہوں گے۔ اور یہ لوگ غضب الہی کا شکار ہوں گے۔

ان لوگوں کی بے نصیبی کی حالت یہ ہے کہ حُصَّةٌ یہ ہرے ہیں۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو اس قدر خراب کر لیا ہے۔ کہ صحیح بات کو سننے کے لیے تیار نہیں۔ یہ لوگ اس بے نفعی کی بنا پر بُسکُتہ یعنی گونگے ہیں۔ ان کی زبان سے کبھی سچی بات نہیں نکلتی۔ دھوکے فریب اور مجبوث کے سوا ان کی زبان پر کچھ نہیں آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ حُسن و قبح میں اچھائی اور برائی میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ عُشَّیٰ یعنی اندھے بھی ہیں۔ ان کی ظاہری آنکھیں تو موجود ہیں۔ مگر ان کے دل اندھے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق نہیں کر سکتے۔ ایمان و شرک، سنت اور بدعت ان کے نزدیک برابر ہیں۔ ان کے نزدیک ان میں کوئی امتیاز نہیں۔

فرمایا یہ لوگ کفر و شرک اور معاصی میں اس قدر آگے نکل چکے ہیں۔ فَهَسَّ ذٰیْنِ جَعُوْنَ کہ اب ان کے نیکی کی طرف واپس پٹ آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے پچھتے منافقوں کا یہ حال بیان فرمادیا۔

يَسْرِجَعُونَ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی واپسی کا کوئی معانہ نہیں۔ کہ
 واپس آ کر کوئی نئی کمانی کر لے گا۔ انسان جو اعمال فیضوی زندگی میں کما گیا۔ ان میں تغیر تبدیل نہیں ہو سکے
 گا۔ دنیا میں تو کئی چیزیں مٹ سکتی ہیں مگر آخرت میں پہنچ کر دنیا میں کیسے گئے اعمال میں
 کوئی رد و بدل نہیں ہو سکے گا اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَكُلُّ رَافِقٍ فِي السَّمِیْمَةِ طَیْرَةٌ
عَسِیْرَتُهُ ہر نشان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے اور پھر مرنے کے بعد وَيُخْرِجُ
لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا قیامت کے دن ہر نہال کو سامنے کر دیں گے۔ کہ یہ تیرا اعمال
 نامہ ہے۔ لو خود پڑھ لو۔ لطف یہ ہے کہ پڑھنے کی سدا حیت بھی اُس وقت دیا ہو جائے گی
 اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لَوْ خَرَجْتَ فِي الْغَرَضِ فَهَسُوْا لَا يَسْرِجَعُونَ کا مطلب یہی ہے کہ یہ
 پلٹ کر نہ بدایت کی طرف آ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی دنیا کی طرف آ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی کمانی
 کر سکیں گے۔ یہ اُن منافقوں کا حال ہے جن کے دل کفر میں راسخ ہو چکے ہیں۔

الْعَمَاءُ

درس نمبر ۹

الحسرة ۲

آیت ۲۰-۲۱

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ
 أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ
 مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۲۰﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ
 كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا ظَلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ
 عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾

۲

ترجمہ: یا ان کی مثال آسمان کی طرف سے اترنے والی اس بارش کی ہے۔ جس میں
 آرجیاں گھٹن اور بجلی کی چمک ہے۔ یہ یعنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ بادل کی کڑک سے
 موت کے ڈر سے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿۲۰﴾ قریب ہے کنبلی ان کی آنکھوں
 کو اچک لے۔ جب وہ ان کے لیے روشنی کر لے۔ تو اس میں پلتے ہیں۔ اور جب ان پر تاریکی
 چھا جاتی ہے۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے
 جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۱﴾

گزشتہ پورے

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی برائی میں درمیاں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی مثال گزشتہ درس میں
 گزشتہ جگہ ہے کہ منافقوں کی مثال اس شخص جیسی ہے۔ جس نے جنگل میں آگ مچائی ہو۔ اور جب آگ
 نے ارد گرد کو روشن کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو لے گیا۔ اور آگ کو بجھا دیا۔ منافقین کو
 اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کسی چیز کو نہیں دیکھتے وہ ہرے گونگے اور اندھے ہیں پس وہ لوٹ
 کر نہیں آئیں گے۔

یہ پہلی قسم کے وہ منافق ہیں جو اپنے نفاق میں پختہ ہیں اور جبل مرکب میں مبتلا ہیں۔ ان
 کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ کیونکہ وہ غلط بات کو صحیح سمجھ رہے ہیں۔ ایسے لوگ
 محض پال ہڈی اور فریب کاری کی بنا پر کلمہ اسلام پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ

اور قیامت پر ایمان لے آئے ہیں۔ حالانکہ ان کے اذرا ایمان کا شائبہ تک نہیں۔

منافقوں کی
دوسری مثال

دوسری مثال اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی بیان کی ہے جن کا کفر مسخ نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ مترّد ہیں۔ ان کا رجحان کبھی اسلام کی طرف ہوتا ہے، اور کبھی باطل عقیدے کی طرف تو ایسے لوگوں کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ساتھ دی ہے۔ جس طرح بارش کے نتیجے میں بہت سی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح ظہور اسلام کے ساتھ منافقین کے لیے بھی کئی ایک چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ قریباً پر اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان مترّد قسم کے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی طرف سے بالکل ایسی نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ان کے ذہن میں صحیح چیز آجائے، اور یہ نفاق سے باز آجائیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اعتقادی منافق کفر ہی کی ایک قبیل سے ہے۔ بلکہ کفار میں سے بھی بدترین قسم کا کافر ہے۔

اعتقادی اور
عملی منافق

منافق کی ایک اور قسم عملی منافق ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ دل میں نورِ ایمان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، پیغمبرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت پر ایمان ہے۔ مگر ظہورِ باطن میں مطابقت نہیں پائی جاتی حضورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی منافق کی بہت سی نشانیاں بتائی ہیں مثلاً اِذَا اَوْثَقْنَا حَنَانَ جِبِّ اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ اِذَا خَاخَصَهُمْ فَجَرَ جِبِّ اس سے محضراً کرتا ہے۔ تو گالی گھونچ پر اُترا آتا ہے۔ اور اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ جب وعدہ کرتا ہے، تو خلاف ورزی کرتا ہے ایسا شخص اعتقادی نہیں بلکہ عملی منافق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاید کردہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ کو فسخ کر دیتے سمجھتے ہوئے انہیں بھانسیں لاتا۔ ایسے عملی منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔

مذہبِ احمد کی روایت میں حضورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اَلْقُلُوبُ اَرْبَعَةٌ یعنی دل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے متعلق فرمایا قَلْبٌ اَجْرَدٌ ایسا دل جو صاف و شفاف ہو، فرمایا اس کی مثال روشن چراغ جیسی ہے۔ جس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو۔

دل کی
چار قسمیں

دوسرا دل اعلیٰ ہے۔ جو غلاف میں بند کر دیا گیا ہو اور پھر اوپر سے دھاگے کے ساتھ
باندھ دیا گیا ہو۔ فرمایا تیسری قسم کا دل معکوس ہے یعنی اونڈھا ہے۔ اس کا سر نیچے اور چنیا اوپر
ہے۔ اور چوتھی قسم کا دل مصغیٰ ہے۔ یعنی دو سپلو والا دل۔

پہلی قسم کے دل کے متعلق فرمایا کہ صاف و شفاف دل مومن کا دل ہے۔ جس میں فداکاری
بالکل صاف اور واضح ہے۔ اس میں کوئی خرابی یا کسی قسم کی عیوب نہیں ہوتی۔ غلاف میں بند دل کے
متعلق فرمایا۔ یہ کافر کا دل ہے امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی
پرندے کو ایسے بجر سے میں بند کر دیا گیا ہو، جس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔ ایسا دل کافر، مشرک یا دہریے
کا ہوتا ہے۔ جس سے باہر دیکھنے کے لیے سونے کے برابر بھی سوراخ نہ ہو۔ کہ وہ اپنے خول سے
باہر حق کی بات کو دیکھ سکے۔ فرمایا اونڈھا دل منافق کا دل ہے۔ جس نے ایمان کو پہچان تو لیا ہے
مگر قبول نہیں کیا۔ محض اپنے بچاؤ کی خاطر کوئی فریب کاری کی ہے۔ مگر ہے پکا منافق۔ دو سپلو
دل، تو وہ ایسا ہے، جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ یہ عملی منافق ہے۔ جسے کسی مذمت یقین
بھی ہوتا ہے۔ اور کبھی متردد بھی ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ایمان کی مثال کَمَثَلِ الْبُقْلَةِ يُغَدِّهَا نَمَلٌ
الطَّيِّبُ اُس پوٹے کی ہے۔ جسے پاکیزہ پانی سیراب کرتا ہو۔ پوٹے کا بیج اچھا ہو، اُس کی
آبیاری بھی صاف پانی سے ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اُس کی نشوونما بھی اچھی ہوگی۔ نیز فرمایا کہ منافق کی
مثال انسانی جسم میں پیدا ہونے والے پھوڑے کی ہے۔ ایک طرف سے پیپ آتی ہے۔
تو دوسری طرف سے خون کا دورہ ہوتا ہے۔ گویا پھوڑے کی غذا خون اور پیپ ہوتی ہے۔ ان
میں سے جس چیز کا غلبہ ہوگی، تو مرہض ہلاک ہو جائے گا۔ اور اگر خون غالب آگیا۔ تو صحت یابی
ہو جائے گی۔ منافق میں دونوں قسم کے مائے پائے جاتے ہیں۔

دل کے حالات بہت مختلف ہوتے۔ یہ کبھی بچاں نہیں ہوتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ
بڑے پائے کے بزرگ ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قلب پر چھ قسم کی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

یعنی حیات اور موت۔ صحت اور بیماری، بیداری اور غیہ، فرماتے ہیں کہ قلب کی حیات ہدایت کی مروجہ منت ہے۔ اگر ہدایت نصیب ہو گئی ہے تو سمجھیں کہ دل زندہ ہے۔ اور قلب کی موت گمراہی سے واقع ہوتی ہے۔ فرمایا مَوْتُهُ الْخُلَّةُ دِل کی موت کا سبب گمراہی ہے۔ کسی قسم کی گمراہی دل میں پیدا ہو جائے۔ سمجھیں کہ دل مردہ ہو گیا، اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔

قلب کی صحت طہارت اور صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور طہارت کا حصول ایمان اور توحید کی بدولت ہے۔ کہ ایمان کے بغیر طہارت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس کے برخلاف قلب میں بیماری، کہ مدت گزرتے تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے: **يُؤْخَذُ لَا يَنْفَعُ هَالِكًا وَلَا بَاقٍ ۝۸۸ اَلَا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ** اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔ انہوں نے قیامت کے تذکرہ میں فرمایا۔ اُس دن نہ مال کسی کام آئے گا۔ اور نہ اولاد وغیرہ ہوگی، اہل جو قلب سلیم لے کر پہنچ گیا، اُس کو فائدہ ہوگا۔ اور قلب سلیم وہی ہے جس میں طہارت، پاکیزگی اور نور ایمان ہوگا۔

فرمایا دل کی بیداری ذکر الہی میں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے اس کا دل بیدار ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر غفلت کی غند طاری ہے قرآن میں جگہ جگہ آپ پڑھتے ہیں کہ اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

فرمایا منافق کی مثال ایسی ہے **اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ** جیسے آسمان سے بارش آتی ہے۔ صیغ کا معنی زور سے برسنے والی بارش ہے اور عربی زبان میں سماء آسمان کو بھی کہتے ہیں، فضاء کو بھی اور یہ لفظ بادل پر بھی بولا جاتا ہے، اسی طرح عربی زبان کے اعتبار سے چھت

بارش کی مثال

کو بھی سارے کہتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر سارے مراد بادل ہیں۔ کیونکہ بارش بادلوں میں سے برستی ہے ہو سکتی ہے اس کا تعلق آسمان سے بھی ہو۔ جس کو عام انسان اور سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تاہم بظاہر بارش کا تعلق بادلوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہاں پر آسمان کا لفظ فرمایا۔

فَرِيَا فِيهِ ظُلُمَاتٌ اَسْمٰی اذْ حَمِیْرٌ ہِیَ۔ ظاہر ہے کہ بارش کے دوران بادل چپکے ہوتے ہیں اور سورج غائب ہوتا ہے، اللہ کسی قدر اندھیرا ہوتا ہے۔ اللہ اگر ایسا رات کے وقت ہوا تو تاریکی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ سائے تک نظر نہیں آتے۔ جب قرآن پاک نازل ہوا۔ تو اس وقت ہر طرف کفر و شرک کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اندھیروں کے علاوہ فریاد و کُعدہ اس میں گرج بھی ہوئی ہے۔ فرشتے بادلوں کو ہلک کر لاتے ہیں۔ تو ان کے لئے گرج پیدا ہوتی ہے۔ اے اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرے معنی میں کفر و شرک پر وعید کو بھی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَرِیَا وَبَرْقٌ بَارِشٌ مِیْ اَکْثَرِ لَوْا تِیْ بَکْلِیْ ہِیَ مَکْتٰی ہِیَ۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ بادل آہیں میں دگڑھ کھاتے ہیں۔ تو بکلی بیدار ہوتی ہے۔ نیز اس کا معنی یہ بھی ہے کہ قرآن پاک میں بڑے واضح دلائل موجود ہیں جن سے حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دلائل بمنزلہ برق کے ہیں۔

منافقین کی
بے بسی

فَرِیَا اِنْفٰقُوْنَ کِمٰلَتِیْ ہِیَ کَرِیْجُوْنَ اَصَابِعُہُمْ فِیْ اَازِیْہُمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ اِنْفٰقِیْا تِیْا کِزٰکِیْ کِیْ خَوْفٌ سَیْہٰنَہُ کٰنُوْنَ مِیْ دٰسَہُ ہِیَ۔ جب بارش کے دوران بکلی چمکتی ہے۔ اور بادلوں میں گرج پیدا ہوتی ہے۔ تو دہشت کے لئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیتے ہیں۔ حَذَرَ النَّمُوْتِ کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ موت کے ڈرے کانوں میں انگلیاں ڈال دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ موت سے بھاگ نہیں سکے۔ کیونکہ وَاللّٰہُ یُحِیْطُ بِالْکٰفِرِیْنَ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہر طرف سے گھیرنے والا ہے۔ وہ پکڑنا چاہے گا تو فوراً گرفت کر لے گا۔ منافقین کا خوف و ڈر انہیں اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکا۔

فریادِ یگانہ السَّبُّوقُ یَخْطِفُ ابْصَارَهُمْ قَرِیبٌ هُوَ۔ کہ اللہ تعالیٰ ناراضگی کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو اچک لے۔ اور وہ اندھے ہو کر رہ جائیں۔ کُلَّمَا اَنْشَاءَ لَهُمْ مَشْرُوفٍ جِبِّ بَکْلٍ کی چمک پیدا ہوتی ہے۔ تو اس کی روشنی میں تھوڑی دُور چلتے ہیں وَاقِظًا اَخْلَصَ عَلَيْهِمْ قَلَمُؤُا اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اہم جلیل الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کفر و شرک کا ذکر فرمایا ہے اور یہ اندھیروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کان، آنکھیں، بصارت، قلب اور حواس عطا کئے۔ یہ سب اس کے انعام ہیں۔ اور ہدایت حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ یہ منافقین کس خیال میں پھرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتیں محسوس نہیں کرتا بلکہ فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمِيعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اَکْر اللّٰہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سماعت اور بصارت ہی زائل کر دے۔ یہ لوگ باطنی طور پر تو اندھے ہی ہیں۔ اللہ چاہے تو ظاہری طور پر بھی ان کی مبنائی ضائع ہو جائے اور قوت شنوائی سلب ہو جائے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ ان کے ذریعے ہدایت قبول کریں اپنے لیے کمال حاصل کریں تاکہ آئندہ زندگی میں ان کے کام آئیں۔ مگر یہ ان ذرائع کو غلط طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے صحیح طور پر استفادہ نہیں ہو رہا ہے۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنا عطا کیا ہوا انعام واپس لے سکتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ ان ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ تاکہ انہیں فلاح نصیب ہو۔

الْعَمَّ

البقرة ۲

دس دھم

(آیت ۲۱ تا ۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
 فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ
 بِهِ مِنَ الشِّجَرِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَشْدَادًا
 وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

قرجہ ۱۰ لے لو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اور
 ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گئے ہیں، تاکہ تم بھی باؤ (۲۱) وہی رب جس نے تمہارے
 لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا ہے۔ اور آسمان کی طرف سے پانی اتار ہے۔
 پھر اس پانی کے ذریعے پھلوں سے تمہارے لیے روزی نکال ہے۔ پس نہ ٹھہراؤ اللہ
 کے لیے شریک، اور تم جانتے ہو۔ (۲۲)

دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے انسانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سرفہرہ
 کی ابتدائی چار آیتوں میں ایمان والوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اگلی
 دو آیتوں میں ظاہر اور باطن انکار کرنے والے کفار کا حال اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ اس کے
 بعد تیسرے آیت میں منافقین کا حال تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان کی چال بازی۔ دھوکا بازی
 فریب کاری، ریشہ دوانی، ظاہر و باطن میں تغاوت، فساد فی الارض اور غلط عقیدے کا رد ہے۔
 پھر اس کی وضاحت و مثالوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ ایک آگ کی مثال اور دوسری پانی کی۔
 منافقین کا انجام بھی بیان ہوا ہے اور تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

اب تیسرا رکوع شروع ہو رہا ہے۔ یہاں سے تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ حضرت
 عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں بھی يَا أَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب ہے

لے تغیر منظری ص ۲۵

دہاں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں اکثر و بیشتر وہی لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ اور جہاں پر **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ ان سے مراد اہل مدینہ ہیں۔ کہ انہوں نے برضا و رغبت ایمان قبول کیا۔ اور اسلام کی مرکزیت کے لیے پیغمبر قربانیاں دیں۔ تو یہاں پر **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** کے مخاطب دنیا کی تمام اقوام اور تمام بنی نوع انسان ہیں۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے، ان سے براہ راست خطاب ہے۔ اور جو بعد میں آنے والے ہیں انہیں اہل ایمان کے واسطے سے مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لَا تَنْذِرُ كَثِيرًا** کہہ دیجئے کہ میں نے اس قرآن پاک کے ذریعے تمہیں بھی تمہارے خطرناک انجام سے آگاہ کر دیا۔ اور جن لوگوں تک کہ قرآن پہنچے گا انہیں بھی متنبہ کر دوں گا۔ مگر میں سب کو ان کے بُرے انجام سے ڈرا رہا ہوں۔

اس رکوع میں قرآن کریم کے چار اہم اور عمدہ مضامین کا تذکرہ ہے۔ سب سے پہلے توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں، لہذا اس کے بغیر جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ قرآن پاک کا دوسرا اہم مضمون رسالت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مد کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ تیسرا مضمون خود قرآن کریم اس کی حقانیت اور اس کا وحی الہی ہونا ہے۔ جسے قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔ انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور اس کا واحد ذریعہ وحی الہی ہے۔ کیونکہ یہاں پر انسانی عقل دشویر کام نہیں کر سکتی۔ انسان ہمیشہ علم کی روشنی میں ترقی کرتا ہے اور ذرائع علم میں سب سے اہم، قطعی اور آخری ذریعہ وحی الہی ہے۔

اس رکوع میں چوتھے اہم مضمون معاد کا ذکر ہے۔ قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ اچھے اور بُرے نتیجے کا دار و مدار روز قیامت پر ہے۔ اس روز تمام چیزیں اپنی اصلی حالت میں ظہور ہوں گی۔ نیکی اور بدی میں امتیاز ہوگا۔ اور انسان اس کے نتیجے میں ذمہ داری سے دوچار ہوگا۔ لہذا یہ اہم مضمون بھی بیان ہوا ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو توحید پر کاربند ہونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ**۔ اے انسانو! اپنے رب

چار اہم
مضامین

توحید

کرنا استدعا سے باہر ہے۔ کیونکہ لَا فِكْرَةَ فِي التَّوْبَةِ رَبِّ كِي دَات میں فک نہیں ہو سکتا۔
 کہ یہاں تک عقل و شعور کی رسائی نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پہچان اس کی پیدا کردہ اشیاء
 میں غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اس کی صفات مجھ میں آجاتی ہیں۔ تو اس کی ذات کی
 معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حکم یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور و فکر
 کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کی رحمت
 اور اس کی ربوبیت سب کچھ مجھ میں آئے گا۔ اور اس طرح خود اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل
 ہو جائے گی۔

حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا: تم ایک ایسی قوم
 کے پاس جاؤ، جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا
 شَهِادَةُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ یعنی سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ
 وحدہ لا شریک ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بزرگ و رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا
 فَاِذَا هُمْ عَرَفُوْا ذٰلِكَ جِبْ دِہ اس کو پہچان لیں تو پھر انہیں نماز، روزہ اور دیگر احکام کا
 حکم دینا۔ گویا سب سے پہلے معرفت الہی اس کے بعد رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اللہ باقی باتیں بعد
 میں بتاتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا ہے: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ"
 انہوں نے تو خدا کے مرتبے کو بھی نہیں پہچانا ہے۔ جس طرح کہ پہچاننے کا حق ہے اگرچہ یہ لوگ
 اہل کتاب اور صاحب علم ہیں۔ بڑے بڑے فلاسفہ ہیں۔ مگر رب کی صفت کو نہیں پہچان سکے۔
 اگر اس کی صفت کو پہچان لیتے تو پھر شرک کا ارتکاب نہ کرتے۔ عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ کہتے۔
 مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کا خطاب نہ دیتے اور حضرت مریم علیہا السلام کو اور خدا نہ کہتے۔ غرضیکہ
 بندے اور خدا کو ایک نہ کر دیتے۔ انہیں تو پہچان ہی نہیں ہو سکی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں
 پہچان کرائی ہے۔ کہ جب اللہ کی صفت کو پہچان لو گے تو اس کی عبادت ہوگی۔ اور اگر اس کی معرفت

ہی حاصل نہیں ہوتی کہ وہ کن صفات کا مالک ہے۔ تو عبادت کس کی کر دے۔

فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِبُدُوا رَبَّكُمُ سے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو الَّذِي خَلَقَكُمْ وہ رب جس نے تم کو وجود کی نعمت بخشی۔ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم بچ جاؤ۔ لَعَلَّ توجہی کے لیے ہوتا ہے اور توجہی کا معنی ہے امید۔ لیکن اہم مبادلہ الہی کی سیڑھی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں لَعَلَّ کا لفظ تحقیق کے لیے آتا ہے۔ تاکہ تم بڑے انجام اور کفر شرک سے بچ جاؤ۔ تَتَّقُونَ یعنی متقی بن جاؤ۔ اس رب کی پہچان کرنے کے بعد اس کی عبادت کرو۔ خَلَقَكُمْ میں صفت ایجاد کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسان کو عدم اور نیستی سے پیدا کیا ہے جس کے متعلق فرمایا لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا ذَكَرْ کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اُسے عدم سے وجود میں لایا۔ لہذا اپنے رب کی عبادت کرو۔ جس نے وجود جیسی نعمت عطا کی۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت سے متعلق احادیث میں بہت سے احکام موجود ہیں۔ ترمذی شریف اور منہ احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ لوگوں کو ان باتوں کی تبلیغ کرو۔ سب سے پہلی بات یہ کہو کہ إِنَّ تَعْبُدُوا وَهُوَ لَا تَشْكُرُوا بد شئی اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ مَتَدَرَجِلٌ بشتری عبدا کہ کوئی شخص غلام خریدے۔ وہ یہ یا سونا چاندی غلام خریدنے پر خرچ کرے۔ پھر اس غلام کو کام پر لگا دے۔ اور غلام مزدوری کر کے جو معاوضہ حاصل کرے وہ اپنے مالک کی بجائے کسی دوسرے شخص کو دے دے۔ فرمایا يَشْكُرُهُ میرضی نہ یشکون عنہ کڈھو اس قسم کے غلام سے کون راضی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا مالک وہ ہے۔ اُس کی خوراک یا لباس اور رہائش کا بندہ دست دہ کر رہا ہے۔ مگر غلام دن بھر کی کان مالک کی بجائے دوسروں کو دے دے آتا ہے۔ فرمایا مشرک کا حال بھی یہی ہے کہ تمام نعمتیں اور ان کے اسباب اللہ تعالیٰ نے مہیا کیے ہیں۔ مگر وہ تعظیم غیز کی کرتا ہے۔ یہ مشرک اس ملک حرام عدم

کی طرح ہے۔ جو اپنی کمائی دوسروں کے گھر میں ڈال آتا ہے۔

الغرض فرمایا رب تعالیٰ کی پہچان نشانوں سے ہوتی ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں۔ ایک روبریت اور دوسری خالقیت۔ اگر انسان غرور و فخر کر کے ان صفات کو پہچان لیں گے۔ کہ یہ صفات خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ تو پھر وہ عبادت بھی اُسی ہی کی کریں گے۔

دجود الہی پر دلائل

امام ابن الرشید نے اہم مالک صاحب سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے وجود پر کوئی دلیل بتلائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ انسان کی مختلف بریاں، مختلف آوازیں، مختلف لہجے اور مختلف نغمے خود خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ دنیا میں چار ہزار مختلف بریاں برلی جاتی ہیں کیا یہ وجود الہی پر کچھ کم دلیل ہے۔

اہل سنت کے چار اماموں میں سے اہم ابوحنیفہ اور اہم مالک بڑے اہم ہیں۔ اہم شافعی اور اہم احمد ان کے شاگرد ہیں۔ یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ پھر ان چاروں میں سے اہم ابوحنیفہ اہم اعظم ہیں۔ ان کا مرتبہ زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے تقریباً آٹھ صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ یہ سعادت کسی دوسرے اہم کو حاصل نہیں۔ آپ صحابہ کرام کے زمانے سے قریب تر ہیں۔ آپ کی ولادت شام میں ہوئی۔ جب کہ صحابہ کرام شام تک دنیا میں موجود تھے۔

انہیں اہم اعظم کا واقعہ ملے۔ کہ دھریوں اور زمینوں کی ایک جماعت آپ کے مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہوئی۔ ان کا دعوئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود یا ہستی نہیں ہے بلکہ کائنات کا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ جب انہوں نے اہم صاحب سے گفتگو کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ مُفَكِّرٌ فِیْ اُمُورٍ فِیْ غَرَضٍ فِیْ رِیَاسَتِیْ۔ اور بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی خود بخود دریا میں چل رہی ہے۔ اس کو چلنے والے کوئی ملاح اس میں نہیں ہے۔ مگر یہ پانی کی موجوں کو چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ اور واپس آرہی ہے۔ وہ کتنے گئے۔ یہ کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔ مبتلا

کون مقلد کہہ سکتا ہے۔ کہ کشتی بغیر کسی چلانے والے کے خود بخود چل رہی ہے۔ یہ من کر اہم صاحب فرماتے گئے۔ وَيَخْلُقُكُمْ تَمَّ بِأَفْرَسٍ ہے۔ کہ جب ایک معمولی کشتی چلانے والے کے بغیر چل نہیں سکتی۔ تو تمام کائنات، عالم سفلی اور عالم علوی اور جو کچھ ان کے اندر ہے۔ کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ کوئی اس کا محرک نہیں ہے۔ اس حاضر جوابی سے تمام دہریہ ماسب ہو گئے اور اہم صاحب کے ہاتھ پر ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔

کسی نے اہم شافعی سے عرض کیا کہ حضرت! وجود الہی پر کوئی دلیل لائیں۔ اتفاق کی بات کہ سامنے قوت کا درخت تھا۔ اہم صاحب فرماتے گئے۔ یہ قوت کا درخت خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہے۔ دیکھو اس درخت کے پتوں کا ذائقہ، مزہ اور بو یکساں ہے۔ مگر ریشم کا کپڑا اس پتے کو کھا کر ریشم نکالتا ہے۔ شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرتی ہے۔ بکری کھائے تو مینکناں نکالتی ہے۔ اور ہرن کھائے تو کستوری پیدا ہوتی ہے۔ بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کا کام نہیں تو اگر کس کا کام ہے۔ پار مختلف چیزیں ایک ہی پتہ کھاتی ہیں اور ان سے مختلف چیزیں نکلتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ کاش ہمارے کہ پاروں چیزیں کو الگ الگ پیدا کرتا ہے۔

اہم احمد سے بھی کسی نے یہی سوال کیا۔ فرماتے گئے کہ انڈیا قلعہ کی مانند ہے۔ اوپر سے سفید اور پکن اور اندر سے سونے کی طرح زرد ہے۔ یہ اچانک پھٹتا ہے۔ تو اس سے سورج وغیرہ نکلے گا۔ یہ خوبصورت جانور کون نکالتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سوا اور کیسے۔ اللہ تعالیٰ کی ان ہی صنوعات پر غور کرنے سے اس کی قدرت، حکمت، خالقیت اور ربوبیت کے دواغ مجھ میں آتے ہیں۔ لہذا اگر خدا تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آگئی۔ تو پھر عبادت بھی ٹھکانے لگے گی۔

فرمایا الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وہ خدا تعالیٰ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ زمین کی ساخت اس طرح کی ہے کہ نہ دلال کی طرح نرم اور نہ

پتھر کی طرح سخت۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا معتدل بنایا ہے کہ انسان اپنی تمام ضروریات
 اسی سے پوری کرتا ہے۔ اسی پر پتے پھرتے ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ مکان بناتے
 ہیں، غرض زمین کو کمال درجے کا فرش بنایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَكُمْ تَشَقُّونَ ۖ ۝۲۱ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَرْعًا وَالسَّمَاءَ
بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَخْرُجُ بِهِ مِنَ الشَّجَرِ نَضْرَاجًا
فَكَثِفَ لَكُمْ بِهِ جِبَالًا ۖ ۝۲۲ وَجَعَلَ لَكُمُ الْيَمْنَ

تو جس جہم بنے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی، جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اور ان
لوگوں کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں، تاکہ تم بھی جاد ۝۲۱ وہی رب جس نے تم سے
یہ زمین کو فرش اور آسمان کو محبت بنایا ہے اور آسمان کی طرف سے پانی اتار ہے
پھر اس پانی کے ذریعے پہاڑوں سے تھامے لیے روزی نکال ہے۔ پس نہ ٹھہراؤ
مشتعلیٰ کے لیے شرک اور تم جانتے ہو ۝۲۲

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَكُمْ تَشَقُّونَ ۖ ۝۲۱
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں: اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ وَجَدُ
اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اور مغسورین کو ہم فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ
کی تفسیر دو طریقے پر ہے۔ وَجَدُ وَاللہ میں توحید کا لفظ پہلے بیان کیا۔ کیونکہ توحید عبادت کے
لیے شرط ہے۔ اگر توحید ہوگی۔ تو عبادت بھی کارآمد ہوگی۔ ورنہ کوئی عامہ نہیں جس طرح نماز کے
لیے طہارت شرط ہے۔ یعنی طہارت کے بغیر نماز اور نہیں ہوگی۔ اسی طرح توحید کے بغیر عبادت
نہیں ہوگی۔ تفسیر کے دوسرے طریقے میں وَجَدُ وَاللہ کا معنی یہ کیا ہے۔ کہ عبادت صرف
ایک خدا کے لیے کرو۔ یہ توحید فی العبادۃ ہے۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے لیے عبادت
ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ ایسا کفر، شرک اور حرام ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے قوی دلائل موجود ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جو مطلق اور قادر ہے۔ اس کی صفات کا ذکر ہے۔ کہ اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ نہ اس کا کوئی نہ یعنی مقابل یا شریک ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے۔ وہ ایسی اعلیٰ ذات ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

دلائل توحید کے تعلق فرمایا کہ آسمان کی بندی پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بغیر ستون کے قائم کیا ہے۔ اس بات کا اشارہ سورۃ رعد میں کیا گیا ہے: **بَعَثْنَا سِدْرًا وَهَبًا**۔ اے تم بغیر ستون کے دیکھ رہے ہو۔ دنیا میں کوئی چھت بغیر ستون کے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے آسمان جیسی عظیم الشان چھت کو کھڑا کیا ہو ہے۔ لطف یہ ہے کہ جب سے اے قائم کیا ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آیا۔ جب تک چلبے کا آسمان کو اسی حالت میں قائم رکھے گا۔ اور جب چلبے کا اٹھے گا پھوٹے گا۔ اور یہ درہم بہم ہو جائے گا۔ اسی بات کو دوسری جگہ یوں بیان کیا **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ رُفُوفًا مَّخْفُوفًا** **وَقَدْ عَنَّا** **أَيُّهَا مَعْصِرُ الصُّوَرِ** دیکھو! ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ مگر لوگ ہماری ان نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

دلائل توحید کے سلسلے میں زمین کو دوسری دلیل کے طور پر پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اے کیسا ثبات بخشا ہے۔ اہم ابو جبر جہاں فرماتے ہیں کہ زمین کے اوپر بھی ہوا ہے اور نیچے بھی ہوا ہے۔ اور اے فضا میں بغیر کسی سائے کے قائم کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے۔ لفظ خلق کی تشریح کل (گنہ شدہ) میں بیان کر دی تھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **خَلَقَكُمْ** **وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ** یعنی وہ ذات جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ پھر فرمایا **أَسْرِبْ** **الَّذِينَ جَعَلْنَا** **لَكُمْ** **زُرُوعًا** **وَزَاثًا** جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا۔ فرش۔ بستر۔ وہی چٹائی وغیرہ کہتے ہیں جس پر انسان آرام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش کے ساتھ اسی طرح تعبیر کیا ہے۔

جیسا پاڑوں کے متعلق فرمایا: **وَالْجِبَالُ أَوْتَادُ**۔ یعنی پہاڑوں کو کیل بنایا۔ اور سورج کے متعلق آتا ہے: **وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا**۔ سورج کو اللہ تعالیٰ نے چراغ بنایا۔

اہم البوجہ جس میں فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں فرشتہ پر نہیں سوؤں گا۔ اور وہ زمین پر سو جائے۔ تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بھی فرشتہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف عام میں فرشتہ، پارہائی، درمی، قالمیں یا چٹائی کو کہتے ہیں۔ زمین کو نہیں کہتے۔ اس لیے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں چراغ کی روشنی میں نہیں بیٹھوں گا۔ یا نہیں پڑھوں گا اور وہ سورج کی روشنی میں بیٹھ کر پڑھے، تو بھی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ حالانکہ سورج کو بھی اللہ تعالیٰ نے چراغ کہلایا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ عزت عام میں چراغ کا غلطیہ یا لالٹین بولا جاتا ہے۔ سورج پر نہیں بولا جاتا۔ لہذا سورج کی روشنی میں اس کے لیے پڑنا مباح ہوگا۔

ابو الحسین قدوری فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ مگر وہ پھلی کھائے، تو اس کی قسم قائم ہے گی۔ حالانکہ پھلی بھی گوشت ہی کی ایک قسم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود اسے **لَحْمًا حَرِیًّا** یعنی ہارو گوشت فرمایا ہے۔ یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے۔ عزت عام میں گوشت کا اطلاق گائے بھینس یا بھیڑ۔ بڑی وغیرہ کے گوشت پر ہوتا ہے۔ پھلی پر نہیں ہوتا۔

قرآن پاک کی اولین دعوت اللہ **وَاحِدًا** لا شریک کی عبادت ہے۔ اس مسئلہ میں تمام آسمانی کتب متفق ہیں۔ کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے۔ قرآن پاک جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی عبادت سے منع بھی کرتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو۔ تو عبادت کو ربوبیت پر مرتب فرمایا۔ گویا ربوبیت عبادت کی علت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی لیے کہ وہ رب ہے۔ اگلی آیت میں ربوبیت کی تشریح بیان کر دی گئی ہے کہ اس نے تم پر ایسے ایسے انعام کئے ہیں۔ لہذا اس کی عبادت ضروری ہے۔ ربوبیت

کے سلسلہ میں سب سے پہلے صفت خلق کا ذکر ہے۔ اور پھر ظاہری، باطنی، علمی، اور عقلی ہر قسم کے انعام کا بیان ہے۔ اس ضمن میں قرآن پاک بھی ایک بہت بڑا انعام ہے۔ اس کے چار عمدہ مضامین یعنی توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد کا ذکر ہو چکا ہے۔

عبادت کے وقت صرف
ذات باری تعالیٰ ہے

فرمایا اُس رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ جب انسان اپنے باپے میں غرق کرے گا تو اُسے معلوم ہو گا کہ پہلے وہ موجود نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا۔ نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے آباؤ اجداد کو بھی پیدا فرمایا "وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ" تم سے پہلے تمام لوگوں کا خالق۔ جسے اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ خالق وہ ہے باقی سب مخلوق ہیں۔ عاجز اور محتاج ہیں۔ انسان اس قدر بے بس ہے کہ اُس کے جسم کی کھال کا کوئی حصہ اتر جائے تو ساری مخلوق مل کر بھی اُسے وہ کھال دیا نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں نہ جنات کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ فرشتے۔ نہ نیک انسان کسی کام آسکتے ہیں۔ اور نہ بد انسان یا کسی دوسری مخلوق میں کوئی بھی عبادت کا سہم نہیں۔ مگر یا کسی چیز میں ایسی صلاحیت موجود نہیں جس کی بنا پر اس کی عبادت کی جائے۔ لہذا عبادت صرف اسی ذات اقدس کی ہو سکتی ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔ یعنی جس کا وجود خود بخود ہے جو خالق۔ رب، علیم کل، قادر مطلق، مختار مطلق اور نفع و نقصان کا مالک ہے۔ جو ازلی و ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ باقی ہر چیز حادث اور فانی ہے۔ "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" ہر چیز باطل ہو جائے گی۔ یا فنا ہو جائے گی۔ دوام اور بقا صرف اس ذات اقدس کے لیے ہے۔ جو محسن اور منعم ہے۔ جو سمیع و بصیر ہے لہذا عبادت بھی اسی کی ہو سکتی ہے۔

فرمایا عبادت کرنے کا فائدہ یہ ہو گا "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" تاکہ تم خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تقویٰ بچاؤ کو کہتے ہیں کہ اگر اس کی عبادت کرتے رہو گے تو بچ جاؤ گے ورنہ اس کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عبادت الہی کو لازم پکڑو گے تو دنیا میں بُرائی سے بچ جاؤ گے۔ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہو گے۔

زمین کے فوائد

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَرْضًا وَالْأَنْشَارَ دُخَانًا وَمَنْ فِيهَا حَبْلٌ وَمَنْ فِيهَا حَبْلٌ

جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش کے طور پر بنایا۔ ایسا فرش جو نہ بکتر کی طرح سخت ہے اور نہ پانی کی طرح بالکل نرم یہ ہوا کی طرح لطیف بھی نہیں بلکہ بالطبع اس کو خشک بنایا۔ تاکہ یہ

دوسری چیزوں کے ساتھ مل کر سفید مرکب بن سکے۔ اور لوگوں کے کاروبار ٹھیک طور پر چل سکیں۔
 اس زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں ودیعت کی ہیں۔ کرۂ ارض کے مختلف
 حصوں کی زمین مختلف ہے۔ یہ بھی ایک نعمت خداوندی ہے "وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَعَدِّدٌ" زمین
 کے ٹکڑے الگ الگ ہیں۔ رنگت کے اعتبار سے کوئی حصہ سفید ہے۔ اور کوئی حصہ سیاہ ہے۔
 "وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُمْ" کہیں سرخ گھاٹیاں
 ہیں اور کہیں سیاہ پتھر ہیں۔ وضع قطع میں واضح اختلافات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں روزیہ گی کی صلاحیت بھی رکھی ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ لکھا
 ہے "وَالْأَرْضُ ذَاتِ الصَّدَجِ" قسم ہے زمین کی جو پھٹ کر پودے اور نباتات کو باہر
 نکالتی ہے پانی کو اپنے اندر مہذب کر کے محفوظ رکھتی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی
 اتارتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا "فَسَلَّكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ" پھر اس کو زمین میں
 نالیوں اور چشموں کی شکل میں چلاتا ہے۔ ضرورت کے وقت چشمے یا نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔
 یا کنویں کھود کر پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ جس سے انسان، جانور اور کھیتیاں یکساں طور پر مستفید ہوتے
 ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں کرم و سخاوت کا دوا دہ رکھا ہے۔ کہ اس میں ایک دانہ پیسٹو
 یہ سٹودنے لڑائے گی۔ اس پر خود قرآن شاہد ہے۔

زمین میں انسان ہر روز موت و حیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا "وَالْيَوْمَ
 لَهُمْ الْأَرْضُ الْمَیْتَةُ" آج یہاں دیکھتے نہیں کہ زمین بالکل مردہ یعنی خشک
 ہوتی ہے۔ پھر اس کو ہم زندہ کر دیتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ لوگ ہر موسم میں کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ
 کی قدرت اور قیامت کا نقشہ انسان کی نگاہ میں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین
 میں مختلف قسم کے جانور پیدا کیے "وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ" جنہیں انسان شمار
 تک نہیں کر سکتا۔ پھر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف طبقات میں مختلف قسم کے پتھر رکھ
 دیے جن میں بڑے بڑے قیمتی اور معمولی سے معمولی ہر قسم کے پتھر انسانی ضروریات کے لیے موجود ہیں۔
 زمین کی افادیت کے متعلق مزید فرمایا "خَلَقْنَا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"
 اے انسانو! تمہارے ہی فائدے کے لیے زمین کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ ذرا غور کرو۔ پتھروں

میں عقیق اور یا قوت بھی ہے۔ اور زمرہ اور ہیرا بھی۔ نفیس مرمر اور سنگ خارا بھی ہے۔ جٹک مرغ بھی ہے اور ساق بھی ہے۔ پھر یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے وسیع کانیں رکھ دی ہیں۔ کہیں سونے کی کان ہے۔ اور کہیں چاندی کی کہیں سے تانبا نکل رہا ہے۔ اور کہیں سے لوہا کہیں سے پٹرول برآمد ہو رہا ہے۔ اور کہیں سے کسی اور تیل کے چشتے اُبل رہے ہیں۔ صنعت و معرفت کا سارا دار و مدار انہیں کانوں پر ہے۔ اگر زمین یہ چیزیں میاں کرے۔ تو تمام کارخانے بند ہو جائیں اور پوری دنیا افراغ فری کا شکار ہو جائے۔

یہ بڑے بڑے پہاڑ اور سلسلہ ہائے کوہ ہزار زمین پر ہی قائم ہیں۔ جن کے ساتھ انسان کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔ سورۃ حجر میں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو اس لیے پیدا کیے تاکہ تمہاری زمین کا توازن قائم رہے۔ اور یہ مضطرب نہ ہونے پائے۔

فرمایا اُس رب کی عبادت کرو جس نے آسمان کو چھت بنایا وَالسَّعَادَاتُ بِأَمْرِ رَبِّهِ بھی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دیکھو! روشنی کے لیے مہتاب اور آفتاب کو آسمان میں ہی رکھا ہے۔ اس میں ستارے اور سیارے بھی ٹکائے ہیں۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال کے صعود کی جگہ آسمان ہے۔ اور ادھر سے نزول و کمی کا مقام بھی آسمان ہے فرمایا وہی رب وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً جس نے آسمان سے پانی اتارا اور جس کے نتیجے میں فَنَخْرُجُ بِهِ مِنْ الثَّمَرَاتِ بِذِقَاتٍ یعنی پانی کے ذریعے زمین سے پھلوں کو نکالا جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہیں۔ اگر آسمان سے پانی نازل نہ ہو۔ تو کھیتی باڑی نہ ہوسکے۔ درخت سوکھ جائیں۔ اور نہ کوئی فصل پیدا ہو اور نہ کوئی پھل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُسی رب کی عبادت کرو جس نے پانی اتار کر یہ تمام نعمتیں تمہارے استفادہ کے لیے پیدا فرمائیں۔

آسمان اور پانی کی نعمت

یہ سب نعمتیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا فَلَا تَجْحَدُوا لِلَّهِ اُنہی کا جب یہ تمام انعامات اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔ تو پھر اُس کے لیے ہند نہ ٹھہراؤ، اس کا شریک نہ بناؤ۔ نہ کافعلی معنی ہے۔ مثل المساوی مع اصطلاحاً نہ اس کو کہتے ہیں۔ جو ذات اور جوہر میں شریک ہو۔ جبریر کا شریک ہے۔

لفظ نہ کا معنی

اَتَيْنَا جَعَلُوْنَ اِلٰى رِنْدٍ وَهٰذَا نَبِيٌّ مِّنْ رَّبِّكَ
 تم نبی تیم کو میرا شریک بناتے ہو۔ حالانکہ نبی تیم تو کسی شریف آدمی کے شریک نہیں بن سکتے
 وہ تو کھینے آدمی ہیں۔

ایک بندہ ہے اور ایک شہید ہے۔ شہید یا شاہد اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو کیفیت میں
 برابر ہو جیسے گرمی، سردی، بجتی، زمی وغیرہ۔ اسی طرح جو چیز طول، عرض اور عمق میں برابر ہو۔
 اسے مشکل کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مت ٹھراؤ، کیونکہ خدا تعالیٰ
 کے سوا واجب الوجود کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی عظیم کل اور قادر مطلق نہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں
 جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ مگر تم جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نہ ٹھراتے ہو۔
 آج دنیا میں خدا تعالیٰ کے مقابل اور شریک ٹھراے والے بیشمار لوگوں کی موجود ہیں۔ ثنوی
 مذہب والے وہ خدا ماننے ہیں۔ ایک نیکی کا دوسرا برائی کا۔ ایک کا نام یزدان رکھا ہے۔ اور
 دوسرے کا نام اہرمین۔ ان کے نزدیک ایک شریک کا خدا ہے۔ اور دوسرا خیر کا۔ تو یہ کا خدا ہے
 اور ظلمات کا اور ہے۔ حالانکہ سورۃ انعام میں پڑھیں گے: حَبَّلَ الظُّلُمَاتِ وَاَسْوَدَ
 یعنی ظلمت اور نور اُسی وعدہ لا شریک لہ کے پیدا کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں
 اور یہ وہی ذات ہے جس نے خود نہیں بھی پیدا کیا ہے۔

بعض لوگ ستاروں میں مستقل تاثیر کے قائل ہیں۔ ایسے لوگ نیک نیتی اور بے نیتی اور ترقی و
 تنزل کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ صابلی فرقہ کے لوگ ہیں۔ جو ستاروں کو اللہ تعالیٰ
 کا نہ ٹھہراتے ہیں۔

بعض لوگ اصحابِ قبر سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ اور اس طریقے سے خدا کا نذر
 ٹھہراتے ہیں۔ بعض لوگ پیروں کو ہر حالت میں مستجاب الدعوات سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ
 خدا چاہے راضی ہو یا ناراض پیر ہر حالت میں سنا دے۔ آج کل پیر پرست لوگوں کا یہی عقیدہ
 ہے۔ کہ پیر کا دامن پکڑ لیا ہے۔ بس پیر ہو جائیں گے۔ کسی نیکی ہی کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ اس
 قسم کی سنا دے کو قرآن پاک نے جبری سنا دے سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ لَا يَسْمَعُونَ
 اِلَّا لِحَبْنِ اَرْضٰی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی جبری سنا دے نہیں ہوگی۔ سنا دے کی اجازت اُسے

ہوگی جس سے خدا تعالیٰ راضی ہوگا۔ اور جس کا عقیدہ خدا تعالیٰ کو پسند ہوگا۔ چونکہ کفر و شرک اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود عقائد ہیں۔ لہذا کسی مشرک کی سفارش ممکن نہیں ہے۔ یہ نہ ٹھہرانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

شرک فی اثبت بعض لوگ مشیت میں شرک کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ایک شخص نے کہا مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا سَيِّئْتُ تَوَّابٌ نے فرمایا أَجَعَلْتُ حَتَّىٰ لِلَّهِ بِنْدًا کیا تم نے مجھے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ قُلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَخُذْهُ كَوْنُ جُورِ مَنْ شَرَّكَ تَعَالَىٰ چاہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ وَمَا تَشَاءُ وَمِنْ أَتَىٰ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ تم اس وقت تک نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ البتہ بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ کَوْنُ مَا شَاءَ اللَّهُ جَوْرًا ہے۔ اس کے بعد جو تمنا ارادہ ہے اس کے مطابق عمل کرنا شرک سے بچ جائے۔

شرک فی العادۃ شاہ اسماعیل شیعہ اور دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ شرک عبادت میں بھی ہوتا ہے۔ اور عادت میں بھی ہوتا ہے۔ شرک فی العادۃ کی مثال زنا کا دھاگا ہے۔ جو بندہ یا جو کسی اپنے جسم کے ساتھ باندھتے ہیں۔ عیسائی صلیب باندھتے ہیں۔ یہ بھی شرک فی العادۃ ہے۔ حضور علیہ السلام نے صلیب کو کفر کی نشانی بتایا ہے۔ اسی لیے فرمایا اَطْرَحُ عَنْكَ هَذَا الْوُثْنُ اُسے اتار دو، یہ بُت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کی شکلی اس لیے ہوگی کہ یہ کفر کی نشانی ہے۔ اور وہ بھی نبی کے نام پر۔ اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ کہ عیسائیوں نے اُسے بکری کی طرح حلال قرار دے لیا ہے۔ حالانکہ یہ کسی نبی کی شریعت میں حلال نہیں ٹھہرا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے ہیں۔ سب کی شریعتوں میں خنزیر حرام ہی رہا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۱، اور منثور ص ۳۵۰، ۲۔ تقویۃ الایمان ص ۹۱۰، ۳۔ ترمذی ص ۱۱۱

۴۔ بخاری ص ۱۱۱، ۵۔ حجتہ اللہ البابۃ ص ۱۱۱

بعض لوگ بچکے کے سر پر چوٹی رکھ کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ چوٹی فلاں بزرگ یا فلاں خواجہ کی رکھی ہے۔ اگر یہ چوٹی نہ رکھتے تو کچھ مر جاتا۔ یہ صریح اور جلی شرک ہے۔ بعض لوگ بوسیسوں کے نوروز یا عیائوں کے بڑے دن کی تعظیم بجا کر شرک کرتے ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ ایسے مواقع پر جو تختہ میں پھول، بار، ڈالی یا کوئی اور بد پریش کو رکھا اور تعظیم کریا تو شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔ بعض مشائخ نے کفر تک کا فتویٰ لگایا ہے۔

کچھ لوگوں کے اندر مذہب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے تعرب کے لیے مذہب دینا دیتے ہیں۔ ہم ہر مذہب مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبروں اور زیارتوں پر کس طرح اور کس نام کے عرس منعقد ہو رہے ہیں۔ یہ سب بدعت اور بعض شکلوں میں شرک ہے۔ بعض لوگ غیر اللہ کی قسم اٹھا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور کچھ غیر اللہ کے نام پر نیچے کا نام رکھ کر شرک کرتے ہیں۔ جیسے عبدالمصطفیٰ، حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عبد اللہ یا عبد الرحمن وغیرہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے۔

بعض لوگ استعانت طلب کرنے میں شرک کرتے ہیں معنی غائبانہ طور پر مانق اسباب قبروں واسے بندہ گوں اور اولیاء سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ ”وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ خدا تعالیٰ کی ذات ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اُس سے مدد طلب کرو۔ تم غائبوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو۔ جن کا کوئی اختیار نہیں۔ ان کو تو یہ بھی علم نہیں کہ تم کس تکلیف میں مبتلا ہو۔ چہ جائیکہ ان کے آگے دست سوال دراز کرو۔

بعض لوگ جائز زین کر کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کے ساتھ کچھ اور اضافہ کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جیسے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ مُحَمَّدٍ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ فُلَانٍ یعنی فلاں بزرگ یا فلاں پیر کے نام پر۔ ایسی صورت میں جائز سرے سے مُردار ہو گیا۔ فقہائے کرام نے اسے بسم اللہ میں شرک قرار دیا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو شیگون لے کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں بخیر علیہ السلام

لے فرمایا الْقَبِيْرَةُ شُرْكٌ شُكُونٌ لَیْسَ شُرْكٌ كِی بات ہے۔ بعض لوگ غیب کی خبریں معلوم کرنے کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کابن، سنیا سی، بخاری، دست شناس یا جادو کے پاس جا کر پوچھتے ہیں۔ اور ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی خبروں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اپنی جیب سے پیسے دیکر شرک خریدنے کے مترادف ہے۔

بعض لوگ تعویذ گزٹے کی شکل میں شرک کرتے ہیں۔ تعویذ گزٹے کر لے والے اکثر غلط کار لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پڑھ کر دم کرے یا کھ کرے، تو جائز ہے۔ وگرنہ یہ لوگ ٹوٹے جن کے ساتھ طریح طرح کی شرائط وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ سب شرکیہ یا بدعت اور معصیت کی باتیں ہیں۔

بعض لوگ غیر اللہ کو غائبانہ طور پر پکار کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیکھا اللہ یہ مذاکا شرک ہے۔ اور پھر ان سے حاجتیں بھی طلب کر لے ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں کہ دیکھو! ایسے لوگ کتنی غلط بات کرتے ہیں کہ بندے کو اصل ٹھہرا دیا۔ اور خدا تعالیٰ کو واسطہ بنا دیا۔ اگر اس کا الٹ کر دیتا تو درست تھا۔ یعنی یا اللہ شیکھا للشیخ عبد القادر جیلانی۔ اے مولا کریم اب شیخ عبد القادر جیلانی کے واسطے اور ان کے طفیل سے میرا یہ کام کر دے۔ مگر اس شخص نے شیخ عبد القادر جیلانی کو مستحق بنا کر اللہ تعالیٰ کو واسطہ کے طور پر پیش کیا۔ اور اس کے ساتھ توہین کا بھی مرتکب ہوا۔ غیر سے امداد طلب کر کے کفر میں مبتلا ہوا۔

شرک جلی کے بعد شرک خفی کا ذکر بھی ہو جائے۔ شرک خفی ربا

شرک خفی

میں پایا جاتا ہے۔ یا بعض دوسری اعتقادی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ اس قسم کا شرک خفیف ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال دی گئی ہے کہ بعض داللہ و حیاتیات اللہ کی قسم اور تیری زندگی کی قسم یا میری زندگی کی قسم یا بعض لوگ اس طرح کہہ جاتے ہیں کہ اگر رات کو یہ گناہ ہوتا تو ہم لٹ جاتے۔ یہ بطنخ

مکان میں موجود تھی جس کی وجہ سے ہم چھٹی سے بچ گئے۔ یہ شرک خفی کی مثالیں ہیں۔ عام محاورے میں یوں بھی کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا حکیم صاحب کی مہربانی سے مریض نچ گیا۔ ورنہ مر گیا تھا۔ یہ پھر سے دہرایا چہرہ اسی نہ ہوتا۔ تو ہم تباہ ہو گئے تھے۔ یہ تمام چیزیں اس لیے شرک خفی کی فہرست میں آتی ہیں کہ ان چیزوں کو مؤثر سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اثر ڈالنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

جس طرح غیر اللہ کی عبادت مطلقاً کفر اور شرک ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی بلا استقلال اطاعت بھی شرک ہے۔ اطاعت غیر کا مطلب یہ ہے کہ نبی یا کسی بزرگ کی اطاعت کرتے ہوئے مگر اس کو منفع نہیں سمجھتا بلکہ سب کچھ اُسی کو سمجھ رہا ہے۔ یعنی وہ جو بھی حکم کرے گا، اُس کی بلا چون و چرا اطاعت کی جائے گی۔ اِخْتَذُوا حُبَّارَهُمْ وَرُءَسَاءَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اسی کو کہا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو رب بنا لیا تھا۔ یہ شرک ہے۔ البتہ نبی کی مطلق اطاعت فرض ہے کیونکہ نبی کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور اس کی خوشنودی معلوم نہیں کر سکتا۔ مگر نبی کا حکم مستقل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا يَطَاعُ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہم نے دنیا میں انبیاء (علیہم السلام) کو اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔ نبی کی اطاعت فرض ہے بحیثیت رسالت کے۔ اور علی الاطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ نبی کے لفظ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم نہیں دیتا۔ بَلَا اَنْ اَسْمِعُ رَاٰیَکُمْ کَوْسِیَ الرَّیْثَانِ میں تو اُسی حکم کی تعمیل کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ یعنی منجانب اللہ ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ علمائے کرام، مجتہدین، شیخ طریقت، بادشاہ وقت، مرا، حکام اور

والدین کی اطاعت بھی کی جاتی ہے۔ نیز غلام اپنے آقا کی اطاعت بھی کرتا ہے۔ تو یہ سب اطاعتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ معقید ہیں۔ کہ اُس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ شیخ پیر، حاکم، استاد اور والدین کی اطاعت، غلام کی اطاعت وغیرہ اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا طَاعَةَ لِمَا خَلُوْقِیْ فِی

مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِقِ كِ مَعْصِيَتِ كَرْتِے ہوتے، اس كِ نافرمانی كرتے ہوتے۔ مَخْلُوقِ كِ طَاعَتِ
 عدا نہیں ہے۔ ایسا كرنا شرك كے مترادف ہے۔ ان كِ طاعتِ مطلق نہیں ہے۔ بلكہ بنی كِ
 طاعتِ مطلق ہے۔ كیونكہ بنی اپنی جانب سے حكم نہیں دیتا۔ بلكہ وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ باقی
 لوگ چونكہ اپنی طرف سے حكم دیتے ہیں، سی لیے ان كے حكم كو جانچنا ہوگا۔ صحیح حكم كِ طاعت
 ہوگی۔ اور خلافِ شرع غلط بات كو ٹھكرا دیا جائے گا۔

اسی لیے فرمایا فَذَلِكُمْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اُنْشَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ اللہ تعالیٰ كے
 لیے بَذَن مَٹھراؤ۔ اور تم جانتے ہو كہ خدا تعالیٰ كے سوا كوئی مَحَقِّ عبادت نہیں۔ كوئی نافع اور ضرر
 نہیں۔ كوئی خالق اور قارِ مطلق نہیں۔ جب یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ كی ہیں۔ تو پھر اس كِ عبادت
 اور اس كِ صفات میں غیروں كو كیوں شرك مانتے ہو مسئلہ توحید قرآنِ پاك كا بنیادی مسئلہ ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں یہ مسئلہ كجھا دیا ہے۔ اس كے بعد دوسرے مضامین ہوں گے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ
 مِثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ﴿۲۲﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأْزَنُوا
 النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أَعِدَّتُمُ لِلْغَافِرِينَ
 ﴿۲۳﴾ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ
 ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ
 مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم اس چیز سے شک میں ہو جس کو ہم نے نازل کیا ہے پہنچنے والے
 (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس لاؤ تم ایک سورۃ اس کے مانند اور بلاؤ اپنے
 مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم جیسے ہو ﴿۲۲﴾ پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر
 سکو گے پس پھر اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے جو کھڑکرنے والوں
 کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿۲۳﴾ اور آپ خود بخبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے
 اور جنہوں نے اچھے عمل کیے کہ بیشک ان کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے
 نہریں بہتی ہیں جب بھی وہ ان بہتوں میں پھریں سے روزی دیے جائیں گے
 تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے روزی دی گئی اور وہ اس
 میں دیے جائیں گے ایک درخت کے شاخ پر چلے اور ان کے لیے ان بہتوں
 میں پاکیزہ زوجیاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۲۴﴾

سورۃ کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا جواب

ذٰلِكَ لِكُنْثُ لَزِيْبٌ مَّا فِیْہِ ثَمٰثِیْ دیا۔ پھر انہوں کے قین گردہ بیان فرمائے۔ پہلا مومنین۔
 متقین کا گردہ۔ اور اس کے اوصاف بیان فرمائے۔ اس کے بعد دوسرے گردہ کفار کا ذکر کیا جو ظاہراً
 اور باطناً اللہ تعالیٰ کی توحید اس کے دین اور قیامت کے منکر ہیں اس کے بعد تیسرے آیات میں منافقین
 کا حال ذکر کیا۔ جو سب سے زیادہ خطرناک گردہ ہے ان کی علامات کا نمونہ اور ان کی ذہنیت کا بیان ہوا۔
 اس کے بعد مشاؤون کے ذریعے ہر دو قسم کے منافقوں کی نشاندہی کی۔ جو کفر میں پختے ہو چکے ہیں یا پھر ابھی
 متردد ہیں اور پھر ان کے بڑے انجام کا بھی ذکر فرمایا۔

سورۃ بقرہ دوسو چھیالیس آیات کی سب سے لمبی سورۃ ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے
 مکی زندگی میں جس قدر سورتیں نازل ہوئیں اور ان میں جتنی تعلیم دی گئی۔ سب کا خلاصہ اس سورۃ میں آگیا ہے
 اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام اس میں آئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نظام کو مکمل
 طور پر اس میں بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی بنیادی تعلیم جس پر تمام کتب آسمانی متفق ہیں اس کا حکم
 دیا کہ "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ" یعنی عبادت
 خالقنا اللہ تعالیٰ ہی کی کرنا۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے بعد معرفت الہی پر
 زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ضروری ہے۔ اس کے بعد عبادت بھی کسی کی کار آمد نہیں۔ مشرکین اور یہود و
 نصاریٰ اگرچہ خدا تعالیٰ کو مانتے تھے۔ مگر صحیح پہچان نہیں تھے۔ اسی لیے وہ ناکام ہوئے۔ فرمایا
 اللہ تعالیٰ کی پہچان اس کی ذات سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ انسانی عقل و فکر سے بلند ہے، وہ ہر ایک
 کسی کی رسائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو عالم جبروت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا پہچانا بھی بڑا
 مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کی پہچان اس کی مخلوق اور اس کی مصنوعات میں غور کرنے سے ہوتی
 ہے۔ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو پہچان لیتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی
 پہچان لیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا ذکر کیا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
 تمہارا رب وہ ہے۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس کے سوا کوئی خالق ہے نہ قابل مطلق ہے اور نہ عظیم کل
 ہے۔ عبادت کے لائق وہی ذات ہے۔ جو ان صفات کی مالک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور خالقیت کو بیان کیا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح زمین کو
 تمہارے لیے بچھونا اور فرش بنا دیا۔ اور آسمان کو چھت کی مانند کھڑا کر دیا۔ آسمان سے پانی اتار کر پھلوں کے

ذریعے تہادی روزی کا سامان متیا کر دیا۔ لہذا عبادت صرف اسی کی کر دو۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ
اَشْدَآءَؕ کسی چیز میں بھی خدا کا شریک نہ بناؤ۔ تم جانتے ہو کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی کچھ بھی نہیں
کر سکتا۔ سائے محتج اور اس کی عاجز مخلوق ہیں، خواہ وہ انسان ہوں۔ جن ہوں یا فرشتے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ان آیات میں چار عمدہ مضامین کا ذکر کیا۔
یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کہ یہ بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کے بعد رسالت ہے۔ کہ نبی پر ایمان لائے بغیر
اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے اوامر اور نواہی کا علم نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے یونانی علماء و محض
اس لیے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے نبیوں کی اتباع کی ضرورت کو محسوس نہ کیا۔ وہ تو کہتے تھے کہ
یہ تو جاہل لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ ہم تو بڑے عقلمند ہیں۔ تیسرا مضمون خود قرآن پاک کی
صدائے حق ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اور چوتھا مضمون قیامت
پر ایمان ہے۔ نیک و بد اعمال کی جزا و سزا قیامت پر منحصر ہے۔ لہذا اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے

ان حالات میں قرآن پاک کو پیغمبر علیہ السلام کا اٹھاتا کرہ فرمایا ہے وَرَأٰی کُنُوزَہٗ
فِی زَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَاؕ اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں شک ہے۔ جو ہم
نے اپنے بندے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔
گویا اس کلام الہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نبی کی نبوت کی تصدیق مطلوب ہے۔ نبی دعوٰی کرتا
ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔ تو اس کی تصدیق کے لیے کسی معجزہ کا ہونا ضروری ہے۔
احادیث میں حضور علیہ السلام کے تین ہزار سے زیادہ معجزات کا ذکر آتا ہے۔ مگر قرآن پاک حضور
علیہ السلام کا خصوصی معجزہ ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی خصوصی معجزہ عطا
فرمایا ہے۔ پھر جس کی قسمت میں عطا ہوا ایمان لے آیا۔ فرمایا میرا خصوصی معجزہ وحی الہی ہے۔ جس
کے ذریعے قرآن پاک جیسا بیشال معجزہ عطا ہوا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا اَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ
اَكْثَرُكُمْ تَابِعًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ یعنی مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ
پیروکار میرے ہوں گے۔ کیونکہ میرا خصوصی معجزہ پایدار اور دائمی ہے باقی پیغمبروں کے معجزات عارضی تھے

قرآن پاک
خاص معجزہ ہے

جو وقت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ مگر میرا معجزہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا لاشی کا معجزہ حضرت صلح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ عارضی معجزات تھے۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئے مگر حضور علیہ السلام کا معجزہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

عبد با عزت
لفظ ہے

اس آیت میں حضور علیہ السلام کے لیے عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو کہ بڑا با عزت لفظ ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا کسی پیغمبر کی عبدیت کا اظہار اس کی بہت بڑی صفت ہے کیونکہ کامل درجے کی عبدیت انبیاء کرام علیہم السلام میں ہوتی ہے۔ اور پھر تمام نبیوں میں حضور علیہ السلام اکمل ترین بندے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نصیب ہے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی عبد کا لفظ آیا، وہاں پر خاص انعام کا ذکر ہے۔ جیسے سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ دوسری جگہ فرمایا "نَزَّلَ الْفُرْقَانِ عَلَىٰ عَبْدِهِ" ایک اور جگہ ارشاد ہے "فَأَوْثَقْنَا إِلَىٰ عَبْدِهِ مَكَأُوشَىٰ" الغرض یہ عبد کا لفظ نہایت اعلیٰ مقام کا حامل ہے نماز میں جب تک کہ کہلِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ نہ کہے۔ اس کی نماز کامل ہی نہیں ہوتی۔ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ نہ تو خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ نہ اوتار ہیں اور نہ خدا نے ان میں مخلوق کیا ہے۔ زبان میں الٰہیت کی صفت پائی جاتی ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اس کے عبد یعنی بندے ہیں۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بشر یا انسان نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان ہونا فخر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنِّي خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ" میں تو مٹی سے انسان جیسی برگزیدہ بستی کو پیدا کرنے والا ہوں۔ بشر ہونا کوئی بے عزتی کی بات نہیں ہے۔ خاص طور پر عبدیت تو بہت اعلیٰ صفت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عطا کرے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اندر تو عبدیت والی بات ہی نہیں پائی جاتی۔ ہماری عبدیت کی حالت خراب ہے۔ ہم گندے انسان ہیں۔ جو گناہوں سے آلودہ ہیں۔ جنہیں عبدیت کا مقام حاصل ہے وہ تو پاکیزہ نفوس ہیں جو ہر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں۔

قرآن پاک
بطور چینیج

خود قرآن پاک اس بات کا گواہ ہے کہ مشرکین نے خدا تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے

تیار نہ تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کے رد کے طور پر قرآن پاک میں تین قسم کی آیات نازل فرمائیں۔ اولاً سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن پاک کسی انسان کا وضع کردہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ انسان کے بس کی بات ہے۔ بلکہ لَہِیْنِ اجْتَمَعَتْ اِلَافُ وَاَلْفُ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُہُمْ بِبَعْضٍ خٰفِیْنَ یعنی تمام انسان اور تمام جن مل کر بھی اس قرآن پاک کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لے سکتے۔ اگرچہ یہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ گویا یہ ساری مخلوق عاجز ہے۔ اس بات سے کہ قرآن پاک جیسا کوئی کلام پیش کر سکیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر تمہیں اس کلام پاک کے منجانبہ ہونے میں کسی قسم کا شک ہے یعنی یہ کہ یہ انسانی کلام ہے تو فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِہٖ تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ خواہ چھوٹی۔ چھوٹی ہی ہوں۔ پتا چل جائے گا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ کوئی انسان بھی ایسی چیز پیش کر سکتا ہے۔ مگر کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ اب تیسرے نمبر پر آیت پاک میں آخری چیلنج دیا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم کو اس کلام پاک میں شک ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِہٖ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ چاہے وہ تین آیات کی پھر ملے چھوٹی سورۃ ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابو بکر جصاص جو چوتھی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے اس چیلنج کو صدیاں گزر جانے کے باوجود کسی نے اس کا جواب دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور اگر میلہ کذاب جیسے کسی شخص نے حماقت کی ترانے منہ کی کھالی پڑی۔ اس کے ہم عصر کافروں نے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ کہ تم پر لعنت ہو۔ کیا تمہارا وضع کردہ کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو نیا لے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔ قرآن پاک کا یہ اعجاز چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قائم و دائم ہے۔ اور آج تک کوئی ایک سورۃ بھی بنا کر پیش نہیں کر سکا۔

عام مفسرین کریم فرماتے ہیں کہ یہ چیلنج قرآن پاک کی نصاحت و بلاغت کے لحاظ

سے ہے۔ اہم اور بزرگ جصاص بھی انہیں مفسرین میں شامل ہیں۔ جو فرماتے ہیں کہ قرآن پاک ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ اس جیسی فصاحت و بلاغت آج تک کوئی دوسرا کلام پیش نہیں کر سکا۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ جلیغ فصاحت و بلاغت تک ہی محدود ہے۔ تو پھر یہ خطہ عرب تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جلیغ صرف عربوں کے لیے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ اگر اس جلیغ کو بین الاقوامی جلیغ تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ فصاحت و بلاغت کے علاوہ نہ کوئی دوسرا کلام اس جیسا ہے نہ اس میں دیے ہوئے نظام جیسا کوئی نظام دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی اس جیسا کوئی دوسرا دستور پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماحول جیسی اجتماعیت کوئی دوسرا قانون پیش نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ سابقہ کتب آسمانی اور صحیفے بھی ایسا اجتماعی نظام نہیں دے سکتے۔ جیسا قرآن پاک نے عطا کیا۔ اسی لیے فرمایا کوئی ایک سورۃ لا کر دکھاؤ۔ جو قرآن جیسی جامعیت پیدا کر سکے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی برصغیر کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ صرف سوڑ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ ستیم کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اور آپ کو مدت چھوڑ کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے والد محترم شیخ حبیب اللہ حضرت سندھیؒ کے دوست تھے اور آپ کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ رشتے کے لحاظ سے حضرت مولانا سندھیؒ حضرت مولانا لاہوریؒ کے خسر تھے۔ تو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ دنیا بھر کی اقوام اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ جو پروگرام اور نظام عدل اسلام اور قرآن پاک نے پیش کیا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی یا یہودی۔ انہیں حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ اسلام جیسا اہل مضبوط اور غیر تغیر پذیر قانون کہیں سے نہیں مل سکا۔ اہم شائع فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی چھوٹی سی سورۃ ”الْعَصْرِ“ اتنی جامع سورۃ ہے کہ ساری کائنات کی ہدایت کے لیے یہی کافی ہے۔ بشرطیکہ بنی نوع انسان اس

پر غور و فکر کر کے اس سے رہنمائی طلب کریں۔

الغرض! فرمایا اگر ہمارے نازل کردہ کلام میں تمہیں کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ صرف یہی نہیں بلکہ وَدْعُوا شُهَدَاءَكُمْ قُرْبٰنًا دُونَ الْبَدَاہِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اور اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے گواہ بھی بلاؤ۔ یعنی خود بھی آجاء اور اپنے دیگر مددگار اور حمایتی بھی بلاؤ۔ مگر تم اس کلام جیسی ایک سورۃ بھی پیش نہیں کر سکو گے۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں پختے ہو کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو اس چیلنج کو قبول کرو۔ یہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ یہ تمہاری مادری زبان ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسی تمہارے ماحول سے عربی زبان سیکھی ہے۔ آپ سچے میں کہتے ہیں۔ یاد یا رہی تجھ میں۔ یہ اسی علاقے کی زبان ہے اگر حضور علیہ السلام خود کلام بنا سکتے ہیں۔ تو پھر تم بھی کوئی سورۃ بنا کر دکھاؤ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عربی زبان اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ اس انتہا پر پہنچنے کے بعد تنزل کی توقع کی جاسکتی ہے۔ مگر کسی شاعر نے قرآن پاک کی مثل لانے کی جرأت نہیں کی۔ جو بھی قرآن پاک کی کوئی آیت سنتا تھا۔ دم بخود رہ جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر غفاریؓ کے بھائی حضرت ابی بن کعبؓ کہتے تھے کہ میں شاعروں کا کلام بھی جانتا ہوں اور سادھوں کا بھی۔ اور کامیوں کا بھی۔ میں نے کلام اللہؐ کا ان سب کلاموں کے ساتھ موازنہ کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی قرآن پاک کا مقابل نہیں۔ خدا کا کلام تمام کلاموں سے منفرد اور ممتاز ہے۔

قرآن پاک نے چیلنج پیش کرنے کے بعد پھر خود ہی اس کا جواب دیا فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا پس اگر تم نہ کر سکو اور نہ ہو گز نہیں کر سکو گے۔ گویا پیشگوئی بھی کر دی کہ تم اس کلام کی مثل ہرگز پیش نہیں کر سکو گے۔ تو پھر خبردار فرمایا فَاتَّقُوا النَّاسَ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اَنْ تَكُوْنُوْا مِمَّنْ يُكْفَرُ بِعَدُوّہِمْ وَهُمْ لَا يَحْجُبُوْہُمْ اِنَّ اُولٰٓئِكَ كَانُوْا فِيْ عَذَابٍ مُّشْتَرِكٍ۔ گویا دوزخ کی آگ میں اس کلام کے مکذبین خود کفار جلیں گے۔ اور پھر جہانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کونٹے سے جہاں لگی آگ سخت ہوتی ہے۔ اسی طرح پھر سے جلیں والی آگ شدید تر

منعین قرآن
کی سزا

تو انہیں لذت محسوس ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں جب بہشت میں انہیں پھسلنے پھسلنے کے
 تودہ لوگ کہیں گے کہ ان میں وہی لذت پائی جاتی ہے۔ جو دنیا میں نیکی کرتے وقت حاصل ہوتی تھی۔
 ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کی زمین خالی ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْمَلٰئِکَةُ
 لِلَّهِ وَلِلَّهِ الدَّارُ الْاُولٰٓئِکَ وَاللَّهُ اَکْبَرُ کہنا اس خالی زمین میں درخت لگانے کے مترادف
 ہے۔ جب کوئی مومن دل کی گہرائیوں سے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہتا ہے۔ تو جنت میں اس کے لیے
 ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ جب اس درخت کا پھل انہیں پتھر ہوگا۔ تودہ کہیں گے کہ اس
 کا ذائقہ تو بالکل وہی ہے جیسا ذائقہ ہمیں دنیا میں نیکی کی ترغیب پر حاصل ہوتا تھا۔ اسی نیکی کے
 صلے میں آج ہمیں جنت میں یہ نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا میں آرام و راحت
 کا جو بھی تصور کیا جاسکتا ہے۔ وہ سب جنت میں حاصل ہوگا۔ خواہ وہ لباس کی صورت میں ہو
 خوراک کی صورت میں ہو یا اعلیٰ مقام کی صورت میں۔ ہر چیز وہاں حاصل ہوگی اور اسی کو پھلوں
 کی مشابہت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پاکیزہ بیویاں

جنتیوں کے ایک اور انعام کے متعلق فرمایا وَلَکُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ لَّہ
 ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ ان مادی نعمتوں کے علاوہ دوسرے مقام پر ردِ عالی نعمتوں
 کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا وَلَکُمْ فِيْهَا مَا تَشْتٰہُوْنَ الْفُکُوْۤہُ اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہوگی
 جس کے لیے تمہارا جی چاہے گا۔ جنت کی نعمتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ نہ ختم ہونے
 والی ہونگی۔ دنیا میں کسی چیز کے میسر آجانے کے بعد بھی ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ کہ یہ کیسی وقت چھین بھی
 سکتی ہے۔ یا ختم ہو سکتی ہے۔ مگر جنت کی نعمتیں دائمی ہوں گی۔ ان کے لیے زوال کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا
 اسی لیے فرمایا کہ جنتی لوگ کسی محدود عرصے کے لیے جنت کی نعمتوں سے مستغنیہ نہیں ہوں گے۔ بَلْکَ دَفَعْنَا
 عَنْہُمْ اَحْزَابًا وَّ اٰیٰتِہٖ لَکُمْ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ اِلٰیہَا وَاٰیٰتِہٖ لَکُمْ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ اِلٰیہَا
 اضافہ ہی ہوتا ہے گا۔

ان آیات میں قرآن پاک پر ایمان لانے والوں کا انجام بھی بیان فرمایا اور اس کی تکذیب
 کرنے والوں کے حشر سے بھی اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔

الْم

البقرة ۲

(آیت ۲۶-۲۷)

دس سیزدہم

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا فَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا فَتَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۚ يُضِلُّ
بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ
۝۳۱ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝۳۲

ترجمہ: • بیشک اللہ تعالیٰ نہیں شرما اس بات سے کہ بیان کرے مثال ٹھہر
کی یا اس سے بڑی۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان
کے رب کی طرف سے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس وہ کہتے ہیں: کیا ارادہ
کیا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ؟ اللہ تعالیٰ ٹھہرا کر ہے اس کے سبب سے
بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس کے سبب سے بہتوں کو۔ اور نہیں ٹھہرا کرنا
اس کے سبب سے مگر فاسقوں کو ۝۳۱ وہ جو توڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کے عہد کو اس کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو
اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ
نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ۝۳۲

گذشتہ پیر سے
پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت، صداقت اور اس کے منزل
من المشرق ہونے اور حضور علیہ السلام کی رسالت کا ذکر کیا تھا۔ اس سے پہلے توحید اور دوسرے
کے متعلق بیان تھا۔ لوگوں کے اس خیال کی تردید تھی کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔
بلکہ غیر علیہ السلام کا اپنا وضع کردہ ہے۔ اور پھر اس ضمن میں قرآن پاک کے چیلنج کا ذکر تھا۔ کہ اگر

تمیں اس کے منزل من اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے۔ تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ۔ اس کے ساتھ پیش گوئی کر دی گئی تھی کہ قیامت تک تم اس قرآن کی مثل نہیں لاسو گے لہذا یاد رکھو کہ جب ایسا کلام پیش کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ تو پھر اس کلام سے انکار کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم ایسی دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس کے ساتھ ایمان والوں کو بذلت بخشی کہ آخرت میں وہ کامیاب ہوں گے۔ اور ان کا انجام نہایت اچھا ہو گا۔

حقیر چیزوں کی مثالیں

کنارہ قرآن پاک کے متعلق یہ اعتراض پیش کرتے تھے کہ اس میں بعض چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے شایان شان نہیں کہیں کبھی کا ذکر ہے۔ اور کیسے مکرمی کا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اُس کا کلام بھی بہت اعلیٰ مالوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک عام محاورہ ہے کَلَامُ الْمُلُوكِ مَثَلُوكِ الْكَلِمَ عِنْدَ بَادِشَاهِیْنَ کلام کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بلند و برتر ہے۔ اسی طرح اس کا کلام بھی اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیے۔ اس میں کبھی۔ کبھی جیسی اور چیزوں کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔

اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحِیْ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضُهُ فَمَا فَوْقَهَا عِیْنُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی شان اور عظمت کے یہ ہرگز مافی نہیں کہ وہ پھر یا اس سے کسی بڑی چیز کی مثال بیان فرمائے۔ کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں انسانوں کے سمجھانے کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ یہ تو بعض لوگوں کی عقل یا انکے عرف کی کمزوری کی دلیل ہے کہ وہ بعض حقیر چیزوں کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھتے۔ مگر حکمت کے اصول کے تحت ایسی چیزوں کے بیان کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہو کر کسی کو خوش کرنے کے لیے کسی چیز کا بیان روکا جاسکتا ہے۔ حقیر چیزوں میں بڑے مفید پہلو بھی ہوتے ہیں قرآن پاک میں سکھوں اور مکرمی کا ذکر ہے۔ اور ان کی مثال اُسے کہ بڑی مفید باتیں کہائی گئی ہیں۔ لہذا ایسی مثالوں کے ترک کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

اس قسم کی مثالیں اکثر علماء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ خود عرب کہتے ہیں مَا الْبَقْرُ وَشَحْمُهُ یعنی کیا پھر اہ کی چربی۔ اسی طرح مَا الْجُرَادُ وَطَعْمُهُ یعنی کیا

ہم ہی اور کیا اس کا گوشت وغیرہ۔ حضور علیہ السلام نے بھی تعظیم حقیقت کے لیے مثال بیان فرمائی ہے۔
مسند احمد۔ ابن ماجہ اور ترمذی شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں لَوْ كَانَتِ السَّمَاوَاتُ سَكَنًا لَّحَسِبْنَا أَنَّ عِلْمَ اللَّهِ
جَنَاحَ قَبُورٍ مَّسْكِي كَافِرًا مِّنْهَا قَطْرَةٌ أَبَدًا يَعْنِي اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی
قدر و قیمت ایک پتھر کے پڑ کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ دیتے۔
کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہ پتھر کی مثال آپ نے اس لیے بیان فرمائی کہ ساری دنیا کی قیمت
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بھی نہیں جتنی پتھر کے ایک پڑ کی ہوتی ہے۔ اسی لیے لو کفار اس دنیا
میں آرام و عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کچھ نہیں۔ آخرت میں حساب
کا حساب کتاب پیش ہو گا۔ تو سخت سزا میں مبتلا ہوں گے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اُمّ سلیمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت
کیا اور تمبیہ کے طور پر عرض کیا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَكْتُمُ خَيْرًا مِّنَ الْحَقِّ يَعْنِي اللّٰهَ تعالیٰ تو حق بات سے
نہیں ٹھہرتے۔ میں آپ سے مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا عورت کو بدخوابی ہو جائے تو اس پر
غسل واجب ہو تب یا نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا فَعَسَىٰ يَوْمَئِذٍ سَلِيْمًا اِذَا رَأَتْ
الْمَكَادِمَ اِنْ حَبَّ مَادَهُ خَارِجٌ هُوَ جَاءَتْ اُسَیْءُ غَسَلُهَا تَابَ۔ جس طرح مرد کو استحمام ہونا ہے
اسی طرح عورت کو بھی بدخوابی ہوتی ہے۔ الغرض اس حدیث میں بھی یہی الفاظ آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں ٹھہرتا۔

حیا کی مختلف قسمیں

حیا انسان کن اُس انحراری اور شکیلی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص قبیح امور سے
باز آجاتا ہے۔ حیا انسانوں سے بھی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے جب کوئی
شخص بُرائی کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ چھپ کر کرتا ہے۔ کیونکہ اُسے انسانوں سے حیا آتی ہے کہ اگر
وہ دیکھ لیں گے تو کیا ہو گا۔ خدا تعالیٰ اگرچہ نظر نہیں آتا۔ مگر جب یہ یقین ہو جائے کہ اُس کی نظر سے
کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے۔ تو پھر ذرہ بھر بھی خوف خدا رکھنے والا شخص فعل قبیح کے ارتکاب کے
وقت اللہ تعالیٰ سے حیا کرے گا۔ اگرچہ کوئی دوسرا انسان اس کو نہ دیکھ رہا ہو۔

حیا کی ایک قسم حیا عبودیت ہے۔ ایک عابد و زاہد اپنی تمام قوی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرنے کے باوجود یہی سمجھتا ہے کہ وہ اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا اللہ تعالیٰ نے اس پر جس قدر انعامات کئے ہیں۔ اگر وہ ساری عمر بھی عبادت میں لگاؤ یعنی پیدائش کے وقت ہی اللہ تعالیٰ اس کو فہم عطا کرے اور کچھ سے میں گزر جائے اور ساری عمر اسی ایک کچھ میں گزار دے۔ ان وہیں اس کی موت آجائے۔ تو وہ بارگاہ رب العزت میں عرض کرے گا کہ مولاکریم! میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ حیا عبودیت اسی چیز کا نام ہے۔

حیا خود اپنے نفس سے بھی ہوتی ہے۔ جب اُسے کوئی شخص دیکھنے والا نہ ہو۔ تو بعض اوقات انسان خود اپنے جی میں شرم محسوس کرنے لگتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کبے دھوکا دے رہا ہوں۔ یہ نفس کی حیا ہے۔

حیا کی ایک قسم حیا کرم ہے۔ خود حضور بنی کریم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کو کھانے پر بلایا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد وہ لوگ وہیں بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے۔ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گذری۔ مگر آپ نے حیا کرم کی وجہ سے انہیں زبان مبارک سے کچھ نہ کہا۔ بلکہ اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ یہ لوگ بھی پلے جائیں۔ مگر وہ بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام پھر تشریف لے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں۔ کہ عجب بنی علیہ السلام کے گھر پر کھانا کھانے کے لیے جاتے ہو۔ تو وہاں بیٹھ کر بات چیت میں وقت نہ گزارو۔ اللہ تعالیٰ کا نبی تو حیا کرم کی وجہ سے تمہیں نہیں کہتا۔ مگر تم خود ہی احساس کرو۔ اور کھانا کھا کر واپس چلے جایا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔

ہدایت و گمراہی

فرمایا جب اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ تو مومن اور کافر پر ان کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ایماندار لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں بے معنی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ ان کا بیان کرنا حکمت کے منافی نہیں۔ لہٰذا وہ اس سے بڑا نہیں مناتے وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا فَيَقُولُونَ پس وہ کہتے ہیں مَا ذَا الَّذِي أَدَّ اللہ بھلا أَمْشَدَ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے۔ وہ لوگ طعن کرتے ہیں۔

اور بطور استنزا اور تمیز کے کہتے ہیں کہ ایسی معمولی چیزوں کی مثال بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کیا حاصل ہوا۔ اگر مثال ہی بیان کرنا تھی تو کسی اعلیٰ چیز کی بیان کی ہوتی۔ مکھی اور بکھر کی مثال کی کیا حیثیت ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مثال کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ کیونکہ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا اللہ تعالیٰ اسی مثال کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ ایسی بات بعض لوگوں کے ذہن میں نہ بیٹھتی۔ جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو وہ حکمت کے اصولوں سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں کلام کی حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ لہذا فضول اعتراض پیش کرتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ایسی مثالیں صرف گمراہ ہی نہیں کرتیں بلکہ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا اللہ تعالیٰ انہیں مثالوں کے ذریعے ہدایت بھی دیتا ہے۔ جو لوگ مثال کے ذریعے بات کو آسانی سے سمجھ جاتے ہیں، وہ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ لہذا ہدایت پتہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا اهم وما يضلُّ به الا الفسiquين یعنی گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔ کوئی ایمانداروں منصف مزاج اللہ حق کا طالب گمراہ نہیں ہوتا۔

فاسق کا معنی

فاسق کا معنی خروج یا باہر نکلنا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں فَسَقَ الرَّطْبَةُ عَنْ قَشْرِهَا مِلْ اپنے پھلے سے باہر آگیا یا کہتے ہیں فَسَقَ النَّوَاءُ مِنَ الشَّجَرَةِ ٹھٹھکی گجور سے باہر نکل گئی۔ اسی اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر نکل جاتا ہے۔ شریعت کے عرف میں فاسق دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے پہلے معنی میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے۔ مگر وہ اطاعت کی بجائے صغیر یا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسا شخص مسلمان ہے۔ اور اس کے متعلق امید ہے کہ اُسے آخرت میں شفاعت نصیب ہو جائے گی۔ اور وہ نجات پا جائے گا۔ کیونکہ ہر حال وہ مسلمان ہے۔ مگر نافرمان ہے وہ نماز کو فرض سمجھتا ہے مگر پڑھتا نہیں۔ زکوٰۃ کو فرض جان کر ادا نہیں کرتا۔ گروائی کی کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کی طرف مال نہیں ہوتا۔ شریعت کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے۔ دوسری قسم کا فاسق وہ ہے۔ جو کفر میں مد سے بڑھ جائے۔ سرکش ہو جائے۔ جیسا کہ اعتقادی منافقوں یا سخت کافروں کے متعلق فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ان یہودیوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ جو بڑے سرکش، ضدی

اور نافرمان ہیں اور کفر میں بڑے پختے ہیں۔ فاسق کے یہ دونوں معنی قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں۔
 اس مقام پر بطور تشریح یوں کہہ سکتے ہیں کہ فاسق وہ ہیں جو قرآن پاک کی بیانی کردہ
 مثالوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ مقصد یہ کہ جو شخص قرآن کے پروگرام کی غلات مدد زنی کرتا ہے
 وہ فاسق ہے۔ قرآن پاک کا پروگرام یہ ہے کہ: **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ
 الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا
 أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾**
 نیز قرآن پاک کا پروگرام یہ ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي هُوَ**
 مگر جو شخص اس کے غلات کرے گا۔ وہ فاسقوں کی فہرست میں رکھا جائے گا۔

یہ دونوں نصرتیں
 کی علامتیں

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تشریح کرتے ہوئے ان کی تین بڑی خصلتوں کا ذکر کیا
 ہے پہلی بات یہ ہے کہ **الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ**
 فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کو پختہ کرنے کے بعد۔ اگر وہ انکس منافق
 ہیں تو وہ زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ: **أَمَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ** ہم اللہ تعالیٰ اور
 آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ مگر یہ عہد کو پورا نہیں کرتے۔ عمل طوع پر ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی
 ذات پہم ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ اور اگر فاسقوں سے مراد یہود ہیں۔ تو ان سے تو پہلی کتابوں
 میں عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لائیں گے۔ اور خاص طور پر نبی محمد ﷺ
 پر ایمان لائیں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی نصرت کریں گے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے
 ان پر جو ہدایت نازل فرمائی ہے۔ اُسے چھپائیں گے نہیں۔ بلکہ ظاہر کریں گے۔ مگر ان لوگوں نے
 اس عہد کو توڑ دیا۔ گویا فاسقوں کی پہلی خصلت یہ بیان فرمائی کہ وہ عہد کرنے کے بعد اُسکو توڑتے ہیں
 عہد شکن لوگوں کا دوسرا گروہ معاند کافر ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا: **سَوَاءٌ
 عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** انہوں نے
 اللہ تعالیٰ کے اُس عہد کو توڑا۔ جو ازل میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پرچھا تھا: **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ**
 کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا: **بَلَىٰ** ہاں مولانا کریم! کیوں نہیں
 بیشک تو ہمارا رب ہے۔ اس عہد کی یاد دہانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے۔

کتب میں نازل کیں۔ مگر انہوں نے اس پختہ عہد کو توڑ دیا۔ لہذا یہ بھی عہد شکنوں کی صف میں شامل ہوئے
ایک عام مومن جب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کہتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عہد کرتا ہے۔ ان کے احکام کو تسلیم کرنے اور
انہی پر کاربند ہونے کا عہد کرتا ہے۔ مگر جب وہ اُس کے خلاف چلتا ہے۔ گویا عہد شکنی کرتا ہے۔ ایسا
شخص بھی فاسق یا منافق کی فہرست میں لکھا جائے گا۔ عہد کی خلاف ورزی کرنا منافق کی واضح نشانی ہے۔

قطع رحمی

فاسقوں کی دوسری خصلت یہ بیان فرمائی کہ يَقْطَعُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْمَلَ
جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اُسے قطع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرابت داروں
کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ اس کے برخلاف قطع رحمی کے مرتکب ہوتے ہیں جیسے
کافروں کے متعلق فرمایا کہ وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ اور کسی مومن کے
بارہ میں نہ تو عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں نہ قرابت داری کو خاطر میں لاتے ہیں۔ بلکہ انہیں
ہر طرح سے ایذا پہنچاتے ہیں۔ حالانکہ قطع رحمی بہت بڑا جرم ہے۔ حدیث شریف میں آگے ہے
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو شخص جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ میں بھی اُس کو
جوڑوں گا۔ اور جو قطع کرتا ہے۔ میں بھی اس کو کاٹ دوں گا۔

صلہ رحمی

اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ رحم معنی قرابت داری کو اپنے ہم رحم سے
نکالا ہے۔ اور رحم کا معنی بے حد مہربان ہے۔ لہذا ہر انسان کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نہایت
مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ فرمایا وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ
یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور قرابت داری کا خیال رکھو۔ صلہ رحمی بہت بڑا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
کو بہت پسند ہے۔ اس میں انسان کے تمام حقوق آجاتے ہیں۔ جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے
حکم دیا ہے۔ فرمایا آتِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ بِرَحْمَةٍ رَحِيمَةٍ۔ یہی صلہ رحمی ہے۔

فلاح فی الدین

منافقین کی تیسری خصلت یہ بیان فرمائی کہ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وہ زمین میں
فساد پھیلاتے ہیں۔ فساد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بیود و نصاریٰ اور کافروں کو ایمان سے

متضرر بنتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ ایمان نہ لائیں۔ اسی لیے تو وہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ کیونکہ اس میں مکھی اور مچھر جیسی حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہی وہ پڑیگینہ ہے جس کی بدولت وہ لوگوں کو ایمان سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ کفر، شرک اور شریعہ کو خراب کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا فساد فی الارض ہے۔ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت سے ہوتی ہے۔ کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے اس میں جھاڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام قسم کی قبیح رسوم بھی فساد فی الارض کے قبیل سے ہی ہیں۔ شرک، بدعت، ذابح گانا، عریانی اور فحاشی یہ سب قبیح رسوم ہیں۔ قبروں پر عرس منانا، قبر پرستی کو رواج دینا یہ بھی انہیں رسوم میں سے ہے۔ اور فساد فی الارض ہے۔ تیسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بجائے اُس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔ ان کے کسی فعل میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔ اور وہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ الغرض عمدہ شکنی، قطع رحمی، اور فساد فی الارض یہ تین بڑی خصلتیں ہیں جو فاسقوں یا منافقوں میں پائی جاتی ہیں اور جن سے اجتناب کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

فاسقوں کی علامات بیان کرنے کے بعد فرمایا **أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ**۔
 یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ ناکام دنیا بردہونے والے ہیں۔ یہ لوگ اپنی خصلتوں کی وجہ سے دنیا میں بھی ناکام ہیں۔ کیونکہ فساد فی الارض کی بدولت دنیا میں امن و سکون پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے اور آخرت میں ہمیشہ کے لیے ناکامی کا مزہ دیکھنا پڑیگا۔ اسی لیے فرمایا **خَسِرَالۡدُنْيَاۤ اَوۡلَٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُونَ**۔ **الْمُبۡتَلٰٓئِیۡنَۃَ دُنْیَاۤ اَوۡلَٰٓئِکَ**۔
 مجھ کی ناکامی ہے۔ اور یہی بہت بڑی ناکامی ہے۔ ابتدائے سورۃ میں متین کے متعلق فرمایا تھا **اُولَٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ وَاُولَٰٓئِکَ هُمُ الْمُفۡلِحُونَ** یعنی یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔ اس مقام پر فاسقین کے متعلق فرمایا **اُولَٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُونَ** یہی لوگ ناکام ہیں۔

الہ

البقرة

درس چہد و ہم

(آیت ۲۸ تا ۲۹)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ
 يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾
 هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَكَانَ الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ
 اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

ترجمہ : کس طرح تم کفر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان
 پس اللہ تعالیٰ نے تم کو زندہ کر دیا۔ پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے۔ پھر وہ تم کو دوبارہ
 زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے
 جس نے پیدا کیا ہے۔ تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر وہ متوجہ ہوا آسمان
 کی طرف۔ پس برابر کر دیا ان کو سات آسمان۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۹﴾

اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کا رد فرمایا جو قرآن کریم کے منزل میں اللہ ہونے کا
 انکار کرتے تھے۔ کیونکہ اس کلام میں کچھ بھی جیسی حقیر چیزوں کا بیان ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ
 کی ذات اعلیٰ دارفع ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کچھ یا اس سے
 بھی کم تر چیز کی مثال بیان کرشمے نہیں شرما تا کیونکہ اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں
 ہوتی۔ بعض اوقات ادنیٰ چیزوں میں بھی اہم باتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسی کسی چیز کے بیان سے
 اجتناب کرنا خلاف حکمت ہوتا ہے۔ معترضین کا اس قسم کا اعتراض ان کی نا کھجی کی دلیل
 ہے۔ البتہ ایمان والے خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔
 نا کھجہ لوگ کہتے ہیں کہ ایسی حقیر چیز کی مثال بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کیا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا ایسی ہی مثال کے ذریعے وہ بہتوں کو ہدایت سے نواز رہا ہے۔ اور بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے
 مگر گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو منافقان ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تین خصلتیں بیان فرمائیں۔ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو توڑتے ہیں۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہ لوگ انہیں توڑتے ہیں۔ اور یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ فرمایا یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ گو یا قرآن کریم کا انکار، معاد کا انکار، راستہ کا انکار یا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار سب کی صفات کا انکار سب کا مال راہنجا کا ایک ہی ہے۔ ان سب باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ورنہ انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز کا انکار بھی اللہ تعالیٰ کے انکار کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے
ساتھ کفر

اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنی بعض نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کو مخاطب فرماتے ہیں، کہ کیفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ یہ انعام پانے کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی ذات کا کیسے انکار کرتے ہو۔ تمہارا انکار محض جهالت، ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ہے ورنہ اس کے حق میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَتَذَعُّ مَعَ اللّٰهِ الْاِثْمَ اخْذُوا بِهِ هَٰذَا لَدُنَّ بَدَلٌ فَاَنْتُمْ كَافِرُونَ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے۔ یعنی شرک کرتا ہے۔ اُس کے پاس ایسا کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہی بات یہاں پر بیان کی گئی ہے۔ کہ تمہارے پاس کفر کرنے کی کون سی دلیل ہے کیفَ تَكْفُرُونَ تمہارے لیے کفر کرنے کا کوئی حوالہ نہیں۔

تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا بیان ہے۔ بلکہ اس میں ایمان لانے کی دوسری چیزیں بھی شامل ہیں۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان کیوں نہیں لاتے اس کے کلام کا کیسے انکار کرتے ہو۔ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو کیوں نہیں مانتے۔ اور معاد پر تمہارا ایمان کیوں نہیں ہے۔ گویا کیفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ میں وہ تمام چیزیں آگئیں جن کا کفار انکار کرتے تھے۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ کیفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ کا تعلق گزشتہ آیت یَآٰتٰہَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَ کُمْ کے ساتھ ہے

وہاں پر بھی بعض اعلیٰ کائناتوں کا ذکر فرمایا۔ کہ اُس پر وہ دگار کی عبادت کر رہے تھے۔ پھر آسمان کو پھاڑ کر پانی نازل کر کے زمین کو سیراب کیا۔ اور آسمان سے پانی نازل کر کے زمین سے پیدا ہونے والی نعمتوں کا ذکر کر کے ایک دوسرے سے بیان کر رہا ہے کہ ان نعمتوں کے بابت جو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو۔

بر خلاف اس کے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتا ہے۔ اور اُسی کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے سامنے معرفت الہی کی لاکھوں کرڑوں عقلی اور نقلی دلیلیں موجود ہیں۔ اُس کے اُس پاس آسمان کی باتیں موجود ہیں، جو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کے ذمے فرض ہے۔ حضور میرے سلام نے فرمایا: **حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يُعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا** یعنی اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ الہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو نہ کریں۔

ام المومنین فرماتے ہیں کہ کوئی شخص پیادگی چوٹی پر نہ مل سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے عقل و شعور عطا فرمایا ہے۔ اور اس سے لڑا جاتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اس کے باوجود وہ کفر کرتا ہے۔ تو پھر اُجائے گا۔ اُسے معافی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ مشاہد قدرت کو دیکھنے کے باوجود اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا تو اس کی بے نصیبی ہے۔ گویا عقلی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کو پہچانا واجب ہے۔ ایک شخص مگر نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان ہے۔ تو اس کی بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر کفر کرنے کی صورت میں وہ قابلِ گرفت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں عقل دی، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔ تمہارے ارد گرد دنیاں پیدا دیں۔ اس کے باوجود تم نے ایمان کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ لہذا تمہارا معاملہ ناقابلِ معافی ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ تم ان تمام دلائل کے باوجود کیف تکفروا؟ یا اللہ تم اللہ تعالیٰ

موت الیٰ انظر
الہی میں ہے

کیا تم کیے کفر کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ أَمْوَئًا عَالًا ثُمَّ بے جان تھے۔ فَاحْيَاكُمْ ۖ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو زندگی بخشی۔ مطلب یہ کہ تم اپنے باپوں کی پشتوں میں بالکل بے جان چیز تھے۔ پھر انہی نے تمہیں ماؤں کے رحم و مہون میں قطرۂ آب یا نطفہ کی شکل میں منتقل کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی بخشی اور تمہیں وجود جیسی نعمت عطا کی۔ مگر یا تمہیں جستی سے جستی میں تبدیل کیا۔ اس کے بعد پھر ایک وقت آیا آئے گا۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ پھر وہ تم پر موت طاری کرے گا۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر قیامت کے دن تم کو زندہ کرے گا۔ دیکھو یہ سب تصرف خدا تعالیٰ کے ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ موت بھی وہی طاری کر لے گا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی مستغفون نہیں۔ نہ کوئی کچھ ٹے سکتا ہے۔ نہ کوئی چھین سکتا ہے۔ اسی بات کو سورۃ واقعہ میں اس طرح بیان فرمایا کہ دیکھو تم کیسے بے بس ہو۔ جب ہمارے کارندے آتے ہیں۔ تو کون ہے جو انہیں روک سکے بڑے بڑے بادشاہ اور بڑے بڑے طاقتور عاجز آجاتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا تصرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مستغفون فی الامور وہی ہے۔ اور ایک ایماندار کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جاندار بنایا۔ وہی موت طاری کرے گا۔ اس کے بعد پھر زندہ کرے گا۔

فرمایا موت و حیات کی اس کشمکش کے بعد انسان کو روشن نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ وہ انسانی اعمال کا محاسبہ بھی کر لیا جائے گا۔ اَلَيْسَ تَرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ برگی اور تمہارے پوچھا جانے لگا کر میں نے تم کو وجود کی نعمت دی۔ تمہاری پرورش کی اور تمہاری ضروریات و آسائش کے تمام سامان مہیا کیے۔ تمہارے جسم میں ہڈیت کی مشینیں نصب کی۔ علم حاصل کرنے کے لیے حواس ظاہرہ باطنہ سے نوازا۔ قوت متینہ عطا کی۔ غرور و فخر کے ذرائع بنائے۔ قوت حافظہ دی۔ جوڑ توڑ کرنے کی طاقت بخشی۔ اس کے علاوہ بہت بڑی مہربانی یہ فرمائی کہ راہنمائ کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ انہیں بشیر اور منذر بنایا اور دوسری جگہ فرمایا۔ وَانْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ ان کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں۔ وہی نازل کی شریعت دے کر بھی لیتو مَنَاسِبًا بِالْقِسْطِ تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ یہ شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔ اور کفر سے بڑا۔ اور کون ظلم نہیں۔ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ سب سے

محاسبہ و عمل

بڑے ظالم تو کافر ہیں۔ یہ تمام ہدایت سے کر محبت پر دی کر دی۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انہیں کوئی سمجھانے والا نہیں آیا۔ لَيْسَ يَكُونُ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

میت دفن کرنے کے آداب

مشکوٰۃ میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرَّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ یعنی جو چیز جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے بچانے والی ہے وہ سب میں نے تمہیں بتا دی ہے۔ اب تمہارے پاس انکار کی کیا دلیل ہے۔ موت و حیات اور تصرفات کے بنیادی عقائد بیان ہو گئے ہیں جن کی قرآن پاک میں تعلیم دی گئی ہے

فرمایا میت کو دفن کرتے وقت یوں کہو بِسْمِ اللّٰهِ وَحَسْبُ عِلْمُ اللّٰهِ اور اسی طرح قبر پر مٹی ڈالتے وقت یہ آیت پڑھنی چاہیے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُنْزِلُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ مگر لوگ اس کی بجائے زور زور سے کلمہ شریف پڑھنے لگتے ہیں۔ کلمہ طیبہ بے شک افضل الذکر ہے۔ مگر اس مقام پر وہی کلمہ کتنا چاہے جس کی تعلیم دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ اسی میں اس کو لوٹائیں گے۔ اور پھر اسی میں سے دوبارہ زندہ کر گئے نَحْنُ الْيَوْمَ مُرْجِعُونَ کا یہی مطلب ہے۔

تمام چیزیں انسان کے لیے ہیں

انسان کی موت و حیات کا تذکرہ کرنے کے بعد دیگر انعامات کا اجماعی خاکہ پیش کیا ہوا اَلَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِيَ الْاَرْضِ مِنْ جَمِيعِ مَا فِي الْاَرْضِ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سب تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ غذا، لباس، پانی، ہوا، نباتات، خوشبو، آلات، نیک بختی اور کماں حاصل کرنے کے ذرائع سب انسانی مفاد کے واسطے ہیں۔ بعض چیزیں براہ راست انسانی مفاد میں ہیں۔ اور بعض بالواسطہ۔ حتیٰ کہ موزی جانور بھی تمہارے فائدے کے لیے ہیں۔ بعض اوقات زہریلے جانوروں کا زہر بھی تریاق کا کام دیتا ہے۔ کسی موسم میں انسان کھجوروں سے

تنگ آجاتا ہے۔ مگر یہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ یہ خلافت کے ڈھیر جو بیماری کا باعث بنتے ہیں، انہیں مکیاں ہی چاٹ جاتی ہیں یہ تو انسان پر احسان کرتی ہیں کہ خلافت کے خاتمے کا سبب بنتی ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی تخلیق والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا کیا۔ اور جمعہ کے روز نماز عصر کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ یہ سب چیزیں پہلے پیدا کر دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ذریعہ انسانی کی مصلحت فرشتوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انسان کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے فرشتوں کو بھیہ کیا۔ ان میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام اور ملائکہ اعلیٰ کے درجہ فرشتے ہیں۔ ان میں مقرب فرشتے بھی ہیں ان میں ملائکہ مافل کے فرشتے اور فضائی اور ہوائی فرشتے بھی ہیں۔ یہ سب کے سب انسان کی مصلحت کے لیے ہیں تاکہ انسان درجہ کمال تک پہنچ سکے۔

اللہ تعالیٰ نے موت کو پیدا کیا اور یہ ایک بڑی خطرناک چیز ہے۔ مگر میں بھی انسان کے لیے عبرت کا سدان موجود ہے۔ یہ بھی فائدے سے خالی نہیں شیخ سعدیؒ نے اس کی عظمت ایک مثال کے ذریعے کی ہے۔ ————— بادشاہ نہ وزیر خوش گھروں میں مصروف تھے۔ بادشاہ کہنے لگا۔ کاش کہ اگر میں موت نہ ہوتے، چہ خوش بودے، یعنی اگر یہ موت نہ ہوتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ ہماری بادشاہت ہمیشہ قائم رہتی۔ نہ موت وارد ہوتی اور نہ بادشاہت کا خاتمہ ہوتا۔ وزیر بڑا دانا آدمی تھا۔ کہنے لگا۔ اگر موت نہ ہوتے اس سلطنت تیرے لیے یعنی اگر موت نہ ہوتی تو یہ سلطنت تم تک کیسے پہنچتی۔ یہ موت ہی ہے جس کے ذریعے یہ بادشاہت تم تک پہنچی ہے۔ ورنہ یہ تمہارے آباؤ اجداد تک ہی محدود رہتی۔ آگے نہ چلتی۔ مقصد یہ کہ موت جیسی چیز بھی انسان کے لیے مفید ہے۔ کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اس مقام پر فقہائے کرام اور محدثین ایک اور مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اشیا میں اصل چیز اباحت ہے۔ حَقُّ نَفْسٍ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یعنی زمین کی تمام چیزیں تمہارے

موت سدان
عبرت ہے

یہ پیدائیں۔ اصلاً تمام چیزیں مباح یعنی جائز ہیں۔ البتہ جس چیز کے متعلق حرمت کی دلیل آئے گی صرف وہی حرام ہوگی۔ باقی سب جائز بھی جائے گی۔ ہر قسم کے جانور اور ہر قسم کے پھل انسان کے لیے مباح ہیں۔ مگر جہاں حکم آگیا کہ خنزیر حرام ہے۔ مردہ حرام ہے۔ یا فلاں قسم کا جانور حرام ہے تو وہ حرمت کے زمرہ میں آگیا۔ باقی سب جائز ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وضع ہی ایسی رکھی ہے کہ انہیں انسان کے فائدے کے لیے بنایا ہے۔ البتہ جس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ اس میں ضرر کوئی روحانی یا جسمانی قباحیت ہوگی۔ جس کی وجہ سے اُسے ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ سب چیزیں مباح ہیں۔

میاں پر ایک دوسرے سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر اباحت کے اس اصول کو من وعن تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز ہر حالت میں مباح قرار پائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہے ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی ضابطہ مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر چیز کا ہر شخص مالک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قبضہ اور ملک کا قانون مقرر کیا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں رہ کر کسی چیز کا قبضہ یا ملک ہو گا کسی صاحبِ بے نیاد کی موت کے بعد ہر شخص اس کی جائیداد کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس جائیداد پر قبضہ کس کا ہے۔ وراثت کے طور پر اس کا کون حقدار ہے۔ عطیہ کے طور پر کسی کو ملی ہے یا نہیں۔ یا کسی اور قانون کے تحت اس کا کون حقدار ہے یہ سب قانونِ شریعت میں موجود ہیں۔ اور انہیں کے مطابق حقوق کا تعین ہوگا۔ ہر شخص حقدار نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک عورت صرف ایک آدمی کے نکاح میں آ سکتی ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا زوجہ نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ عاقدہ کی وفات یا طلاق کی صورت میں وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں جا سکتی ہے لہذا اباحت کے اس نکتے کو بھی طرح بکھرنا چاہیے۔

آسمانوں کی تخلیق

زمین کی تمام اشیاء کی تخلیق کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اے انسان! میں نے تمہارے لیے صرف زمین کی چیزیں ہی پیدائیں کیں۔ بَلْ كَسَوُا السَّمَاءَ بِمَا هُمْ شُعُرَاتُ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا فَنَسُوهُمُ بِهِمْ فَاتُوا بِمِصْبَعٍ پس برابر کر دیا ان کو سات آسمان۔ یعنی تہ در تہ سات آسمان پیدا فرمائے۔ اور زمین سے آسمان تک اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے دہیز آسمان پیدا کئے ہیں۔ یزمانی تعلیمات کے ماہرین آسمانوں کی تعداد دو بتاتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ سات

آسمانوں کے ساتھ عرش اور کرسی کو شامل کر لیں تو فوج جاتے ہیں۔ کیونکہ عرش الہی ہے۔ اور کرسی الہی ہے۔ وہ آسمانوں سے بھی وسیع تر ہیں اور ذاتِ خداوندی ان تمام چیزوں سے ورادوار ہے۔

سبح تعالیٰ کی تجلی عرش پر واقع ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ اُسے تجلی عظیم نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس تجلی سے اول سارے عرش رنگین ہوتا ہے۔ پھر تمام کائنات رنگین ہوتی ہے اس کے نیچے تمام اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد وہ تجلی اس پست جاتی ہے۔

فریاد ”رَحْمُوْهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَجِيْبٌ“ یعنی وہ ہر چیز کو جانتے والا ہے۔ اُس کے علاوہ ہر چیز کو جسنے والا اور کوئی نہیں۔ لہذا عبادت بھی اُسی کی کرنی چاہیے۔ جو عظیم کل اور قادرِ مطلق ہے۔ ”رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ كُلِّ شَيْءٍ وَ قَدِيْرٌ“ جو قادر ہے۔ جو خالق اور رب ہے۔ اُس کے حور الہی کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ فتنے کو جتنے والا وہی ہے نہ عظیم صرف نہ تعالیٰ کہتے نہ جبرائیل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا۔ نہ نبیوں کا نہ ولیوں کا۔ اس لیے معبودِ بحق بھی صرف نہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کی یہ صفات جس طرح قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی طرح توراۃ اور انجیل میں بیان ہوئی ہیں۔ مگر لوگوں نے دس کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نافع اور ضار بھی وہی ذات ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا غائبانہ طور پر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے۔ وہ نہ نقصان۔ نہ کوئی فریاد سن سکتا ہے۔ اور نہ کوئی جڑی بنا سکتا ہے۔ نہ کسی کو تفصیل سے علم ہے۔ کہ کسی کو کیا تکلیف یا پریشانی ہے۔ کیونکہ عظیم کل صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

عبادت الہی
نام ہے

”كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تَسْعٰى كَرًّا وَّ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ“ تک دو آیات کا تعلق ”يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا لِلّٰهِ“ کے ساتھ ہے۔ یعنی اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کہ یہ تمہارے لیے لازمی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود کی نعمت بخشی، زندگی، پھر موت کا طاری کر دیا اور دوبارہ زندہ کرنا اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پھر اُس نے تمہیں زمین کی تمام نعمتیں عطا کیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ زمین کی تمام ہنریاں اور پھل پیدا کئے۔ اُسے

انسان متاء لکم و لا فکامکم یہ سب چیزیں تمہارے اور تمہارے پریشوں کے فائدے کے لیے ہیں۔ یہ پریشی بھی تمہاری ہی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان پر سواری کرتے ہو۔ ان سے کھیتی باڑی میں مدد دیتے ہو۔ اور پھر ان کا گوشت بھی کھاتے ہو۔ یہ سب چیزیں تمہاری خاطر پیدا کی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ خَلَقَ الْکُنُیَا لَکُمْ وَ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ لے انسان! یہ ماری دنیا تیرے لیے پیدا کی ہے۔ اور تو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اس کی معرفت حاصل کرو۔ اور اُسی کی عبادت کرو۔ وَمَخْلَقَتُ الْجَنَّةَ وَالْإِنْسَانَ الَّذِي نَعْبُدُ ذَٰلِكَ قُرْآنِ پاک شاہد ہے کہ انسانوں اور جنوں کی تخلیق محض عبادت الہی کے لیے ہوئی۔

قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا۔ آسمان و خان (دھول) کی شکل میں تھا۔ پھر اس کو برابر کر دیا۔ زمین کا پھیلاؤ اس کے بعد غل میں آیا۔ وَ اَنْزَلْنٰ مِنْ سَمٰوٰتٍ مَّاءً فَسَجَدَ لِہٖ دَہْلٌ وَ حَبَہَا زَمِیْنٌ کا مادہ کثیف ہے۔ اہم شاہد دل اللہ تعالیٰات الیہ میں فرماتے ہیں کہ جس طرح زمین مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح آسمان بھی کئی عناصر پر مشتمل ہے مگر آسمان کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں۔ اسی لیے وہاں شفافیت نظر آ رہی ہے۔ اور کوئی چیز جس قدر لطیف ہوگی، اسی قدر طاقتور ہوگی۔ دیکھئے روح لطیف چیز ہے۔ اس لیے اس میں قوت بھی زیادہ ہے۔ اور جتنی کوئی چیز کثیف ہوتی ہے۔ اتنی ہی کمزور اور ضعیف ہوتی ہے۔ الْغَرَضُ فَرَاہِ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہر صبر کا جاننے والا خدا تعالیٰ ہے لہذا عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیے۔

الْمَلَأَ

الْبَقْعَةَ

درس پانزدہم

(آیت ۲۰)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۚ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَیَنْحَرُ نَفْسًا بِحَمٰٓئِكَ وَتَقْعَدُ سُرُّسُ لَكَ ۚ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

ترجمہ: اور اس وقت کہ خیال میں لاؤ جب تیرے رب نے فرشتوں سے

فرمایا: تحقیق میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا

کیا زمین میں ایسوں کو بنائے گا جو اس میں فساد کریں گے۔ اور خون بہائیں گے اور

ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیری تعریف کے ساتھ اور تیری تزیین کرتے

ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۝۳۰

اس سے پہلے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے چار بنیادی مسائل یعنی قیامت، رسالت، ایمان بالقرآن اور معاد (قیامت) کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد قرآن و رسالت میں شک کرنے والے لوگوں کا رد فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن بے شمار انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا۔ جو اُس نے بنی نوع انسان پر کئے۔ ان میں خصوصاً مادی انعامات کا بیان تھا جس میں انسان کا اپنا وجود زمین و آسمان کی تخلیق، زمین میں پیدا ہونے والی تمام چیزیں شامل ہیں۔ بالخصوص زمین سے نکلنے والے پانی کا ذکر تھا جس سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں اسی سے نہایت زیادہ ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کا ذریعہ ہے۔

مادی انعامات کے تذکرہ کے بعد اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن روحانی اور نفسانی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اس نے انسان کو عطا فرمائیں۔ چنانچہ اس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت ارضی کو بیان فرمایا گیا۔ تخلیق آدم ایک بنیادی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت آدم علیہ السلام کو عطا کی اور پھر یہ خلافت بنی نوع انسان میں ودیعت کر کے خلافت ارضی کے مسئلہ کو واضح کر دیا۔ مگر اس رکوع کا موضوع خلافت ارضی ہے۔

قرآن پاک کی آیات مبارکہ اور احادیث سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی کے بعد حشر و نشر کی منزل طے کر کے جنت میں پہنچیں گے۔ ان میں سے ہر شخص بادشاہ ہوگا۔ اس دنیا میں تو بادشاہی کروڑوں میں سے ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ مگر جنت کے ہر باشندے کا اعزاز دنیا کے بادشاہ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ ہر جنتی کو آدم و حوا کے لیے آلے سامان میسر ہوں گے۔ جو دنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں جنت میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہو جائے۔

تخلیق الہی سے
قبل کے ادوار

اس رکوع میں تخلیق آدم کا ذکر ہے۔ مگر پہلے کے ادوار کو ہم نہیں جانتے۔ کسی کو خواب میں بھی معلوم نہیں ہوا۔ کہ آدم علیہ السلام سے پہلے کتنے دور گزر چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب تفسیرات النبیہ میں بیان کیا ہے۔ اور شاہ اسماعیل شہید

نے بھی اپنی کتاب "معقات" میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ کسی حکیم انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف آدم علیہ السلام کے دور ہی کو ابتداء سے انتہاء تک سمجھ لے۔ چہ جائیکہ کوئی شخص اس دور سے پہلے کے ادوار کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ حضرت مجتہد دالغ نانی، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید اور ان کے بعد مجد خود شاہ ولی اللہ اس امت کے آخری دور کے حکماء میں سے ہیں۔ البتہ ان پہلے بڑے بڑے حکماء گزشتہ ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی تفاسیر اور تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں امام ابن کثیر، بڑے پائے کے محدث، مفسر اور تاریخ دان ہوتے ہیں۔ آپ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے آپ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے۔ آپ کی تفسیر کی مشہور کتاب ابن کثیر ہے آپ نے بخاری شریف کی شرح اور اصول حدیث پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ نہایت مستند کتاب ہے۔ جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے ابتداء سے لے کر اپنے دور تک تمام زمانوں کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے روایت کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ صحیح اور غلط روایت کی پڑتال کی ہے۔ اگرچہ ابن خلدون اور ابن جریر جیسے بڑے مؤرخوں نے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں اور ہزاروں تاریخ کی کتب موجود ہیں۔ مگر ان سے مستند ترین کتاب امام ابن کثیر کی ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے

اس زمین پر کمی دور گزر چکے تھے۔ مثلاً ایک قوم یا افراد کو جن کئے تھے، اس کے بعد جن کا دور گزرا۔
 اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اس دنیا میں جنات کا دور دورہ تھا۔
 انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا۔ جس طرح آج کل کی دنیا میں قتل و غارت گری ایک عام معمول ہے
 اس طرح اُس دور کے جنات میں بھی جنگ و جدل عام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کی سرکوبی کے لیے
 فرشتوں کو بھیجا۔ چنانچہ سوں نے جنات کو مار مار کر پاڑوں اور جزیروں میں بھگا دیا اور اس زمین
 کو صاف کیا۔ اس واقعہ کے دو ہزار سال بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

جنات کا ذکر تو قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر آیا ہے۔ مابہم جن اور بن کے ادوار کا علم
 تاریخی روایات سے ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ موجودہ دور سے پہلے کتنے
 دور گزر چکے ہیں۔ حکماء نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اپنی کتابوں میں ان ادوار کا ذکر کیا ہے۔
 واللہ اعلم بالصواب۔

فرشتوں کا
دور تخلیق

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، فرشتوں، جنات اور شیاطین کو مختلف مادوں سے پیدا فرمایا۔
 پھر ان مادوں کے عناصر بھی مختلف ہیں۔ فرشتے ایک خاص ذریعہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔
 پھر ان فرشتوں کے مختلف درجات ہیں۔ امام شاہ دل اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ فرشتوں
 میں سب سے اعلیٰ درجہ ملا اعلیٰ کا ہے۔ یہ عالمین عرش فرشتے ہیں۔ درجہ فہر پر حَاقِ قِینِ حَولِ
 العرش والے فرشتے ہیں۔ یہ سب خلیفۃ القدس کے فرشتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے فرشتے پھر
 فضائی فرشتے، اس کے بعد ہوائی فرشتے اور ارضی فرشتے ہیں جو زمین پر موجود ہوتے ہیں۔ دیکھنا
 کے فرشتے ہیں۔

حجۃ اللہ ابانہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول درجے کے فرشتوں کا مادہ تخلیق اُس
 آگ کی مانند ہے جو دوران سفر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی۔ آپ اپنی زوجہ کے ہمراہ جا
 رہے تھے۔ بھیڑ بکریاں ساتھ تھیں۔ رات کا اندھیرا تھا۔ بیوی حاملہ تھی۔ اُن کو دروازہ شروع ہو گیا
 موسیٰ علیہ السلام کو دُور سے آگ نظر آئی۔ آپ اُس طرف گئے۔ تو وہ آگ ایک درخت سے نکل رہی

مٹی۔ جو درخت کے پتوں کو جلانے کی بجائے انہیں سرسبز و شاداب کر رہی تھی۔ آگ جس قدر بھڑکنی تھی درخت کی شاخوں اور پتوں میں شادابی آتی تھی۔ یہ واقعہ کس قدر قرآن پاک میں موجود ہے۔ بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ آگ نہیں تھی بلکہ حجاب نوری یا ناری تھا۔ الغرض! فرشتوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے مادے سے کی۔ پھر اس میں مقدس روحیں ڈالیں۔ جس طرح انسانوں اور جنوں میں روحیں موجود ہیں۔ اسی طرح فرشتوں میں بھی روحیں ہیں۔

جنات و شیاطین

جنات کے مادہ تخلیق کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے: وَالْجَانَّ تَخْلَقْنَهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارٍ۔ یعنی جنات کا مادہ تخلیق آگ اور ہول ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شیاطین کا مادہ تخلیق نہایت گندا اور خلیط ہوتا ہے۔ بالکل سدا اس کی مانند کہ جب وہ زیادہ مقدار میں ہوتا ہے۔ تو اس سے بنجار اور بواٹھتی ہے۔ تو گویا جنات اور شیاطین کا مادہ آگ اور ہول ہے۔ اس میں گیس برتی ہے۔ اور قبض کا مادہ بھی ہوتا ہے۔

انسان کا مادہ تخلیق

انسان کا مادہ تخلیق خاک ہے۔ دنیا میں جتنے بھی خارجی عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ سب آدم کے وجود میں موجود ہیں۔ تخلیق انسانی کے متعلق قرآن پاک میں آتھ ہے خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ انْشَانٍ كَرَمْرَمٍ۔ یعنی انسان کو کھڑکنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ دو سکر مقامات پر تراب اور طین کا لفظ بھی آتا ہے۔ الغرض انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ اور یہ تخلیق باقی تخلیقات کی نسبت پیچیدہ ہے۔ اس میں تمام عناصر پائے جاتے ہیں۔

اس مقام پر تخلیق انسانی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ یعنی اس بات پر غور کرو کہ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کے سامنے فرمایا کہ تحقیق میں میں میں خلیفہ بنانے والا ہوں گویا آدم کی تخلیق اس واسطے ہوئی کہ اُسے دنیا میں خلیفہ مقرر کیا جائے۔ لہذا آدم کی تخلیق مستقل تخلیق نہیں بلکہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں خلافت کا ایک اہم ترین مسئلہ بھی سمجھا دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: يٰٓدَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔ یعنی اے داؤد! ہم نے آپ کو دنیا میں خلیفہ بنایا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام
خلیفۃ اللہ میں

قرآن پاک میں خلیفہ و روحانی میں آتا ہے۔ پہلا معنی وہی ہے جو آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ میں آپ کو اپنا خلیفہ یعنی نائب بنانے والا ہوں۔ خَلَفْتُ يَخْلُفُ دوسرے کے پیچھے آنے والے یعنی نیابت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و ذات ہے جس نے تمہیں ایک دوسرے کا جانشین یا خلیفہ بنایا۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے۔

خلیفہ کا دوسرا معنی جو اس مقام پر واضح ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ یعنی نیابت انجام دینے والا پیدا کیا۔ انسان کے علاوہ باقی بے شمار مخلوقات بھی اس زمین پر پیدا کی گئی ہیں۔ مگر خلافت کا حق اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت انسان کو دیا ہے۔ اور اس سے بھی مراد یہ ہے کہ زمین اور مادی کائنات کی اصل بادشاہت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آدم علیہ السلام کو صرف نیابت تفویض ہوئی ہے۔ گویا انسان دنیا میں خلافت اپنی مرضی سے انجام نہیں دے گا۔ بلکہ حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہو گا۔ اور انسان اس حکم کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام سے جس خلافت کا وعدہ فرمایا اور جس کو پورا فرمایا وہی خلافت ہے۔ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيُخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

منہ خدوخت مند خدوخت منوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نظام، نظم خدوخت ہے۔ دین میں طو کیت اور ڈکیت و شب کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسان تو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنے والا ادارہ ہے۔ اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ کہ جس قسم کے احکام چاہے نافذ کرے بلکہ اسے احکام اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل کرنا ہوں گے۔

مسکونوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ منتخب ہونا چاہیے۔ صرف ایک خارجی فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔ کوئی اس کا خلیفہ نہیں ہے۔ یہ انارکسٹ لوگ ہیں جو خلافت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی بطور خلیفہ کے کی ہے۔ اس معاملہ میں شیعہ مذہب بھی باطل ہے۔ کہ اس کے پیروکار خلیفہ یا حاکم (امام) کو محسوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مانتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ خلیفہ کو

منتخب کرنے والے عام لوگ ہیں۔ اور وہی اسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ خلیفہ کا انتخاب واجب ہے اس کو مخصوص اور مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ جماعت المسلمین پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے بہتر شخص کو اس منصب پر فائز کر لیں۔ خلیفہ کے بغیر نظام ارضی کا چلانا درست نہیں ہے صحابہ کرامؓ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات پر مسئلہ خلافت آپ کے دفن سے پہلے طے کر لیا گیا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر مسئلہ خلافت طے نہ کیا جاتا تو امت کے اختلافات کا ختم ہونا ممکن نہ تھا۔ خود حضور علیہ السلام کے دفن کے متعلق اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ آپ کا جسد اطہر بیت المقدس لے جایا جائے۔ کوئی مکہ منظر لے جانے کے حق میں تھا۔ تو اس کا فیصلہ بھی حضور علیہ السلام کے جلسہ شہین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرو۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ جس جگہ پر آپ کا وصال مبارک ہوا۔ اُسی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے گا۔ اس طرح یہ اہم معاملہ طے ہو گیا۔ تاہم یہ واضح ہے کہ قرآن پاک یا حضور نبی کریم علیہ السلام نے کسی کا نام لے کر خلافت کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کام جماعت المسلمین پر چھوڑا کہ جس کو مناسب سمجھیں، خلیفہ مقرر کر لیں۔ البتہ نبی علیہ السلام نے اشارہ تا یہ بات سمجھا دی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِنَّمَا أَبِي بَكْرٍ** یعنی میرے بعد اللہ تعالیٰ بھی انکار کرے گا اور مومن بھی انکار کریں گے کہ خلیفہ ابو بکرؓ کے سوا کوئی نہیں ہونا چاہیے۔

انتخاب خلیفہ کا ایک طریقہ تو یہ ہو گیا کہ عامۃ المسلمین جس کو چاہیں اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے ذرائع بھی ہیں۔ جو امت میں ملے ہیں مثلاً حضرت ابو بکرؓ نے اپنے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کا انتخاب بطور خلیفہ خود کر دیا تھا۔ آپ نے ایک خط لکھ دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے پڑھو دینا۔ یہ گویا خلافت کا پروانہ تھا۔ حضرت عمرؓ

۱۔ شامی ترمذی ص ۶۶ ۲۔ شامی مع ترمذی ص ۶۶ ۳۔ مطبع نور محمد کراچی

۴۔ مسلم ص ۲۴۳ ۵۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۸

امت میں بہترین آدمی تھے۔ ان کا انتخاب اس طرح عمل میں آیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے چھ آدمیوں کی شوریٰ قائم کی اور فرمایا کہ میرے بعد خلافت کا فیصلہ یہ لوگ کریں گے۔ یہ چھ آدمی وہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہونے کے وقت ان سے بڑے راضی تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔

خلافت پر فائز ہونے کی ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص خود بخود علیہ پا کر حکومت حاصل کرے۔ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی قابل اطاعت ہے۔ ہاں اگر وہ شریعت کے احکام جاری کرنے میں کوتاہی کرے۔ تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمیں پر اس کے احکام نافذ کرنے کے لیے خلیفہ بنایا۔ اور پھر یہ خلافت آپ کی نسل میں باقی رکھی کہ خلافت کا حق بنی نوع انسان کو حاصل ہے۔ یہ حق کسی اور مخلوق کو نہیں پہنچتا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو "قَالَ لَا تَجْعَلُ فِيهَا مَثْوً لِّقَوْمٍ فَفِيسِدُوا فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ"۔ یعنی فرشتوں نے کہا اے مولا کریم تو دنیا میں ایسی بستی کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے جو زمین میں فساد کریں گے۔ اور خون بہائیں گے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ جواب کئی وجوہات کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ اولیٰ یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات انیس الہام کی ہے جس کی بنا پر انسانوں نے یہ رائے دی۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے جنات کے حالات پر قیاس کیا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ جنات نے زمین پر فتنہ و فساد برپا کیا۔ انہوں نے گمان کیا کہ آدم کی اولاد بھی ایسا ہی کرے گی۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فرشتوں نے خلیفہ کے لفظ سے یہ قیاس کیا کہ خلیفہ جب زمین پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالے گا۔ تو وہاں پر لانا فتنہ و فساد اور خونریزی بھی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یہ جواب دیا۔ تاہم زیادہ تر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ گمان جنات کے حالات کی بنا پر تھا۔

اس گمان کے اظہار کے ساتھ ساتھ فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں یہ بھی عرض کیا "وَنَحْنُ

نَسِيتُ بِحَمْدِكَ مَوْلَايَ مُحَمَّدًا: اس فتنہ و فساد برپا کرنے والی مخلوق کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ۔ وَفَقَدْ سَأَلْتُكَ اَللّٰهُ تَعَالٰی پکیزگی بھی بیان کرتے ہیں۔ لہذا ہم اس کام کے لیے کافی ہیں۔

تحمید کا معنی یہ کہ خوبی کی تمام باتیں اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور تنزیہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک ہے۔ وہ ہر قسم کی کمزوریوں اور نقائص والی چیزوں سے مبرا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام شریحوں سے پاک ہے۔

فرشتوں کا یہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اے فرشتو! تم اس راز کو نہیں مانتے۔ صرف میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے آدم میں کس قدر کمال اور شرف و ولایت کیا ہے۔

الْبَقَرَةِ

البقرة

درس شانزدہم

(آیت ۲۱ تا ۲۴)

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَكِ
فَقَالَ أَتُبُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾
قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ فَلَمَّا
أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ
غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ
تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائیے۔ پھر پیش کیا ان
کو فرشتوں پر۔ پس کہا مجھے ان چیزوں کے نام یاد اگر تم سچے ہو ﴿۳۱﴾ انہوں نے
کہا پاک ہے تیری ذات۔ نہیں ہے ہمارے پاس علم مگر وہ جو تو نے ہم کو سکھایا ہے۔
بیشک تو ہی علم وال اور حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم!
بتلائیے ان کو ان چیزوں کے نام پس جب اُس نے ان کو ان چیزوں کے نام
بتلا دیے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمینوں
کی پوشیدہ چیزوں کو۔ اور میں جانتا ہوں اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جس کو
تم چھپاتے ہو۔ ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع ان کو مددایت اختیار کرنے اور اپنے خالق کی عبادت کرنے
کا حکم دیا ہے۔ اور اس کی پہچان کے سلسلے میں اُس کی صفات و کمالات کا ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ
نے ان انعامات کا ذکر فرمایا جو اُس نے نسل انسانی پر کیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کی تخلیق کا ذکر کیا "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَكِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"۔
اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے تذکرہ کیا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں

نے جواب میں کہا اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا کیا تو زمین میں ایسی ہستی کو بنائے گا جو فساد کریگی اور خون بہائے گی۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ تیری حمد کے ساتھ۔ اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ "یعنی بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

خلافت کے متعلق بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خلافت نیابت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کو بطور خلیفہ یا فریادہ ہے تاکہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت کے فرائض انجام دے سکیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر شرعی قانون انسان کے ذریعے نافذ فرمایا ہے۔ اور ان کو اپنی احکام یعنی وہ احکام جو انسانوں سے متعلق نہیں ہیں وہ قدرت کے مقرر کردہ دوسرے کارندے انجام دیتے ہیں۔

تخلیق آدم پر فرشتوں کا گمان کرنا کہ یہ زمین پر فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ اس کا بیان بھی ہو چکا۔ فرشتوں نے خیال کیا کہ خلیفہ کی ضرورت ہی ایسی جگہ پڑتی ہے جہاں قتل و غارت اور خونریزی ہوگی۔ لہذا انہوں نے ایسا گمان کیا۔ یا پھر یہ وجہ تھی کہ انہوں نے انسانوں کو جنوں پر قیاس کیا۔ جو اس نسل سے پہلے اس زمین پر فتنہ و فساد برپا کر چکے تھے۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان سوال و جواب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کی حکمت کے اظہار کے لیے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائیے۔ ان ناموں سے کیا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کون سے نام آدم علیہ السلام کو سکھائے۔ اس سلسلے میں مفسرین کرام کے کئی اقوال ہیں۔ تفسیر البرہان اور مذہک عربی زبان کی چار چار جلدوں کی مختصر تفسیریں ہیں۔ ان کے مؤلفین متغی اہم تھے۔ وہ اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ سے مراد تمام انواع و اجناس کے نام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سکھائے۔ اس سے مراد ہر ہر فرد کا نام سکھانا نہیں۔ کیونکہ ہر ہر فرد اور جزو کا تعلق غیب سے ہے اور اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ انواع و اجناس

آدم علیہ السلام کو
کئی چیزوں کے
نام سکھائے گئے

کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان ایک نوعی نام ہے۔ اس طرح اجناس میں سے جو ان ایک جنس سے ہے۔ اور پھر آگے اس کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً گھوڑے، بھینس، گائے بھیڑ بکریاں، کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے نام آدم علیہ السلام کو سکھائے۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ عَلَّمَ اَدَمَ اَنْ يَّسْمَعَ اَسْمَاءَ شَيْءٍ مِّمَّا رَزَقْنَاهُ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے نام بتلا دیے۔ برخلاف اس کے شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ اسماء سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ نہ کہ بعض دوسری چیزوں کے نام بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اسماء سے مراد جزایات ہیں۔ مگر تمام کی تمام اور ہر قسم کی جزایات نہیں۔ بلکہ صرف وہ جزایات مراد ہیں جن کی ضرورت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف انسانی ضروریات کی تمام چیزوں کے نام بتلا دیے۔ جو چیزیں انسانی ضرورت سے باہر ہیں۔ ان کے بتانے کا نہ کوئی فائدہ تھا۔ اور نہ ہی وہ بتائیں۔ قرآن پاک میں اس کی مثال سورۃ نمل میں آتی ہے کہ عَلَّمَ سَابِقُونَ اَنْ يَّسْمِعُوا شَيْءًا مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ تو یہاں پر ہر چیز سے مراد اس کی سلطنت کی ضروریات ہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس زمانے میں ملک سب کے پاس فنیشنم طیارے اور راکٹ بھی موجود تھے۔ بلکہ ضرورت کی تمام اشیاء سے مراد تھیں۔ تو یہاں پر بھی اَلْاَسْمَاءُ الْكَلِمَاتُ سے مراد انہی چیزوں کے نام ہیں جو انسانی ضروریات میں شامل ہیں۔ اسی طرح سورۃ نمل میں شدہ کی مکھیروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَتَّبِعْ كُلَّ مِمَّنْ رَزَقْتَ مِنْ دَاجِلٍ اَنْ يَّسْمِعُوا شَيْءًا مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ایک پاکیزہ چیز رکھ دی ہے۔ اور اس کے بریٹ میں ایک لطیف قسم کا مادہ پیدا کر دیا ہے۔ جس سے شدہ بنتا ہے۔ تو یہاں پر تمام قسم کے پھل کھانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ دنیا جہاں کا ہر اچھا بڑا کھانا کھلا پھیل کھائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ضرورت اور رسائی کے مطابق جتنے پھل میں مکھی اُن پر چبھتی ہے۔ اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ شدہ جیسی مفید چیز پیدا کرتا ہے۔ باوام اور

۱۔ ابن کثیر ص ۲۱۰، تفسیر طبری ص ۲۱۱، ۲

۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۰

۴۔ معالم التنزیل ص ۲۱۱

ملفوظ کا مکتبہ

آدم علیہ السلام کو تمام ضروری اشیاء کے نام کھلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آزمایا۔ چنانچہ وہ تمام چیزیں فرشتوں کے سامنے پیش کر دیں ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں کو حکم دیا اِنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ مجھے ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ ان کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم سچے ہو۔ یعنی اے فرشتو! تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ان فی مخلوق کے پیدا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ تم میری تسبیح و تقدیس بیان کرنے کے لیے کافی ہو۔ اور یہ مخلوق تو دنیا میں خوریزی کرے گی۔ مگر تم نہیں جانتے کہ انسان کون سے کمالات کا محل ہو گا۔ بھلا ان کے علم و فہم کا کمال سب سے اعلیٰ ہے۔ جو اے دیا گیا ہے۔ اور خلیفہ کے لیے ان چیزوں کی ماہیت اور حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جن پر اس نے احکام کا نفاذ کرنا ہے۔ مثلاً اگر خلیفہ کو شراب کی خاصیت کا ہی علم نہ ہو کہ یہ کس طرح انسانی عقل کو مآوٹ کرتی ہے۔ اور یہ کن نقصانات کی وجہ سے ام المہجاشٹ کسلائی ہے۔ تو خلیفہ شراب کے ریا کو سزا کیسے دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری چیزوں کے نام، ان کی حقیقت اور ماہیت سے آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کر سکے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ كُنْ لَکَ لَیْلٌ مِّمَّا کَرِیْمٌ تیری ذات پاک ہے لا ۛ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں ان چیزوں کے اسرار ان کی خاصیت اور ماہیت کا علم نہیں ہے۔ ہم اس معاملہ میں عاجز ہیں۔ ہمارا علم تو اسی قدر ہے جس قدر تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ بے شک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بتلادیا تھا کہ آدم میں ہمیت اور حکمت دونوں خواص ہوں گے۔ مگر فرشتوں کی نگاہ صرف ہمیت تک ہی پہنچی۔ آدم کی حکمت تک نہ گئی۔ چنانچہ اس کمال کو واضح کرنے کے لیے علمی صلاحیت ہمیش کی۔ تب فرشتوں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ کہ ہمارے پاس یہ کمال نہیں ہے۔

ہیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے عطا کیا۔ ہاں جس ہستی کے پاس علم و فہم کا یہ خزانہ ہو گا۔ خلافت کے لائق وہی ہوگی۔ اور وہی ہستی قانون خداوندی کو نافذ کر سکے گی۔

یاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک علم فرشتوں کو عطا ہی نہیں کیا تو ان کے امتحان کا کیا مطلب؟ اگر آدم علیہ السلام کی طرح فرشتوں کو بھی وہ علم سکھلادیا جاتا تو وہ بھی جواب دے دیتے۔ اس کے جواب میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو امتحان کی تعلیم فرشتوں کی موجودگی میں ہی دی گئی تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی ضرورت تھی۔ لہذا انہوں نے ان کے نام ذہن میں محفوظ کر لیے۔ مگر فرشتوں کو چونکہ ایسی چیزوں کی ضرورت ہی نہ تھی لہذا انہوں نے یہ نام ذہن نشین نہ کئے کی کوشش ہی نہ کی۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی استاد پڑھنی کلاس کے سامنے پچھڑے سبق کی پوری پوری وضاحت کر دے۔ مگر بتا دے کہ امتحان کے وقت بعض طالب علم ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں۔ مگر بعض کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ حالانکہ استاد نے سب کو بیک وقت ایک ہی پچھر دیا تھا۔ یہی حال آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا ہوا۔ آدم علیہ السلام نے حسبِ حال بھولنے کی بناء پر ان چیزوں کے نام یاد کر لیے اور بوقت امتحان بتا دیے۔ مگر فرشتے اس سبق کو ضبط نہ کر سکے لہذا انہوں نے امتحان کے وقت عاجزی کا اظہار کر دیا۔

انفرنس! جب فرشتے اس امتحان میں ناکام ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے قَالَ يٰٰآدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاسْمٰئِہُمْ فرمایا اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتا دے۔ چنانچہ اَنْبَاہُمْ بِاسْمٰئِہُمْ جب آدم علیہ السلام نے ان کو ان چیزوں کے نام بتا دیے۔ کہ یہ بٹریا ہے۔ اس میں سالن پکایا جاتا ہے۔ یہ تو اسے اس پر بدلی پکائی جاتی ہے۔ یہ فلاں چیز ہے۔ یہ فلاں چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر امتحانی سوال کیے۔ آدم علیہ السلام نے درجہ جواب دے دیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ یٰٰمِیْنَ تم نے تم سے نہیں کہا تھا اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں کہ میں آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہوں۔

آدم علیہ السلام
کی کامیابی

یہاں آسمان و زمین کے غیوب کا تعلق مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے
 بھی کوئی چیز غائب ہے۔ اس کے لیے تو کوئی چیز بھی پس پردہ نہیں۔ البتہ مخلوق کے لیے
 بعض چیزیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور بعض پوشیدہ۔ دوسری جگہ ہے ”وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ
 مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ“ تیرے رب کے تو ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس پر تو ہر چیز عیاں ہے۔
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ عالم الغیب والشہادۃ اس لیے بولا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر چیز کو جانتا
 ہے۔ جو مخلوق کے اعتبار سے پوشیدہ ہے یا ظاہر ہے۔ یہاں پر بھی اِنِّیْ عَلَّمَ غَیْبَ
 السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مطلب یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں زمین و آسمان کی تمام
 چیزوں کو جانتا ہوں۔ جو مخلوق یعنی انسان جن اور فرشتوں کے اعتبار سے خواہ پوشیدہ ہیں یا
 ظاہر ہیں۔ حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کی صلاحیت اور ان کے کمال کو بھی جانتا ہوں۔ اُسے فرشتہ قمار
 نظر تو آدم علیہ السلام کی ہیئت تک ہی پہنچی ہے اور اسی سے تم نے اعزازہ لگایا ہے۔ کہ یہ
 فتنہ دغا دہو پا کرے گا۔ اور خونیازی کا مرتکب ہو گا۔ یا تم نے خات پر قیاس کر کے کہہ دیا ہے
 کہ آدم زمین میں لڑائی سمجھوٹے کا موجب بنے گا۔ تمہاری نظر اس کے کمال تک پہنچ جاتی تو یہ
 گمان نہ کرتے۔

ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ اے مولا کریم! ہم تیری تسبیح و تقدیس
 بیان کرنے والے ہیں لہذا اگر زمین میں نیابت کی ضرورت ہے۔ تو ہم حاضر ہیں۔
 اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہر اُس چیز کو جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپانے
 ہو۔ اے فرشتو! شاید تمہارا خیال ہو کہ جو صلاحیت ہم میں پہنچی جاتی ہے۔ وہ آدم میں نہ پائی جاتی ہو۔
 مگر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے آدم میں وہ کمال رکھ دیا ہے۔ جہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہے۔
 لہذا نیابت کا حقدار آدم علیہ السلام ہی ہے۔ اسی لیے فرمایا ”وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ
 تَكْتُمُونَ“ اے فرشتو! میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بزرگی اور فضیلت کو اعلیٰ طور پر فرشتوں کے سامنے پیش
 کیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرشتوں کو مسجد کے حکم کا بیان ہے۔

الْعَمَّ

الْبَقِيَّةُ .

درس ہفتم ۱۵

(آیت ۲۴ تا ۲۹)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلٰسَ
 اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۴ وَقُلْنَا يَا اٰدَمُ
 اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
 شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الصّٰمِكِيْنَ
 ۝۲۵ فَازْلٰهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
 فِيْهِ ۝ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ
 فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۲۶

ترجمہ : اور اس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب کہ ہم نے فرشتوں سے
 سجدہ کر د آدم کے لیے پس سجدہ کیا انہوں نے۔ مگر ابلیس نے انکار کیا اور تنجر
 کیا اور وہ کفر کرنے والوں میں سے تھا ۝۲۴ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری
 بیوی جنت میں رہو۔ اور تم دونوں اس میں سے وسعت اور کشادگی سے کھاؤ۔
 جہاں سے بھی چاہو۔ اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، پس ہو جاؤ گے
 تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ۝۲۵ پس پھلدار اُن دونوں کو شیطن نے
 اُس سے پس اُن کو اُس نعمت سے نکالاجس کے اندر وہ تھے اور ہم نے کہا اتر
 جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا

ہے۔ اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کی بات ہے ۝۲۶

فرشتوں کی
 سجدہ دینی
 میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کی تعظیم پڑائی۔ تاکہ ان کی نیابت واضح ہو جائے۔
 تو فرشتوں کو حکم ہوا۔ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ کہ آدم علیہ السلام کے
 لیے سجدہ کرو فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلٰسَ مگر ابلیس نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

مفسرین کرام نے اس مسئلہ میں بڑی بحث کی ہے۔ کہ جو سجدہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے
 آدم علیہ السلام کے لیے کرایا، وہ کس قسم کا سجدہ تھا۔ انتہائی درجے کی عاجزی و تہنُّل اور تواضع
 کے ساتھ پیشانی کو زمین پر رکھ دینا سجدہ کہلا آتا ہے۔ اور اس کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً اگر پیشانی
 معبودِ حق کے حق کو ادا کرنے کے لیے جھکانی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسا کوئی نامہر دور اور ہر
 شریعت میں حرام باطل، کفر اور ترکِ ریاست ہے۔ اور ایسے سجدہ کو سجدہ عبادت کہتے ہیں البتہ
 سجدہ تحیہ و تحکیم جو محض عزت و اعزاز کے لیے کیا جائے۔ یا جو سلام کے وقت کیا جائے۔ یا
 سجدہ پہلی شریعتوں میں واقع۔ مگر ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ کے ملازم کسی درجہ کو یہ سجدہ
 کرنا بھی عرام قرار دیا گیا ہے۔ جو سجدہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام سے رو برد کیا۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا
 یہ سجدہ عبادت نہ تھا۔ جو ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے درمیان فرق صرف نیت سے ہی
 ممکن ہے۔ اگر بوقت سجدہ نیت یہ ہے کہ یہ وہی سجدہ ہے جو حق تعالیٰ کے سامنے ہوا ہے
 تو پھر ایسا سجدہ غیر اللہ کے سامنے کفر اور سُرک ہوگا۔ اور اگر سجدہ محض تعظیم و تہنُّل کے لیے ہے
 تو یہ پہلی امتوں میں جائز تھا۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ یا فرشتوں
 کا آدم علیہ السلام کو سجدہ۔ مگر ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ ناجائز ہے۔ خواہ وہ تعظیمی ہو یا عبادتی
 ہو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی خیر کے سامنے سجدہ منع ہے۔ ترمذی شریعت کی روایت میں حضور
 علیہ السلام کا فرمان ہے لَوْ كُنْتُ أَهْرَاحَدًا لَّكَرْتُ الْمَرْءَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَوْجِهَةٍ
 یعنی اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خادمہ کے سامنے سجدہ کرے
 کہ اللہ تعالیٰ نے خادمہ کا بڑا حق رکھا ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتے ہیں لَا يَصْلَحُ
 لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ یعنی کسی انسان کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو
 سجدہ کرے۔ ایک صحابی نے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ غنیمت! ہم ہم

۱۔ تفسیر عزیزی فارسی ۱۰۰۰، تفسیر ابن کثیر ۱۰۰۰، حجة اللہ اب لغز ۱۰۰۰

۲۔ ترمذی ۱۸۰۰، ۳۔ منہ احمد ص ۱۵۹

خدا تعالیٰ کے
 سامنے کو اب ہر قسم
 سجدہ حرام ہے

جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہوں کو کعبہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو باطل ہیں۔ اور آپ نبی برحق ہیں۔ تو ہم آپ کے سامنے کیوں کعبہ نہ کریں۔ حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا اور کہا کہ دیکھو بھائی! جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تو کیا تم میری قبر پر کعبہ کر دو گے۔ تو اس شخص نے کہا حضور! ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا جس طرح میری قبر پر کعبہ حرام ہے۔ اسی طرح میرے سامنے کعبہ گونا آج بھی حرام ہے خواہ تعظیمی ہی کیوں نہ ہو۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قبر کو کعبہ کیا تو اس کو کفر اور شرک تو نہیں کہیں گے مگر اس کے حرام ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ اور اگر اس کعبہ سے مراد وہی کعبہ ہے جو بندے اپنے رب کے سامنے کرتے ہیں۔ تو ایسا کرنے والا کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور اگر محض تعظیم کے لیے قبر بادشاہ یا استاد کے سامنے کیا ہے۔ تو تمام صحیح کرام، ائمہ دین، علمائے کرام اور سلف صالحین کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگرچہ کفر کے درجے تک نہیں پہنچتا۔

فرشتوں کے کعبہ کی بعض توجیہات

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کو کعبہ بمنزلہ قبلہ کے تھا۔ یعنی حیثیت میں کعبہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام محض حجت تھے۔ جن کی طرف منہ کر کے کعبہ کیا گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم آج بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور کعبہ ریزہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے مراد قبلہ کو کعبہ کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ کعبہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں نے بھی آدم علیہ السلام کی طرف منہ محض قبلہ ہونے کی حیثیت سے کیا تھا۔ کعبہ آدم علیہ السلام کو نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ لا اذم کال آسبی ہے۔ یعنی حکم یہ تھا کہ حق تعالیٰ کو کعبہ کرو۔ آدم علیہ السلام کی وجہ اور سبب سے اور بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس کعبہ میں دونوں باتیں

پائی جاتی ہیں۔ یعنی سجدہ و عبادت تو اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ اور تعظیم و تکریم آدم علیہ السلام کے لیے تھی۔
گویا یہ خلافت کا تعظیمی سجدہ تھا۔

سجدہ خلافت یا سجدہ تعظیمی میں سجدہ الیہ عرضی یا مجازی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا نازوقی فرماتے ہیں: کہ سجدہ عبادت میں سجدہ الیہ بالذات ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا عبید اللہ سندھی مفسر قرآن کی توجیہ یہ ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی اس زبردست تجلی کو سجدہ کیا تھا۔ جو آدم علیہ السلام کے قلب پر پڑ رہی تھی۔ یہی توجیہ مولانا نازوقی نے خانہ جہ کے متعلق اس وقت کی تھی جب ایک ہندو دیوانہ سرسوتی نے اعتراض پیش کیا تھا۔ اس کا کنایہ تھا کہ اگر ہندو پتھر کی مورتیوں کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ تو مسلمان بھی پتھروں سے بنی ہوئی دیواروں والے مکان یعنی خانہ کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر ہندو اور مسلمان میں فرق کیا ہوا؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ مسلمان اس مکان کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اس تجلی الہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ جو اس گھر پر پڑتی ہے۔ چونکہ یہ تجلی عظیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہذا مسلمان پتھر کی دیواروں کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کو کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی وقت خدا نخواستہ بیت اللہ شریف کی دیواریں منہدم بھی ہو جائیں اور بظاہر دہاں کوئی چیز باقی نہ رہے تو بھی مسلمان اسی جہت میں سجدہ ریز ہوں گے۔ برخلاف اس کے ہندو اسی طرف سجدہ کریں گے۔ جس طرف ان کا بت رکھا ہوا ہوگا۔ لہذا معلوم ہو کہ بت کے سامنے سجدہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔

الغرض! جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تو فَسَجَدُوا سب نے سجدہ کیا اِنْ اَبْلَسُوا سِوَايَ ابليس کے۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا۔ وَادْفَعْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ السُّجُودَ اَمْمًا ابليس کے انکار کا کیا مطلب؟ تو مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ سجدے کا حکم نہ صرف ملائکہ کو تھا، بلکہ جنات کو بھی تھا۔ اور ابليس جنات میں سے ہے۔ بلکہ ابلیس جنات تھا۔ اور جب کسی بڑے کو کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ تو

ابليس کا

اس کے ماتحت داسے خود بخود اس حکم کے پابند ہو جاتے ہیں۔ سورۃ اعراف میں ابلیس کے متعلق آتا ہے کہ جب اس نے سجدہ نہ کیا۔ **قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی نَے دریافت کیا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ۚ اِنَّكَ اَمْرٌ تُتَلٰٓفُکَ** جب میں نے تمہیں حکم دیا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو بھی ہوا تھا۔ اور نسلی طور پر یہ جنات میں سے تھا۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں **كَانَ مِنْ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ** وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔ مقصد یہ کہ سجدہ کا حکم فرشتوں اور جنات دونوں النامع کو ہوا تھا۔ فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سر بسجود ہو گئے۔ مگر ابلیس اور اس کی قوم نے انکار کیا۔

حضرت یحییٰٰ منیریؒ خواجہ نظام الدین ابویارؒ کے خلیفہ اور بڑے پائے کے عالم اور بزرگ تھے انہوں نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ مگر ایک حکم کی سربانی پر مردود ہو گیا۔ بعد اتنے لمبے عرصے کی عبادت برباد ہو گئی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ محدث ابن ابی الدنیل نے اپنی کتاب **مکایہ الشیطان** میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ **مکایہ الشیطان** کا مطلب ہے۔ شیطان کی مکاریاں۔ تردہ فرماتے ہیں کہ کسی موقع پر ابلیس کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو گئی۔ ابلیس نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس میری سفارش کریں۔ وہ میری توبہ قبول کر لے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کا وعدہ کیا۔ اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ اور صبر سے خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ میں ابلیس کی توبہ اس شرط پر قبول کرنے کو تیار ہوں کہ وہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو یہ شرط پیش کی تو کہنے لگا کہ زندگی میں تو میں نے آدم کو سجدہ کیا اب اس کی قبر کو سجدہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ ابلیس اپنی بات پر پکا تھا۔ اس نے انکار کیا۔ **اَبٰی وَاَسْتَکْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ** نہ صرف انکار کیا بلکہ تکبر بھی کیا۔ اور تھا انکار کرنے والوں میں۔

میاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ آپ کے مشاہدہ میں بھی شاید آیا ہو کہ آجکل کے بعض

دو ٹکڑے کر کے بڑی شکل سے اونٹ پر لاد لیا۔ اگر اس دنیا میں آنا بڑا سنگڑہ ہو سکتا ہے۔ تو جنت میں گندم کا درخت آنا بڑا کیوں نہیں ہو سکتا۔ ام المومنین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے دین راستہ لیا کھیرا دیکھا ہے۔ یہ ترکی قسم کا کھیرا جو موسم گرما میں ہوتا ہے۔ اور بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزل کے وقت امار کے دانے اُٹنے لگے بڑے بڑے ہوں گے۔ کہ ایک دانے کے نصف خول سے آنا بڑا خیمہ بن سکیگا۔ جس کے نیچے دس بیس آدمی ٹھہر سکیں۔ ہر حال یہ اعتراض معقول نہیں ہے۔ کہ گندم کا پودا ہوتا ہے۔ درخت نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ جنت میں گندم کا بہت بڑا درخت ہو۔ جس کے قریب جانے یا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔

شیطانی دوسرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام اور حضرت خا جنت میں بہتے لگے۔ وہ بچوں کی طرح معصوم تھے۔ ابھی ان میں جہیمیت کا دورہ نہیں ابھرا تھا۔ کہ شیطان نے سمیٹہ آہستہ دوسرے ڈان شروع کیا۔ فَازَلَّهُمَّا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ان دونوں کو شیطان نے پھسلا دیا۔ دوسری جگہ آتا ہے: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا لَئِيْلَ مَا كَانَا فِيهِ غُلَامًا مُّذْنَبًا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ درخت کا پھل کھانے کے متعلق دوسرے ڈالا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ درخت کا پھل کھانے کے متعلق دوسرے ڈالا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ شیطان نے کہا کہ اس کو کھا لو گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جاؤ گے۔ اور کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ دوسرے دل کے اندر ہی ڈالا جائے۔ کوئی فعل سرزد کرنے سے بھی دوسرے انداز ہی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان ایک جنیہ کو پکڑ کر لایا۔ اور جنت کے دروازے پر اس سے مباشرت کی جسے آدم علیہ السلام دیکھ کر سمجھے تھے۔ تو ان کے دل میں جیسا ہی خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت خا کے ساتھ معاربت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنت کا لباس تر گیا۔ اور وہ دونوں رہنے ہو گئے۔

شیطان کی دوسرا اندازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دوسرا اندازی نے فَاَخْرَجْنَاهُمَا مِنْهَا مَعًا كَانَا فِيهَا
 ان دونوں کو اس جگہ یعنی جنت سے نکال دیا جس کے اندر وہ تھے۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوا اور
 ہم نے کہا اتر جاؤ وَلَعَنَّا لِبَعْضِكُم لِبَعْضٍ عَذَابًا بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں۔ شیطان تمہارا
 دشمن ہے اور تم اس کے دشمن ہو۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مَسَقَرٌ اور زمین میں تمہارے
 لیے ٹھکانا ہے۔ اب تمہاری رہائش زمین پر ہوگی۔ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِينٍ اور ایک مدت
 تمہارا متاع: اٹھانا ہے۔ یعنی تمہاری اصل رہائش گاہ زمین ہی ہوگی۔ البتہ اگر زمین کو چھوڑ
 کر کہیں فضاؤں یا مہندروں میں جاؤ گے تو وہ عارضی قیام گاہ ہوگا۔ مستقل قیام زمین پر ہی کرو گے
 آج کے دور میں جو پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہم زمین پر مستقل طور پر نہیں رہیں گے۔ بہت چاند،
 مریخ یا دوسرے سیاروں میں پیسے جائیں گے۔ تو یہ محض شیطانی پراپیگنڈا ہے۔ چاند ہماری زمین سے
 قریب ترین سیارہ ہے۔ اور اس کا فاصلہ اڑھائی لاکھ میل ہے۔ مریخ تو یہاں سے پچاس کروڑ
 میل دور ہے۔ اور دوسرے سیارے اس سے بھی دور ہیں۔ فرض کر لیا کہ چاند پر رہائش کا بندوبست
 ہو جاتا ہے۔ وہاں ہوٹل قائم ہو جاتے ہیں۔ تو سائنس دانوں کا اپنا اندازہ یہ ہے کہ ایک پونڈ
 غذا کو چاند پر پہنچانے کے لیے تیس ہزار پونڈ خرچ ہوں گے۔ وہاں پہنچنے کا خصوصی لباس چار لاکھ
 روپے میں تیار ہوگا۔ یہ لباس تو راستے میں ہی جل جائے گا۔

زمین ہی مس
 ٹھکانا ہے

..... چاند پر تو ایسی لباس پہنا ہوگا۔ وہاں کی گرمی
 کی مقدار تقریباً چالیس ہزار سنی ڈگری ہے۔ جہاں پر پانی تو کھاتا بنا ہی پھٹنے لگتا ہے۔ یہ اند کے
 ایک طرف گرمی ہے۔ اور دوسری طرف اتنی سردی ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔
 لہذا ایسی جگہ پر بننے کے لیے اتنا قیمتی لباس تیار کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے۔ خوراک اور لباس
 پر اتنی رقم کون خرچ کر کے رہائش پذیر ہوگا۔ اگر کوئی وہاں نہ پہنچے گا بھی۔ تو اس کا قیام
 بالکل عارضی ہوگا۔ آخر کار اُسے زمین پر ہی آنا پڑے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارا اصل ٹھکانا، زمین
 ہی ہوگا۔ وَدُوسرٰی جگہ فرمایا مِنْہَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْہَا نَفِیْذُکُمْ
وَمِنْہَا خَرَجْتُمْ کُنَّ نَارًا اُخْرٰی اے انسان! ہم نے تمہیں اسی
 زمین سے پیدا کیا۔ اسی میں لوٹائیں گے۔ اور پھر قیامت کو دوسری مرتبہ اسی سے نکالیں

گئے۔ اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ اے آدم اور حوا تم یہاں سے زمین پر اتر جاؤ۔ ایک خاص
دست تک وہی تمہارا ٹھکانا ہوگی۔

البقرة

آیت ۲۹، ۳۰

دری شہر و قوم

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ
 الرَّحِيمُ ۝ (۳۰) قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ
 مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
 يَحْزَنُونَ ۝ (۳۱) وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
 أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (۳۲)

۱۷۲

ترجمہ:۔ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا آدم کی طرف وہ بانی کے ساتھ۔ بے شک وہ رجوع کرنے والا ہے وہ مہربان ہے (۳۰) ہم نے کہا تم سب زمین پر اتر جاؤ۔ پس جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت کی پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، اُن پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ نہ کھائیں گے (۳۱) اور جنہوں نے کفر کیا۔ اور جاری آیتوں کو ہٹا دیا۔ وہ دوزخ واس ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۳۲)

گزارت پور

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ تو ان سے انعام و اکرام لے لئے گئے۔ اور انہیں حکم ہوا کہ زمین پر اتر جاؤ۔ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور تمہیں ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اب آدم علیہ السلام کو بڑی پریشانی ہوئی کہ انہیں زمین پر اترنے کا حکم مل گیا ہے۔ بعض دونوں میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام آئے اور آدم علیہ السلام کے سر سے قلعہ اتار لیا۔ اور اُن کے جسم سے بہشت کا لباس بھی اتار لیا اور انہیں رہنے کو دیا۔ چنانچہ انہوں نے تہہ نہا پینے کے لیے جنت کے درخت کے پتے استعمال کیے۔ کیونکہ دوسروں کے سامنے ستر کا کھنڈ خلافِ فطرت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام
کی توبہ

اس کے بعد کیا ہوا۔ فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے
چند کلمات کیے۔ تعلق کا معنی پانا یا ملنا ہے۔ ان کلمات کا اللہ تعالیٰ نے الہام کیا یا آدم علیہ السلام
کے دل میں ڈالا۔ ان کلمات کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کی۔ جیسا کہ سورۃ اہزاب
میں آتا ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا سَاءً وَإِنْ لَمْ تُغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ یعنی اے پروردگار! بیشک ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں بخش
نہیں کرے گا۔ اور ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔ اس کے
علامہ حدیث میں ان دعاؤں پر کلمات کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی
نتیجہ یہ ہوا کہ فَتَابَ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا۔ آدم علیہ السلام کی طرف مہربانی کے ساتھ
تَاب کا معنی رجوع کرنا ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو اس کا
مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا اپنی مہربانی کے ساتھ۔ اور جب اس منکر کو بندے
کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندے نے رجوع کیا اپنی عاجزی کے
اعتراف کے ساتھ اور بُرائی کے ترک کرنے کے ساتھ۔ گو یہ تو بہ کی صفت کا تعلق فاق اور مخلوق
مذلوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ
گنہگاروں کو چھوڑ دو۔ اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ اس سے معافی مانگو۔
إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ بے شک وہ رجوع کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ تو اللہ تعالیٰ
نے اُن کی لغزش کو معاف کر دیا۔

اہم بیعتی نے اپنی مشہور کتاب شعب الایمان میں روایت بیان کی ہے کہ اپنی لغزش
پر آدم علیہ السلام اس قدر رنے کہ لَوُورِزْدَ دُموَعُ اَدَمُ بِجَمِیْعِ دُموَعٍ وَلَکِیْدَ لَرَجَحَ
دُموَعُهُ عَلٰی جَمِیْعِ دُموَعٍ وَلَکِیْدَ یعنی آدم علیہ السلام نے جس قدر آنسو بہائے اگر ان کا
مقابلہ ان کی قیامت تک آنے والی ساری اولاد کے ساتھ کیا جائے۔ تو آدم علیہ السلام کے
آنسو غالب آجائیں۔ اور بیعتی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت بھی مروی ہے۔

مَا حَمَلَكَ عَلَىٰ أَنْ أَكُلْتَ مِنَ الشَّجَرَةِ ۖ لَعْنَةُ آدَمَ ۖ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ
اور یہ کیا۔ اَلَّتِي نَهَيْتُكَ عَنْهَا ۖ قَالَ يَا رَبِّ زَكَّيْنِي ۖ لِي خَوَّارٌ
لے اللہ! اس کو میرے لیے حوائج مہین کیا۔ یعنی اس درخت کا پھل کھانے کے لیے حوائج
مجھے ترغیب دی تھی تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جاؤں گے۔ شیطان کا دوسرا تھا۔

حضرت علیہ السلام کی
حضرت آدم علیہ السلام
پر نصیحت

غیب بغدادی نے روایت بیان کی ہے۔ اور یہی ہے دلائل النبوة میں اس کو نقل کیا
ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام پر دو باتوں میں
برتری عطا فرمائی ہے۔ اول یہ کہ ہر آدمی کے ساتھ قرین اور شیطان مقرر ہے۔ جو اسے بسکام ہے
مگر میرا قرین اور شیطان کَانَ شَيْطَانِي مُسْلِمًا وہ طبع اور منقاد ہے۔ صحیح روایت میں آتے ہیں
فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِالْخَيْرِ وہ مجھے بُرائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ بھلائی کی دعوت ہی دیتا ہے۔
چونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس تھا۔ اُس نے دوسرا انداز کی جس سے حضرت حوا بھی متاثر
ہوئیں۔ اور انہوں نے آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔

فرمایا آدم علیہ السلام پر مجھے دوسری نصیحت یہ ہے کہ ان کی بیوی نے بُرائی کی طرف
ترغیب دی۔ جب کہ میری ازواج دین کے معاملے میں میرے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے قرآن پاک میں ازواج مطہرات کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک موقع پر اُن سے معمولی سی لغزش
ہوئی تھی۔ جب انہوں نے زیادہ ضرر پہ کا مطالبہ کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی جس پر وہ
اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں۔ پھر دنیا کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت
کو اختیار کیا۔ گویا حضور علیہ السلام کی بیویاں آپ کے امور میں معاون تھیں۔ ویسے بھی آپ کا فرمان
تکلفیہ کہ وہ انسان نیک بخت ہے۔ جس کی بیوی دین کے معاملہ میں اس کی معاون ہو۔

ہمیں پڑھنے
کا حکم

صحیح سہ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ لَوْ لَا بَنُو إِسْرَٰئِيلَ
اگر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نبی کے حکم میں خیانت نہ کرتے۔ یعنی نبی نے حکم دیا تھا کہ من اور منوں
کا رُپہ ہو۔ مگر اُسے ذخیرہ نہ کرنا۔ مگر انہوں نے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی

منزایہ دی کہ گوشت کھ سڑنا شروع ہو گیا۔ آج کل گرمی کے موسم میں تو ایک دو دن سے زیادہ گوشت نہیں رہ سکتا۔ بدبو آنے لگتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنی اسرائیل اپنے نبی کے حکم کی پاسداری کرتے۔ گوشت کو ذخیرہ نہ کرتے تو یہ بھی خراب نہ ہوتا۔ خواہ کتنی ہی مہرہ پڑا رہتا۔

”دوسری بات آپ کے یہ فرمان لَوْلَا حَوَائِلُ خَنٍّ مُنَّيْ زَرْجَبَ۔ یعنی اگر حوا اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔ تو دنیا کی کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خائن نہ ہوتی۔ حوا کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو رخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی۔

بہر حال جب آدم علیہ السلام نے پھل کھایا۔ اور بہ بندہ ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا۔ سب زمین پر اتار دیا۔ یہ حکم شیطان۔ آدم علیہ السلام اور حوا کے لیے تھے۔ توبہ تو قبول ہو گئی۔ مگر زمین پر اتار جانے کا حکم صادر ہو گیا۔

بائبل اور بعض تاریخی روایات میں سور اور سانپ کا ذکر بھی آتا ہے کہ وہ بھی آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلانے میں معاون ہوئے تھے۔ اور یہ شیطان سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہو گیا تھا۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔ مجموعہ بات یہی ہے کہ شیطان نے جنت کے باب دوسرا انداز ہی کی تھی۔ اس نے دروازے سے باہر جہیز سے مباشرت کی تھی۔ جسے آدم علیہ السلام دیکھ رہے تھے۔ اور اس کی بات بھی سن رہے تھے۔ اسی بات سے آپ کو دوسرا پیدام ہوا۔ اور آپ نے وہ کلام کر لیا۔ جس سے منع کیا گیا تھا۔ لہذا آپ کو زمین پر ترے کا حکم ہو گیا۔

آدم علیہ السلام نے میل کھایا ہوا تھا۔ اُدھر زمین پر اتار گیا۔ آپ کو بول و براز کی حاجت ہوئی۔ ریٹ میں درد پیدا ہوا۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اس سے پہلے یہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی پریشانی دیکھ کر جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اور آپ کو بتایا کہ اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس طریقے سے فراغت حاصل کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تو براز سے بدبو آنے لگی۔ آپ کو اور پریشانی ہوئی۔ رونے لگے کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ

آدم علیہ السلام
اور جنت حوا
کی حالت

سترون تک ملے ہوئے ہے۔ اس واقعہ کو بن علی الدین نے روایت کیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے بھی کتاب افراد میں حضرت عمرؓ سے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو اس وقت بھیجا جب حضرت حوا کو حیض کی وجہ سے برائی جنت میں کو ہر طرح کی پاکیزگی حاصل تھی۔ زمین پر اگر یہ پریشانی لاحق ہوگئی۔ مانی حوا نے جبرائیل علیہ السلام کو آواز دی کہ دیکھو یہ کیا معاملہ ہے مجھے وقفہ وقفہ سے خون آ رہا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ اے حوا! یہ بات تم پر اور تمہاری بیٹا پر ہمیشہ کے لیے مسلط ہے گی۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایام حج میں حیض کی حالت لاحق ہوگئی۔ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا۔ حیض آنے پر نکتہ انسدود۔ مومن اور رد نے ٹھیک جعفر علیہ السلام تشریف لائے۔ تو آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ **هَذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ دَمٍ**۔ یہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم کر دیا ہے۔

الغرض! جبرائیل علیہ السلام نے حوا کو یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیٹیوں پر یہ چیز لازم کر دی ہے۔ یہ تمہارے کنہوں کا کفارہ بنت گا۔ اور تمہارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہوگا۔ اس کی وجہ سے عورت جسمانی غمور پر صحت حاصل کرتی ہے۔ اور اگر نیک بخت ہے۔ تو باطنی طور پر بھی اس کو طہارت نصیب ہوگی۔

حب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے۔ تو بعض روایات کے مطابق قیس قسم کے پھلوں کے بیج ان کے ساتھ آئے۔ بعض دوسری روایات میں ہزار قسم کا ذکر آتا ہے جس میں روایات میں خوشنما ہوا ہوتا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ خوشبو جنت کا تختہ ہے اگر کوئی پھول یا کلمہ پیش کرے۔ تو اس کو دینی کرنا ہوتا ہے۔ **فَإِنَّهُ حَرَجٌ مِنَ الْجَنَّةِ**۔ کیونکہ یہ جنت سے آئی ہوئی ہے۔

جنت کے پتے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ نہ ن جیل و سجنو بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا تاکہ دنیا میں کامرمانی کر سکیں۔ حج اسود میں جنت سے اترتا ہے اسے اس نے جبل ابوقیس پر رکھا۔ یہ درودھ کی طرح سفید تھا۔ اور دست کو سونے کی طرح چمکتا تھا۔ اہل بیت انہوں نے گناہوں کی تہ یہ کیوں نہ اس پتھر کو سیاہ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام
جنت میں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان کی سرزمین شرق السندین اترے تھے۔ چنانچہ سبکہ لمرجان فی آثار ہندوستان کے مصنف لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا نزول شرق السندین میں اور حضرت نوحؑ کا نزول جنوب میں ہوا۔ عہد ہامنی یعنی داری یافانی سے۔ غالباً اسی مناسبت سے اس مقام کا نام عہدہ شور ہو گیا۔ صاحب تسمیۃ المربان نے پائے کے تحت اور عام تھے۔ اور امام شاہ ولی اللہؒ کے یہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام
جنت میں

حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اور کپڑے بننے کا کام بھی سہی سہ شروع ہوا۔ واسطہ اور اشرافیاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنائیں۔ دیکھ ابیہ صیغہ السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام بخاری بھی بڑھی ہو کر کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام تابع تھے۔ حضرت برہمہ در لوط علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کوشی پاتے تھے۔ اور ان کا دودھ اور اون وغیرہ فروخت کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گھربانی تھا۔ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام روسے زین کی فطیمہ سلطنت کے بادشاہ ہونے سے بہرہ برداری کی کہ اوقات کے لیے ٹولیاں اور بیلین بناتے تھے۔

توہم بن قویہ

اہم جعفری نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے عزراؑ سرزد ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے عزراؑ پر ننگا کی۔ تو وہاں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا پایا۔ آپ نے خیال کیا کہ جس شخصیت کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا

سے تغیر عزیزی فارسی ص ۱۱۱

سے تغیر عزیزی ص ۱۱۱

ہوا ہے۔ یہ ضرور کوئی عظیم شخصیت ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ معافی مانگی۔
 اَسْتَغْفِرُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا عَفَرْتَ لِي۔ اے اللہ! میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل سے دعا کرتا ہوں کہ میری غزش کو معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تمہیں کیا علم کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ مولا کریم! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ تیرے نام کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تیری اولاد میں یہ آخری نبی ہوں گے۔ اور میری پوری مخلوق میں ان کی فضیلت کو کوئی نہیں پہنچے گا۔ اگرچہ یہ روایات ضعیف ہیں مگر بعض نے ان کو موضوع بھی کہا ہے۔ تاہم تشہد کی خاطر ان کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی غزش کو معاف کر دیا۔ بیہقی کے علاوہ یہ روایات طبرانی، حاکم اور ابونعیم میں بھی موجود ہیں۔ اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو دنیا میں ابوبشر کی کنیت سے پکارا جاتا ہے۔ اور قیامت کے دن حضور نبی کریم کی طرف نسبت کرتے ہو ابومحمد کی کنیت سے پکارا جائے گا۔ گویا آپ کو ابوبشر اور ابومحمد دونوں اعزاز حاصل ہیں۔

بخاری اور مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے روز جب اول آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو کہیں گے کہ اے آدم! انت ابوبشر! آپ تمام نسل انسانی کے جد امجد ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام ہنسا کر دیں گے اور کہیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت بلوذا غفار کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ فرمایا ہاں۔ مَبِیْثَرَسُوْرًا کَلَمَہُ اللہ آپ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا۔ آپ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ اَوَّلُ الْاَنْبِیَآءِ اَدَمُ اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

زیر ایک ایسا عمل ہے جس سے ان کی سابقہ کوتاہیوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام

توبہ کی تین شرط

کافر ان شبے التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ یعنی نادم سے توبہ کرنے والا یہی ہے۔ جیسا اس نے کئی گنا دہ کیا ہو، مگر توبہ کی قبولیت کے لیے بعض شرائط بھی ہیں۔ اگر ان شرائط کے ساتھ توبہ کی ہے تو قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ توبہ میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی علم، حال اور فعل۔

علم سے مراد یہ ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ میں نے واقعی یہ غلط کام کیا ہے۔ اور اس کے ارتکاب پر گناہ اور اس کے ضرر کا احساس ہوتا ہے۔ حال کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس خط کام کو ترک کر دے۔ اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے یہ غفلت ہے۔ اس ضمن میں ذامت کا ذکر بھی آتا ہے التَّوْبَةُ الشَّدَامُ اور اگر کچھ فرائض روکنے ہوں تو ان کو ادا کیا جائے۔ کوئی حقوق ملت ہوئے ہوں۔ تو ان کو پورا کیا جائے۔ تب انسان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

اہم دارقطنیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے جس میں آدم علیہ السلام سے متعلق مختلف باتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مسجد خفت میں درجہ کو مٹی میں واقع ہے حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ پڑھی اور چار تجسیریں کیں۔ فرشتوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو لحد میں دفن کیا گیا۔ اور ان کی قبر کو بان دار بنائی گئی۔ جیسا کہ عام طور پر آج کل بنائے جاتے ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہندوستان کی سرزمین سے چلیں حج پیل کیے۔

ان آیات میں اِهْبِطُوا یعنی اتر جاؤ کا لفظ دو دفعہ آیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ نے اتر جانے کا حکم دیا تھا، مگر جب اس حکم کی ذمہ داری نہ سونپ دی تو دوبارہ سخت آڑ ڈرا کہ اتر زمین میں اتر جاؤ۔

یہاں پر یہ ختمہ قابل غور ہے کہ زمین پر اترنے کا حکم کسی سزا کے طور پر نہیں تھا، بلکہ اس

زمین پر اترنے کی حکمت

۱۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۲۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۳۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۴۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲

۵۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۶۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۷۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲ ۸۔ ابن ماجہ ص ۲۱۲

میں جی متبت خداوندی مٹی تخلص آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ زَمٰنٍ خَلِیْفَۃً لِّکُمْ فِیْ زَمٰنٍ مِّیْنِیْ نَّاسٍ بَنٰیۃً وَّالٰہِیْنَ۔ چنانچہ اس ارادے کی تکمیل یعنی مہدویت ارضی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔ آپ نے نیابت کے کام کی ابتداء کی۔ وہ پھر یہ فرض آپ کی آنے والی اور میں مستقل ہو گیا۔ گویا زمین پر اترنے کا حکم نہ انہیں جلد ایک اعزاز تھا۔ جو آدم علیہ السلام کے حصے میں آیا کہ انہیں نیابت الہی کا فریضہ سونپا گیا۔

خوف کثر
کی حقیقت

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید حکم یہ دیا کہ قِیَامًا یَا تِیْسُکُمْ مَّتٰی هُدٰی جِبْ سِیْرِیْ طَرَفٌ سَے تَمَاسَے پَاسِ بِدَیْتِ اَسَے۔ جی جب انبیاء علیہم السلام میرا پیغام اور بدایت لے رہے ہیں فَکُنْ تَبِیْعَ هُدٰی تُو جِس نے میری بدایت کی پیروی کی۔ فَلَا خَوْفَ عَلَیْہِمْ اَنَّ پَر اِنْجَام کے لحاظ سے کوئی خوف نہیں ہوگا وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تربت زیادہ خوف ہوگا۔ عام انسانوں کا ترکیا حال ہوگا خود نبیوں کے متعلق آتا ہے۔ رَدِّ قَضٰی قَضٰی پَاسِ اَسَے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو یہ واقعی خوف ہوگا۔ مگر انجام کے اعتبار سے بالکل خوف نہیں ہوگا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی قہری صفات کا لہو ہوگا۔ تو خوف دہرا اس طاری ہوگا۔ جیسے کسی مقدمہ میں ملزم بڑا بھڑاتا ہے۔ مگر وکیل متدلسل منسل دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ تسلیم کرو۔ آخر کار انجام بخیر ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آمد و بدایت کی پیروی کریں گے۔ انہیں اگرچہ قیامت کے دن وقتی طور پر خوف پیدا ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آخر کار انہیں خوف نہیں ہوگا۔ بدایت اصل میں دین کی روح اور حُکْمَت کو کہا جاتا ہے۔ اور دین حق دائمی قانون کا نام ہے جو انانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی بدایت کے مفصلات میں نبی رسول، جنات معجزات، کتب سادہ اور شریعت وغیرہ آتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کا اثبات ہی بدایت

بدایت کے
متبعین

النہ

حدیث نذر دہم

البقرة

(آیت ۴۰ تا ۴۲)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓئِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اٰفَعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا
بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاَيَّايَ فَاَرْهَبُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَا
اَنْزَلْتُ مُّصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرِيْنَ بِهِ
وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّرٰٓيَاۤيَ فَاَلْقُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا
تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ قٰلِمُوْنَ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو --- جو میں نے

تم پر انعام کیں۔ اور پورا کرو میرے عہد کو۔ میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو۔ اور

اور خاص مجھ ہی سے ڈرو ﴿۴۰﴾ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جس کو میں نے نازل کیا ہے

اور وہ ان راصل غیر محرف شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو تمہارے پاس

ہیں۔ اور نہ جو تم پہلے کفر کرنے والے اس کے ساتھ۔ اور مت غریب میری آیاتوں

کے بدلے بھڑکی قیمت اور خاص مجھ ہی سے پس ڈرتے رہو ﴿۴۱﴾ اور نہ دلو

حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو۔ درتہ بہتے ہو ﴿۴۲﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا نَاسِيْكُمْ تَمَامَ بَنِي نُوْحٍ اِنْسَانٍ سَعْدِيّ

ترجمہ بنی اسرائیل

مست۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت ارضی کا ذکر تھا۔ اس کے بعد

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِیْہِمْ نٰدٰی وَاٰمِنُوْا بِمَا

عہد السلام کے ذریعے تمام انسانوں کو حاصل ہوئی۔ اب یہاں سے بنی اسرائیل کو نوسری خطاب

ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یہ دلائی ہیں۔ اور ان معجزات کا ذکر کیا ہے۔ جو ان میں

ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل کے باطل کھول دینا کیلئے کیا ہے۔ اور اس قوم میں جو غریب

پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ بیان یہاں سے شروع ہو کر اور اِذَا ابْتَلٰی

اِبْرٰہِیْمَ وَیْسٰی وَیٰحٰجِبَہٗمَکَ جَلٰلَہٗ

خداوند ارضی عمروی نعمت ہے۔ جو آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو نصیب ہوئی یہ عزت
بنی اسرائیل میں سے ایک تہہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت چھین لی اور بنی
کو حاصل ہو گئی۔ یہاں پر بنی اسرائیل کی ان غالیوں کا ذکر ہو گا۔ جن کی وجہ سے اس عزت شرف اور
فضیلت وہ محروم ہو گئے

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ ان دونوں خاندانوں یعنی بنی اسرائیل اور بنی احمیل
کے بڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جن کا وطن مالوت موجودہ بغداد سے ستر میل دور بابل
شہر تھا۔ آپ کی پیدائش کے وقت بابل بہت بڑا شہر اور تہذیب کا مرکز تھا۔ یہ چالیس مربع
میل میں پھیلا ہوا تھا۔ اور بہت بڑی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں سے ہجرت کی جیسا کہ فرمایا: اِنَّا مَكْشٰجُوۡنَکَ اِلٰی رَبِّکَ ۚ ہُوَ مَعْرُوۡتٌ
رَّسُوۡلٌ شَامٍ سِنِیۡہِ۔ کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا اور پھر تبارک نے ارادہ فرمایا کہ آپ، سدوم
۶۰ آتی تھے۔ پھر شامی پھر مجازی ہوئے۔ اس زمانے میں فلسطین کو کنعان کہتے تھے۔ اور یہ شام ہی کے
ماتحت تھا۔ بعد میں اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہاجرہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام تولد ہوئے۔ آپ کے
بارہ فرزند تھے۔ پھر ان کے آگے بے شمار قبیلے ہوئے۔ حسب ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی
آپ کی چچا زاد حضرت سارہ بن قیس۔ جن کا ذکر قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ آپ کے بطن سے
حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے
عظیم نبی ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی بشارت سادی
تھی: وَ مِّنۡ وَرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوۡبُ ۚ اٰیٰتِہٖۡ سَآءَ ذُرِّیَّۃٍ اِسْحٰقَ عَلَیہِ السَّلَامُ سے ان کے بیٹے
یعقوب علیہ السلام ہوں گے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے اِثْنَتَیۡ
عَشْرَۃً اَسْبَاطًا اَمَّا سُوۡرَةُ ۙ اِنۡ فِیۡہِۡمۡ مَّرۡجُوۡہٌ۔ یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی قصور بھی تھی جس کی اولاد بنی قنطریہ کہلاتی ہے

مگر انہیں زیادہ شہرت حاصل ہے نہ ہوتی۔

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کے دو بیٹے یعنی عیص اور یعقوب ہزاراں بچے تھے۔ البتہ عیص ذرا پہلے پیدا ہوئے اور یعقوب علیہ السلام بعد میں۔ یعقوب کا غفلت معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ خدا کی قدرت کہ اسحق علیہ السلام کو عیص کے ساتھ زیادہ محبت تھی۔ اور ان کی بیوی کو یعقوب علیہ السلام زیادہ پیار سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام زیادہ محبت منہ اور مضبوط ہونے والے تھے اور حضرت اسحق علیہ السلام نے انہیں یہ فریضہ سونپ رکھا تھا کہ وہ دروازے پر موجود رہیں۔ جب تک میں عبادت میں مصروف رہوں۔ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دیں تاکہ عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ ایک موقع پر انسانی شکل میں فرشتہ آیا اور اندر جانا چاہا۔ مگر یعقوب علیہ السلام نے روکا۔ جب اسحاق علیہ السلام باہر آئے تو دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام فرشتے کے ساتھ اچھڑے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے تعجب فرمایا کہ واقعی تم نے اپنی ڈیوٹی پوری پوری ادا کی ہے۔ فرشتے نے آپ کا نام دریافت کیا تو انہیں یعقوب بتایا گیا۔ اس نے کہا اس کا نام اسرائیل ہے۔ یہ دینی یا جہانی زبان میں اسرائیل کا معنی بندہ اور ایل کا معنی اللہ ہے۔ کو یہ فرشتے نے یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ رکھا۔ جو کہ عبد اللہ کے مترادف ہے۔ انہیں سے آپ کا نام اسرائیل مشہور ہوا۔ اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ چونکہ حضرت اسحق علیہ السلام کی محبت عیص کے ساتھ زیادہ تھی۔ اس لیے انہوں نے عیص سے فرمایا کہ میں آخری وقت میں تیرے لیے خصوصی دعا کروں گا۔ جب ہاں کو پتا چلا تو اس نے جا بجا کہ یہ دعا یعقوب علیہ السلام کے حق میں ہو۔ چنانچہ اس نے یعقوب علیہ السلام کو عیص کا پس پنا کر ان کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ اور ساتھ نصیحت کی کہ باپ کے سامنے آہستہ بولنا کہ وہ تمہیں پہچان نہ سکیں۔ چونکہ اس وقت حضرت اسحق علیہ السلام کی نظر کمزور ہو چکی تھی۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عیص سمجھے اور ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اور میں نبوت کو جاری رکھے۔ یہ خصوصی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام

سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ نے جاریہ نبی اور رسول اس غلام میں مقرر فرمائے۔
 کچھ عرصہ بعد عیسیٰ نے باب کو یاد دلایا کہ آپ نے میرے حق میں دعا کا وعدہ فرمایا تھا، تو انہوں
 نے کہا کہ وہ دعا تو میں نے کر دی ہے، عیسیٰ نے کہا: اگر وہ دعا تو آپ نے یعقوب علیہ السلام کے
 کے حق میں فرمائی ہے۔ تو انہوں نے کہا:۔۔۔ جمادہ تو اس کے لیے ہوگئی، تمنا ہے یہ دعا۔
 کہ اللہ تعالیٰ تمنا سے غلام میں بادشاہت قائم رکھے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے بادشاہت کا
 زیادہ تر سلسلہ عیسیٰ کی اولاد میں سی رہا۔

جب تخت سلطنت پہنچا جبرائیل علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ تو ان کے سامنے اہل باب
 پر عیسیٰ نے قبضہ کر لیا اور یعقوب علیہ السلام کو کچھ نہ دیا۔ سی ہاں و دولت کی وجہ سے لوگوں کا
 جوع بھی عیسیٰ کی طرف ہو گیا۔ اور یعقوب علیہ السلام نادار ہونے کی وجہ سے کسی شمار میں نہ آتے
 تھے۔ ان کے ہاں کسی دوسری بندہ تقسیم تھے۔ اور بڑے مالدار تھے۔ ان نے مشورہ دیا کہ
 ان کے پاس پیسے جاریہ ان کے پاس و دولت میں ہے۔ اور اس کی بیٹی بھی ہے جس کے
 ساتھ وہ تمنا نکاح بھی کرے گا۔ چنانچہ آپ اپنے لایان نامی ماموں کے پاس پہنچے۔ وہ
 آپ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اور کہا کہ اپنے جانیوں بہنوں سے دل برداشتہ نہ ہونا۔ میں تمہاری
 ہر طرح سے مدد کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے سامنے اہل باب کا مقدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام
 کو بنا دیا۔ اور اپنی بیٹی کا نکاح بھی کر دیا۔

اس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹے عطا کئے۔ اور اس کے بعد بیوی کو انتقال ہو
 گیا۔ ماموں نے آپ پر مزید احسان کیا کہ دوسری بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس سے دو ذلیل پیدا ہوئے
 درود ہی فرستے ہو گئی۔ اس کے بعد ماموں نے تیسری بیٹی آپ کے نکاح میں شے دی۔ اس
 سے ایک بیٹی اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد وہ بھی اللہ تعالیٰ کو یاد ہی ہو گئی۔ چہ
 ماموں نے اپنی چوتھی بیٹی۔ زیل کا نکاح کر دیا۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر
 چالیس برس ہو چکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ اور حکم دیا کہ اس مقدمہ کو چھوڑ

کہ کنعان چلے جاؤ۔ اور وہاں پر تبلیغ کا فریضہ انجام دو۔ جب ماموں کو پتا چلا۔ تو اس نے کہا کہ تمہاری جدائی سے تکلیف تو ضرور ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہر چیز پر مقدم ہے۔ چنانچہ اپنے بھوشی حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان چلے جانے کی اجازت دے دی۔ اور بیوی بچوں کو بھی ساتھ بھیج دیا۔ اور اُن کی خدمت کے طہ پر پانچ سو گھوڑے، پانچ سو اونٹ، پانچ سو گائے پانچ سو بچر، پانچ سو بھیڑیں اور بہت سا دیگر سامان ہمراہ کر دیا۔

کنعان پہنچ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ وہاں پر آپ کی چوتھی بیوی راحیل کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بن یامین پیدا ہوئے۔ یوسف علیہ السلام ابھی دو سال کے تھے۔ کہ راحیل بھی فوت ہو گئی۔ جب ماموں کو پتا چلا۔ تو اس نے اپنی پانچویں بیٹی بھی نکاح میں دے دی۔ اور اُسے یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں بھیج دیا۔ تاکہ بچوں کی پرورش ہو سکے۔ اس طرح یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے ہوئے۔ جن سے آگے بارہ خاندان نکسور میں آئے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو بھی اس فضیلت سے محروم نہ رکھا۔ جیسا حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان کی طرف آئے تھے۔ تو راستہ میں عیسیٰ نے بھی آپ کا استقبال کیا۔ اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ذریعے مجھ پر فضیلت بخشی ہے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے خاندان میں بھی نبوت جاری فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ تو وحی نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ کے خاندان میں ایک بنی یوب علیہ السلام کو پیدا فرمائے گا۔ اور ایک عظیم المرتبت بادشاہ ذوالقرنین بھی آپ کے ہی خاندان میں ہوگا۔ چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی ہوا۔

ان آیات میں اُن انعامات کا تذکرہ ہے جو اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر کیے۔ يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓءِیْلُ اِذْ کَرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ لَے بنی اسرائیل! میرے ان انعامات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے۔ ان میں سے دو دنیاوی انعام تھے۔ یعنی اس قوم میں انبیاء عظیم السلام مبعوث کیے اور بادشاہت بھی عطا کی۔ سورۃ بقرہ

بنی اسرائیل پر
انعامات

میں موجود ہے۔ اِذْ جَعَلَ فَبِكُمْ اَشْيَاءَ وَجَعَلَ لَكُمْ مَلُوكًا ۖ وَاللّٰهُ تَعَالٰی نے
 کتنا عظیم احسان اس قوم پر کیا۔ اُس وقت اُس کے بربر دنیا بھر میں کوئی دوسری قوم نہیں
 تھی۔ ان کو عزت اور شہرت حاصل تھی۔ مگر آہستہ آہستہ ان میں بجاڑ پیدا ہونے لگا جتنی
 کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے تک ان کی ذلت اکتفا کو پہنچ گئی۔ انجیل اور تواریح کی کتابوں
 سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہزاروں سال گزرنے
 کے بعد جب نزول قرآن کا زمانہ آیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اللہ تعالیٰ
 کا آخری پیغام اور شریعت نازل ہوئے۔ اس وقت بھی بے شمار خرابیوں کے باوجود یہی لوگ
 صاحب علم سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک نے اس مقام پر بنی اسرائیل کو ہی دعوتِ فخر
 دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جنہیں تم اپنی غائبی کی وجہ سے کھو چکے ہو۔ لہذا اب
 ہمیں راہِ راست پر آ جاؤ۔ بنی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ۔ اور خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو
 تسلیم کر لو۔ تو تمہاری تپنی ہوئی غفلت واپس آ سکتی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کر دگے۔ اپنی بے مروتی
 پر قائم رہو گے۔ جو تمہارے حصے میں ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں بولے گا۔ چنانچہ انکے رکوع
 میں ذکر آئے گا۔ کہ بنی اسرائیل میں کس طرح غایاں پیدا ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر دینیئے بعد فرمایا ۚ اَوْفُوا بِعَهْدِيْ ۚ اے
 بنی اسرائیل میرے عہد کو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ عہد تو لیا تھا۔ کہ میری اطاعت
 کرنا۔ نبی علیہم السلام کی اطاعت کرنا۔ اور فرائض کو پورا کرنا۔ فرمایا اس کے بعد میں اَوْفُوا
 بِعَهْدِكُمْ ۚ میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ تمہارا عہد یہ ہے۔ کہ تمہارے سوا وہ جان کر کے
 تمہیں بخش دوں گا۔ اور جنت تک پہنچا دوں گا۔ تمام بنی نوح انسان نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے
 کیا ہوا ہے۔ آگے اُس کے مطالبے یعنی میثاق کا ذکر بھی آئے گا۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ وہ
 میثاق بھی پورا کرو۔ اَلَّذِيْ وَاقَعَكُمْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ ۖ فَمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ اے بنی اسرائیل
 بنی اسرائیل سے کہا تھا۔ کہ صحیح دین اور سچی بات کو مست چھپانا۔ مسلمانوں نے کیا کیا۔ فَتَنَبَذُوْهُ
 وَكَرِهُوْهُ ۚ اِس عہد کو پس پست ڈال دیا۔ نزول قرآن کے وقت تک بنی اسرائیل
 میں جبر اور کتان حق کی بیماری اپنے عروج پر تھی۔ یہ لوگ توراۃ، انجیل اور دیگر کتب میں موجود

آخری نبی علیہ السلام کے متعلق پیش گوئیوں کو چھپاتے تھے۔ اور اس حصہ میں بتلاتے تھے کہ نبی آخر الزماں بنی اسرائیل کی بجائے بنی امیہ میں کیوں آیا ہے۔ یہ لوگ صاحب علم ہونے کے باوجود مقصود تھے۔ مشرکین نے تو ایمان قبول کر لیا مگر یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ **مِیَاکَ وَلِکِیَ کَشِیْرَ هَنَہُمْ فِیْ سِقُوْکَ** یعنی ان کی اکثریت منافقانوں کی ہے۔ جب کہ نہایت ہی قلیل تعداد راہِ راست پر آئی ہے۔ چنانچہ ان میں سے حضرت عبید اللہ بن سلام جیسے چند حق پرستوں نے اسلام کی دعوت قبول کی۔ انھیں فرمایا تم میرا غمہ پورا کرو۔ میں تمہارا غمہ پورا کروں گا۔ **وَ اِیَّایَ فَاَرْهَبُوْا** اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ میں ہی تمہارا خالق اور مالک ہوں۔ میں نے تم پر پست بھی انعام کیے۔ آئندہ نبی کروں گا۔ بشرطیکہ تجھ سے ڈر کر یہ حق سے پرہیز کرو۔

میان باتوں

بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ **وَ اِیْضًا بِمَا نَزَّلْتُ** اور جو چیزیں میں نے نازل کی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور یہ چیزیں **مُصَدِّقَاتِ لِّمَا مَعَكُمْ** سابقہ تصدیق کرنے والی ہیں۔ جو تم سے پہلے موجود ہے۔ یعنی تورات اور دیگر سابقہ کتب میں یہ خبریں دی گئی ہیں۔ کہ قرآن پاک سابقہ کتب کی ہر چھوٹی بڑی چیز کی تصدیق نہیں کرتا۔ بلکہ اصولی طور پر بعض اہم باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جس طرح ہر نبی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ سابقہ نبی کی تصدیق کرے مگر اس کی شریعت اور احکام کی من و عن تصدیق نہیں کرتا۔ کیونکہ سابقہ دوسری پہلے نبی کی بعض چیزیں منسوخ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا تم میں قرآن پاک کو کثرتِ علامہ النبی تسلیم کر لو۔ اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ **وَلَا تَكُوْنُوْا دُوْا کَافِرٍ مُّبِیْنٍ** اور نہ دوں کفرن پاک کے اولین منکرین بن جاؤ۔

قرآن پاک کا نزول مکہ مکرمہ میں شروع ہوا۔ اور سب سے پہلے انکار کرنے والے کفار۔ یہ تھے۔ پھر حبیب منور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں جو دے نے اس کا انکار کیا۔ لہذا اس کا خط سے قرآن پاک کے اولین منکرین کفار مکہ میں رہ کر یہودیہ میں۔ مگر یہاں بنی اسرائیل کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم اولین منکرین بن جاؤ۔ مفسرین کرام اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں

نہیں والوں کے پاس تو کوئی کتاب نہیں تھی کتاب یعنی تورات تو مدینہ کے یہودوں کے پاس تھی۔
لہذا اہل کتاب میں سے اولین کافرین یہی لوگ تھے۔ اسی لیے ان کو کہا گیا کہ وہ اولین سرین
میں سے نہ ہو جائیں۔ اس کا وہ پہلا مطلب یہ ہے کہ اسرائیل بن بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے
سے کہا گیا کہ اگر تم موجودہ نسل والے نہ ہو گے تو تمہارے بعد آنے والی نسلیں بھی تمہاری
رہنمائی پر چل کر نماز پڑھیں گی۔ ان دنوں یہی آئے والی نسلیں کی عمر ابھی کے ذمہ دار بھی تم ہی
تھو گے۔ اس سے اولین سرین نہ بن جاؤ۔

پھر فرمایا وَلَا تَزِدْوا بِلِسَانِكُمْ قِيلِيدًا اور مست ظہیر میری آیتوں کے
برے ٹھوڑی قیمت خیراتی قیمت سے مواد دنیا کا حقیعہ مال ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ فرماتے
ہیں کہ دنیا کی چار چیزیں یہی ہیں جن کے پیچھے لوگ مرتے ہیں۔ یعنی کھانا پینا پننا اور
نکاح کرنا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کھانے کا، بنجم کنگی در پینے کا، بنگلہ بوں ہے۔ اچھے
سے اچھا لباس بھی کچھ عرصہ بعد بھٹ جاتا ہے۔ اور اُسے پھینک دیا جاتا ہے۔ رہا نکاح،
تو اس کی جیسے انسان طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتا اور اذیتیں برداشت کرتا ہے
یہ چاروں چیزیں عقیدے کو فاسد اور دین کو بگاڑنے والی ہیں۔ مگر لوگ ان حیران کن چیزوں کے حصول
کے لیے قیمتی اور اعلیٰ چیز یعنی ایمان کو خراب کر لیتے ہیں۔

فرمایا وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ آخرت کی خبر لو۔ دنیا کے پیچھے مت پڑو۔
آخرت میں میرے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ حساب کتاب ہو گا۔ اور پھر تمہیں اپنے کئے
کی جزا یا سزا بھگتنی ہو گی۔ لہذا مجھ سے ڈرتے رہو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَهْوَاءَ بِاَنَّكُمْ لَعَنُوا اور حق کو باطل کے ساتھ غلط نہ کرو۔ وَلَا تَتَّبِعُوا
الْاَهْوَاءَ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ۔ یہ بنی اسرائیل کی عبادت تھی کہ وہ اپنی کتاب میں موجود سچی
بات چھپا لیتے تھے۔ آگے آئے گا کہ یہ لوگ قرآن پاک پر بنی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم
کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے مگر پھر بھی انکار کر لیتے تھے۔ یہ

یہ لوگ واضح علامات کو بگاڑ کر پیش کرتے تھے۔ اور ان میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ عیسائی اور یہودی تحریف میں ٹپے بہر ہیں۔ خود عیسائیوں کے بڑے بڑے پادریوں نے تسلیم کیا ہے کہ انجیل میں تین ہزار تحریضیں چھپی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس قدر تحریف کا عمل آزمایا گیا ہو۔ وہاں کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اور جس کتاب کے ساتھ یہ سلوک برابر ہو۔ اس کا کیا سے کیا بن گیا ہوگا۔

حضرت علیہ السلام کا ارشاد کرامی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں بگاڑ پیدا ہوا۔ اسی طرح آپ کی امت میں بھی پیدا ہوگا آج کے دور میں دیکھ لیں کہ بتماش قسم کے علماء محض دنیوی مفاد کی خاطر کس طرح غلط فتوے جاری کرتے ہیں۔ یہ چیز کتمان حق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی قسم کے لوگ امراء اور بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے غلط فتوے دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم وقت راضی ہو جائے۔ تو اپنی عیش ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم بادشاہ اور فاسق امراء آخرت سے بے خوف ہو کر کھنڈر طبع پر غلامی و جور کے پاؤں تڑتے ہیں۔ یہ لوگ غلاموں کے فتوے کی آڑے کر اپنی من مانی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہی حال وزیروں اور دیگر دفتری اہلکاروں کا ہے۔ قانون کی آدیں غلام کے حق غصب کرتے ہیں۔ حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے: **وَكُنْ لِمَنْ رَاَيْفَكُمْ وَحِذِّقْ مِنَ الْوَيْلِ** جو کسی چیز کو نہیں جانتا۔ اس کے لیے ایک بار ہلاکت ہے **وَرَوَيْلٌ لِمَنْ يَفْهَمُ وَلَا يَفْعَلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ** الویل جو جاننے کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اس پر سات بار ہلاکت ہے۔ مقصد یہ کہ کتمان حق کرنے والے دنیا پرست لوگ حق بات کو جاننے کے باوجود اس کو چھپاتے ہیں۔ اور حق پر عمل نہیں کرتے۔ لہذا یہ سات گنا سزا کے مستحق ہیں۔

پیردوں، گمراہی نشینوں اور علامات سورہ حال دیکھ لیں۔ انہیں ذرا نفس کا کوئی خیال نہیں کہ پوسے ہوئے ہیں یا نہیں۔ مگر مستحبات اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو سینے سے لٹکائے

بیٹھے ہیں جنہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ لوگ ملک پر کافر کی حکومت برداشت کر رہے ہیں جیسا کہ پیروں اور علماء سورسے اسکرپچر کی حمایت کی۔ سورہ سپنہ خود ساختہ عقیدے کے خلاف کوئی چیز برداشت کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ ایسے ہی لوگ کتمان حق کے مرتجب ہو رہے ہیں۔

آجکل دین کے ساتھ کیا سوچ ہو رہا ہے۔ نہ کسی کو فرائض کی پروا ہے۔ اور نہ واجبات کی معمولی معمولی باتوں کو نشانہ بنا کر ان کی تشریح ہو رہی ہے۔ پراپیگنڈا جاری ہے۔ تفرقہ بازی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور پھر کالی گھونچ تک زہت پہنچتی ہے۔ یہ سب کیا ہے بنی اسرائیل کے شیوہ کو اپنایا جا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو بیماریاں بنی اسرائیل میں پائی جاتی تھیں۔ اے میری امت۔ تم میں بھی وہی بیماریاں خود کرائیں گی **حَدُّوَالنَّعِلِ بِالنَّعِلِ** جس طرح ایک جوتا دوسرے کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح میری امت کی خرابیاں بنی اسرائیل کی خرابیوں کے مشابہ ہوں گی۔

فرمایا حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ۔ **وَكُنْتُمْ تُخْلِعُونَ** اور تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ غرضیکہ اس مقام پر بنی اسرائیل کی خرابیوں کا اجمالاً بیان ہوا ہے۔ اگلے رکوعات میں تفصیل کے ساتھ ایک ایک خرابی کی نشان دہی ہوگی۔ آج بھی یہ خطاب موجودہ دور کے بنی اسرائیل کے لیے موجود ہے۔ ان کے بڑوں کی خرابیوں کو ان کے سامنے رکھا جا رہا ہے۔ اور جو خرابیاں ان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان کی نشان دہی بھی ہو رہی ہے۔ گویا یہ دعوت الی القرآن ہے کہ **اِهْتَمُوا بِمَا اُنْزِلَتْ** جس چیز کو میں نے نازل کیا ہے یعنی قرآن پاک آؤ آج بھی اس پر ایمان لے آؤ تو فلاح پا جاؤ گے۔ قرآن پاک پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور آخری نوشتہ اور صحیفہ ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر اور اس کے پیش کردہ پردہ کرام پھیل کیے بغیر فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

وَأَقِمْو الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا مَعَ التَّائِبِينَ ﴿٤٣﴾
 اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ
 نَسْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالتَّغْيِثِ
 وَالْمُتَكَلِّفِ وَلَا تَهْجُرُوا إِلَّا عَلَى الْخِثْعِينَ ﴿٤٥﴾
 الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ
 رَاجِعُونَ ﴿٤٦﴾

تَعْلَمُ

ترجمہ :- و. قہر کر دینا دو اور دو زکوٰۃ اور دو کو ع کر دو کو ع کرنے والوں کے
 ساتھ (۴۳) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو۔ اور اپنی جازوں کو فراموش کرتے ہو
 حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے (۴۴) اور مدد طلب کرو صبر و ہمت
 کے ساتھ۔ اور بے شک یہ نماز البتہ بھاری ہے۔ مگر ان لوگوں پر جو عاجزی
 کرنے والے ہیں (۴۵) وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے پروردگار
 سے ملنے والے ہیں۔ اور بیشک وہ اسی پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے
 والے ہیں (۴۶)

اس کو ع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے تشریف آدم علیہ السلام کی خلافت کا ذکر فرمایا۔
 ہجر میں پر اترنے کا حکم دیا۔ اور ہدایت دینا ان کا وہ اصول بنی بنا دیا۔ جس پر جنت میں دوبارہ
 داخلے کا دروازہ ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل سے خطاب ہوا۔ دوسری قوموں کے مقابلے
 میں بنی اسرائیل کو یہ ست ویزا تک فطرت حاصل رہی۔ نبوت اور حکومت ان میں رہی۔ ان
 میں بڑے بڑے جاہ و زناہ لوگ پیدا ہوئے۔ مگر ایک طویل عرصہ کے بعد اس قوم میں طریا
 پیدا ہو گئیں۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں
 منتقل کر دی۔

گہشتہ سہو

گزشتہ درس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اُن پر کیے گئے انعامات یاد دلانے گئے اور انہیں قرآن پاک پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔ اور انہیں نصیحت کی گئی کہ وہ بنی اسرائیل میں اولین کافر نہ بنیں۔ کیونکہ یہاں پر کرنے سے آئندہ نسیمیں بھی بنی کے قدموں پر چھیں گی۔ اور اس طرح اُن کا وبال بھی کفر میں پس کرنے والوں پر پڑے گا۔ انہیں حق و باطل کی تبلیغ سے اور کتمان حق سے منع کیا گیا اور ترغیب دی گئی کہ تمہاری اپنی کتابوں میں قرآن پاک اور عظیمیہ کے متعلق جو پیش گوئیاں موجود ہیں انہیں ظاہر کریں۔

مدینہ طیبہ کے اطراف میں بننے والے پہلے کتاب بھی یہود بنی بدتری کے زعم میں مبتلا تھے۔ وہ انبیاء عظیم السلام کے خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے دوسری اقوام کو کم تر سمجھتے تھے، عربوں کو وہ جاہل، اُن پر چڑھ اور اُمّی خیال کرتے تھے۔ اس قسم کے ثابت گئے اسی سورۃ میں۔ سورۃ آل عمران میں اہل دیگر سورتوں میں بھی ملتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا دوسرا ہل زعم یہ تھا کہ نبوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی کے خاندان میں جاری رہے گی۔ مگر جب بنی آخر ان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمعیل میں آگئے تو ان کی ساری برتری ختم ہو گئی اور وہ حد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ ان کے قبول حق سے کار کی ایک بڑی وجہ یہ تھی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت انہیں جوہلی اور منہی برتری حاصل تھی۔ ایمان لانے سے وہ ضائع ہو جاتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اب ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ اور انہیں حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاجہ بھی کرنی پڑے گی۔ چنانچہ ایسی ہی چیزیں اُن کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

حضرت مولانا شاہ شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ یہود کو ثابت دل درگاہ یہ تھی کہ بیماریاں لاحق تھیں جن کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے گریز کرتے تھے۔ اس زمانے میں بھی کئی لوگ انہی دوا بیماریوں میں مبتلا ہو کر خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ثابت دل کی بیماری کی مدت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَرَشَدُ الْخَلْقِ نَكِدٌ** دل کی محبت انسان

میں فطرۃ بڑی شدید ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: وَتُحِبُّونَ الْعَالَ حُبًّا جَمًّا تم ہی بھر کر دل سے محبت کرتے ہو۔ جس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ اس قسم کی چیزیں بنی اسرائیل کے قبول حق میں مانع تھیں۔

ان بیماریوں کا علاج

ان دو بیماریوں کا علاج اللہ تعالیٰ نے یہ بتوڑ کیا: وَأَقِمْوُ الصَّلَاةَ نَازِقًا قَائِمًا كَرُو۔ وَأَتُوا الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی حبّ جاہ کی بیماری کے لیے نماز شافی ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے غرور، تکبر اور بڑائی کا علاج رکھا ہے۔ جو شخص نماز قائم کرے گا، اس کا مطلب سمجھے گا۔ وہ حبّ جاہ کی بیماری سے شغایب ہو جائے گا۔ اسی طرح حبّ مال کی بیماری کا علاج ادائیگی زکوٰۃ میں ہے۔ اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ان کے بخل دور کرنا بھی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ہر سال مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ تو وہ بخل کی لعنت پاک ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ صرف مقررہ مقدار میں زکوٰۃ ادا کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَّبْتُمْ یعنی تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔ یہی وہ جذبہ ہے۔ جو مال کی محبت کو کم کر کے بخل سے نجات دلاتا ہے۔ گریہ نماز اور زکوٰۃ حبّ جاہ اور حبّ مال کی بیماری کا علاج ہے۔

نماز جامع
عبد آہ ہے

اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے: وَأَسْتَعِينُ بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ میں نماز کے ساتھ توسل پکڑنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ نماز تمام عبادت کی جامع ہے۔ نماز میں روحانی، نفسانی اور جسمانی ہر قسم کی عبادت جمع ہیں مثلاً نماز طہارت پر موقوف ہے اور طہارت اسلام میں ایک بہت بڑا اصول ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اسی طرح ستر کا ڈھانپنا نماز کے لیے شرط ہے۔ ستر پوشی تو ہر حالت میں لازم ہے۔ مگر نماز کے دوران تو اور زیادہ ہو کہ ہے۔ انسان برہنگی کی حالت میں نماز ادا نہیں کر سکتا۔ عبادت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ مال بھی صرف کرنا پڑتا ہے تو گرنہ نماز میں الخاق جیسی عبادت بھی شامل ہے۔ پھر نماز کے لیے قبلہ شریف کی طرف رخ کرنا بھی ضروری ہے۔ نماز کی حالت میں انسان متکلف ہوتا ہے۔ اور اعتکاف ایک مستقل عبادت ہے لہذا نماز میں عکوف بھی شامل ہے

نماز کے دوران انسان کے اعضا اور جوارح شروع کا اظہار کرتے ہیں۔ دل سے نیت اور
 اعضا میں بھی ضروری ہے۔ اگر نیت اور خلوص نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز میں شیطان
 کے ساتھ مجاہدہ بھی شامل ہے۔ نماز میں انسان رب العزت کے سامنے مناجات کرتا ہے۔
 اور قرآن کریم کی تلاوت جیسی بہترین عبادت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ نماز میں انسان تہدقین
 کا حکم کرتا ہے۔ اور کتاب ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُ
 وَرَسُولُهُ۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے جس کی انسان کو اسی دیتا ہے۔ نماز میں انسان کھانے پینے
 سے بھی اجتناب کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ الغرض اہم بیضاوی فرماتے ہیں۔
 کہ نماز ایک ایسی اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ کہ اس میں بہت سی دوسری عبادات بھی شامل ہیں۔
 نماز و زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ اور
 رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ مل کر نماز ادا
 کرو۔ اسی لیے تو نماز باجماعت ہمارے مذہب میں تقریباً واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ حضور علیہ السلام
 کی ایسی سنت مؤکدہ ہے۔ کہ اگر بلا غرض ترک کر دے تو انسان منافقوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔
 حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے کہ اگر تم باغذر نماز سے تعلق کر دو گے تو پیغمبر علیہ السلام
 کی سنت کو چھوٹنے والے بن جاؤ گے۔ اور اگر ایسا کر دو گے تو نَضَلْتُمْ گمراہ ہو جاؤ گے۔ صرف
 معذور افراد کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ وگرنہ تندرست آدمی کو بغیر جماعت کے نماز
 پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جماعت میں شریک ہوتے تھے
 اور جماعت سے پیچھے وہی رہتا تھا۔ جس کا اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ یا وہ معذور ہوتا تھا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ صرف سجدہ ہی ہوتا
 تھا۔ اس لیے حکم ہوا کہ رکوع بھی کرو۔ اگرچہ یہ سجدہ اسے کم درجے کا رکھتا ہے۔ مگر بڑی اہمیت
 کا حامل ہے۔ جس نماز میں رکوع نہ ہو، وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے
 ہیں کہ بیشک رکوع نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ مگر مع انْزَاكِہِیْن سے صاف واضح ہے

۱۔ مسلم ص ۲۲۲ ۲۔ مسند ص ۱۲۱ ۳۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۱۲۱ ۴۔ بحار التذلل ص ۲۱۲

۵۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۱۲ ۶۔ تفسیر بن کثیر ص ۸۵

میں نے تیار نہیں۔ اسی میں ذی کرم دوسروں کو توشیح کی طرف دعوت دیتے ہو۔ مگر خدا اس سے بچتے ہو یہ کہاں کا انصاف اور عقلمندی ہے۔

مختصر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہ عواج کی رت میرا گدرا لے لوگوں پر ہوا۔ جن کے ہونٹ جہنم کی قینچیوں سے کاٹے جاتے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے بتایا کہ حضور! یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو امر باعروف یعنی نیکی کا حکم کرتے تھے۔ مگر اپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے۔ اور مڑی نے جی ایک روایت بیان کی ہے کہ جہنم میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا۔ جس کی ہلوسے جہنم والے بھی ہزار ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضور! ایسا بہ بخت شخص کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ صاحب علم شخص جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ایک دوسری حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ جو شخص دوسروں کو نیکی سکھاتا ہے۔ اور خود اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے چراغ جو دوسروں کو روشنی دیا کرتا ہے۔ مگر خود بجنا رہتا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا۔ اور اسے اس حالت میں جہنم رسید کیا جائے گا۔ کہ اس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر نیچے کی طرف ٹھک رہی ہوں گی۔ وہ شخص آنتوں کو اس طرح کھینچے گا۔ جیسا کہ عاخر اس کو کھینچنا ہے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ اور پوچھیں گے کہ اے فلاں! تجھے یہ مصیبت کس طسے پہنچی۔ حالانکہ تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا۔ اور برائیوں سے منع کرتا تھا۔ وہ کہے گا۔ ہاں میں تم کو نیکی کا حکم کرتا تھا۔ مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائیوں سے منع کرتا تھا۔ مگر خود باز نہیں کرتا تھا۔ اس لیے آج مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔

تو فرمایا اے بنی اسرائیل! تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو۔ بڑے مسئل بیان کرتے ہو۔ قرآن پاک کی حقانیت کا اقرار کرتے ہو۔ بنی آخر الزمان کے اوصاف تمہارے بھی بتاتے

۱۔ تفسیر کبیرہ ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲

ہو۔ مگر خود ایمان نہیں لائے۔ اپنے آپ کو فراموش کیے بیٹھے ہو۔ فَدَا تَعْقِلُونِ کیا تم میں عقل و شعور کا مادہ نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔

صبر و صلوٰۃ کی
برکات

فرمایا: وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ یعنی مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔ صبر و صلوٰۃ کو اختیار کرو گے۔ تو برائیاں دور ہو جائیں گی۔ ثبوت الہیاء کا علاج بھی تم صبر کے ذریعے کر سکتے ہو۔ نماز پڑھو گے تو عجز و انکساری پیدا ہوگی اور اس میں مختلف بیماریوں کی شفا ہے۔ پھر فرمایا: وَرَبُّكَ الْكَبِيرُ اور یہ نماز بے شک بڑی بھل دور بھاری ہے۔ اِنَّكَ عَلَى الْخَشِيِّ مگر عاجزی کرنے والوں کے لیے یہی نماز رحمت کا سامان بنتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: کہ حضور علیہ السلام کو اِذَا حَزَبَهُ مَسٌّ فَزَجَّ اِلَى لَعْنَتِهِ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی۔ تو نماز کی طرف رجوع فرماتے۔ کیونکہ نماز سے تعلق باللہ کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت مضبوط ہوگا۔ اسی قدر مشکلات کم ہو جائیں گی۔ انسان کو مصائب کا احساس اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا تعلق باللہ کمزور ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ نماز کئی ظاہری بیماریوں کی شفا کا سبب بھی بنتی ہے۔ امام ابن کثیرؒ اور ابن جریرؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہو گئے۔ شدت درد کی وجہ سے آپ لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ حضور علیہ السلام کا آپ پر گزر ہوا۔ تو فارسی لہجہ میں فرمایا: اَشْكَمُ درد کیا تھا ہے پیٹ میں درد ہو رہا ہے شکم فارسی میں پیٹ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا لَعْنَةُكَ کہ حضور ایا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: قَدْ فَصَلْتُ فَاِنَّ الصَّلَاةَ شِفَاءٌ اَلطَّوْرُ نماز پڑھو کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز پڑھی۔ تو پیٹ کا درد دور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا کر دی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔

ربیع الی اللہ

تو فرمایا یہ نماز بھل ہے۔ مگر عاجزی کرنے والوں پر نہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں لَعْنَةُ

يُظَنُّونَ جَوَاقِينِ کرتے ہیں اَنَّهُمْ قُلُوبًا رَاقِبِينَ کہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے والے ہیں لفظ ظن اضماعہ معانی میں استعمال ہوئے والا لفظ ہے۔ اس کا معنی گمان بھی ہو سکتا ہے۔ اور یقین بھی۔ مگر یہاں یہ ظن کا معنی یقین ہے۔ عربی زبان میں بعض دوسرے کئی الفاظ بھی متضاد معانی رکھتے ہیں۔ جیسے خون کا معنی سیاہ بھی اور سفید بھی۔ اسی طرح حیم کا معنی گرم اور سرد دونوں طرح ہوتا ہے۔

فرمایا یہ نماز ان لوگوں پر واجب نہیں ہے جنہیں یقین ہے کہ انہیں ایک دن اللہ تعالیٰ کی بدگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں اعمال کی باز پرس ہوگی۔ اور نماز جیسی نعمت کی قدر وہاں جا کر معلوم ہوگی۔ اور انہیں یہ بھی یقین ہے اَنَّهُمْ اَنْبِيَاءُ رَاجِعُونَ کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ اُمُومٌ مَّتَمٌ چیزوں کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ وَاَنَّ اِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی کہ ہر چیز کی انتہا بھی وہیں ہوگی۔ چونکہ عاجزی کرنے والوں کا ان باتوں پر یقین ہے۔ اس لیے وہ نہایت خوشی اور ذوق و شوق کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان پر یہ بھاری نہیں ہوتی۔

آلۃ

البقرة

یسریت یکم

(آیت ۴۵ تا ۵۰)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓئِيْلُ اذْكُرْ وَاِغْمِثِيۤ اِلٰهِيۤ اَنۡصَمَتۡ عَلَیْكُمْ
 وَفِيۤ اَفۡضَلَتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجِزِی
 نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ
 مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَاذْكُرْ جَیۡنُکُمْ مِّنْ
 اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمْ سُوۡرَ الْکَذٰبِ یُذۡخَعُوۡنَ اَبۡنَادُکُمْ
 وَ یَسۡتَعۡیُوۡنَ نِسَاۡکُکُمْ وَفِیۤ ذٰلِکُمْ بَلَاۡءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمْ
 عَظِیۡمٌ ﴿۴۷﴾ وَاذۡفُرۡنَا بِکُمُ الْبَحۡرَ فَاَنۡجِیۡنَکُمْ
 وَاعۡرُقۡنَا اٰلَ فِرْعَوۡنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ : اے اسرائیل کی اولاد! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر

انعام کی اور یہ کہ میں نے تم کو فضیلت بخشی جہاں دلوں کے متلبے میں ﴿۴۵﴾

اور ڈرو اس دن سے کہ نہیں بچائے گا کوئی نفس دوسرے نفس سے کچھ بھی اور

ذبحوں کی جائے گی اس سے سفارش اور نہ لی جائے گا اس سے فدیہ اور نہ ان کی

مدد کی جائے گی۔ ﴿۴۶﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو نجات دی فرعون

دلوں سے۔ وہ چلے گئے تھے۔ تم کو بہت بُری نظر۔ وہ ذبح کرتے تھے تمہارے

بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے۔ تمہاری عورتوں کو اور اس بات میں آزمائشیں

تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بُری ﴿۴۷﴾ اور اس بات کو یاد کرو جب ہم نے

تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا تھا۔ اور ہم نے تمہیں نجات دی اور اہل فرعون کو غرق کیا۔

اور تم دیکھ رہے تھے۔ ﴿۴۸﴾

پسے رکوع میں اقبال تھا۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بنی اسرائیل

پر آیات

کا ذکر کیا ہے۔ اور انہیں وہ انعامات و معجزات یاد دلانے ہیں جو ان پر ظاہر کیے گئے تھے۔

نزدک قرآن کے زمانے کے بنی اسرائیل کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ ایمان قبول کریں نیز اس

قوم میں پیدا ہونے والی شریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ
بنی اسرائیل کی روش سے نہ پگھلتے ہیں۔ کہیں ان کی غریبوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ فرعون کی خلافت
میں عرصہ دراز تک رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں بے شمار خرابیاں اور سرکشی کا مادہ پیدا ہو گیا تھا
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنا بے شمار عیساء اور تشریفات رہے۔ سرکشی کا جو مادہ اس
قوم میں پیدا ہوا تھا۔ وہ بے قرار رہا۔ یہ سب باتیں ان آیات سے واضح ہوں گی۔

اسرائیل کا جتنی شہ کا بندہ ہے۔ اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ يٰۤاٰسْرَآءِلُ سَے فریدان یعقوب ذَكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
س نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں بنی اسرائیل کی خلافت سے
آزادی بحیثیت قوم انہیں برتری دینا اور ان میں کثرت سے نبی بھیجا وغیرہ شامل ہیں اور دوسری بات
یہ کہ وَ اِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ میں جہاں والوں پر فضیلت بخشی ہو وہ
میں آتا ہے۔ اِذْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مَثٰوًۢا فَاِذْ دُرِّسَ
احسان کو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اندر بڑے بڑے بادشاہ پیدا کیے۔ اور کثرت سے انبیاء بھیجے
فرمائے۔ اور تم کو دو چیز عطا کی جو جہاں والوں میں سے کسی دوسری قوم کو عطا نہیں کی۔

یہاں پر بنی اسرائیل کی تباہی والوں پر فضیلت سے مراد نہیں ہے۔ بلکہ انہیں حضور کو
عمل اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ قرآن پاک میں وضاحت سے بیان
کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ فضیلت بخشی ہے۔ اور اس فضیلت
کا تحقق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ گویا دونوں جہانوں میں امت محمدیہ کی فضیلت مستند
ہے۔ بنی اسرائیل کی فضیلت سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے دین میں دینی اور دنیوی ہر دو دنیا
سے باقی تمام عالم پر برتری حاصل تھی۔ اُس زمانے میں اس قوم میں صد حجت بھی پائی جاتی تھی۔
اور اُن کی حیثیت بھی مستند تھی۔ ایک خاص چیز جو بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ اس قوم نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک بڑا حصہ تاریخ بنی اسرائیل
پر مشتمل ہے۔ یہ قذوف اس کے ہندو قوم ہزاروں برس تک برسرِ اقتدار رہی ہے۔ بڑے بڑے
چھوٹے قصبے کانیوں کے ہندوؤں کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اپنی یہ غامی خود ہندو بھی

بنی اسرائیل
کی فضیلت

بعد میں آنے والی سے ہر قیامت کے دن سب آگے ہو گئے۔ ان کا حساب و کتاب بھی باقی
امتوں سے پہلے ہو گا۔ اور جنت میں بھی سب پہلے جائیں گے۔ انہیں باقی تمام امتوں پر برتری
حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان پر کیے گئے خدشات یا دوائے کے بعد فرمایا: **وَالْقَوْمُ
يَوْمًا لَا يَجْزِي نَفْسًا عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا** اور اس دن سے دُرو جس دن کوئی نفس نہ بچے
گا۔ دوسرے نفس سے کچھ نہیں۔ بہت ہی خوفناک اور خطرناک دن آنے والا ہے۔ ہر نفس کو
پانے پھیرے اور غمیل کے مطابق بھگتنا پڑے گا۔ یہ دیکھو اس دن انسان کی برتری تقویٰ کے
عبارے سے ظاہر ہوئی۔ تقویٰ کی تشریح میں شیخ عبدعزیز جیلانیؒ نے یہ آیت پڑھی تھی: **يَا
أَيُّهَا الْمُرِبُّ نَعْدُكَ وَرَبُّكَ حَكِيمٌ وَرَبُّكَ آيٌ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** تقویٰ بہت بڑا نیک عمل و احسان کا دامن تمام بے قرابت
داروں کے حق ادا کرے اور غمیل اور بے حیائی کی باتوں سے بچتا ہے۔ غصہ سے اور غمیل میں
اپنوں اور بیکانوں سے عدل لازم ہے۔ اور احسان تو بڑی منزل ہے۔ حقوق کی ادائیگی —
اس سے بھی آگے ہے۔ یہ تمام چیزیں تقویٰ میں شامل ہیں۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اور نہ اس نفس سے سفارش قبول کی جائیگی۔
شاہ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مطلق سفارش کی نفی کی گئی ہے، حالانکہ سفارش
برحق ہے۔ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفارش ہوگی۔ اس مقام پر جس سفارش کی نفی کی
گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کافر کے حق میں سفارش معنی نہیں ہوگی کسی کافر سے
سفارش قبول نہیں کی جائیگی۔ جنوری علیہ السلام نے فرمایا: میری سفارش برحق ہے۔ اور یہ میری امت
کے برائے شخص کو سیغے کی منہ ڈالیں کہ **بِاللَّهِ حَسْبُكَ** جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو تمیز
نہیں بنا تا۔ مگر کافر کے حق میں یہ بالکل قبول نہیں ہوگی۔ البتہ اگر کسی کی فطرت پاک ہوگی جیسے وہ
صحیح ہوگا۔ مشرک اور کافر نہیں ہوگا۔ تو سفارش معنی ہوگی کہ **مَنْ ذَا الَّذِي يَنْفَعُ عِنْدَ**

لَا يَبْذُلُهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِ اجازت کے بغیر بھی کوئی سفارش نہیں ہوگی۔ سفارش کی دوسری شرط یہ ہے
 کہ درجہ یعنی اُسے قوتِ سفارش اس کے حق میں ہوگی۔ جس کا عقیدہ اور بات اللہ تعالیٰ کو پسند
 ہوگی۔ فاسد عقیدہ انسان کے ہاتھ میں سفارش کا کوئی مکان نہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ ایک وقت یہاں بھی آئے گا۔ جس وقت بطل
 کوئی چیز مضیہ نہیں ہوگی۔ حشر میں جو بڑی بڑی چیزیں ہوں گی۔ جب قمری تجلی دوسرے نازل ہو رہی
 ہوگی۔ تو جب یہ عیسائے روم یعنی فہر جا میں گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نفی نفی پکاریں گے اس
 موقع پر سفارش کہاں ہوگی۔ ہاں جس دوسرے موقع پر دوسرا نطق کے ساتھ سفارش ہوگی۔ کہ اللہ
 تعالیٰ کی اجازت ہو اور جس کے حق میں سفارش کی جا رہی ہے۔ اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

فرمایا اُس دن سے ڈرو جس دن سفارش بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ وَلَا يُخَفِّذُ
 مِنْهَا عَذَابٌ اور جس دن فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ کہ کوئی شخص فدیہ دے کر اپنی
 جان بچا کر لے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہوگا۔ دوسری جگہ صاف موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کی
 بھری ہوئی پوری زمین میں فدیہ دیکر اپنی جان بچانا چاہے گا۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اول تو اتنا
 مال و دولت۔ سونا۔ چاندی کیا ہونا ہی ناممکن ہے۔ اللہ اگر بالفرض ایسا بھی جائے۔ تو اتنا بڑا
 فدیہ بھی کسی کا نہ آئے گا۔ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ کسی طرف سے ان کی مدد ہوگی۔ دنیا
 میں کسی کو چھوڑانے کے یہی طریقے ہیں۔ کیس سفارش چل گئی کیس فدیہ یا نذرانہ دے دیا کیس جہانمندی
 کرنی۔ مگر میدان حشر میں ان میں سے کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔

بعض لوگوں نے سفارش کا عقیدہ بالکل ایسا بنایا ہے۔ جیسے عیسائیوں نے کفار سے
 کا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ یہ غلط عقیدہ ہے۔ سفارش حقیقت میں انسان کے عقیدے اور اعمال
 کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہودیوں نے بھی غلط امیہ لگا رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے۔ اور وہ کسی ختمہ کے بونے اسرہیلی کو دوزخ میں
 نہیں گرنے دیں گے۔ ہر جو چاہی کرتے رہیں۔ دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ آگے آ رہا ہے کہ

مردوں کے قتل اور عورتوں کے زندہ رکھنے کا عمل بنی اسرائیل کے ساتھ درود فہمیش آیا۔ پہلی دفعہ یہ علامہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دیا گیا۔ جب بنجیوں نے پیش گوئی کی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون کی سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ اُس وقت فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی بچہ پیدا ہو۔ اُسے ذبح کر دیا جائے۔ ورنہ زندہ نہ چھوڑا جائے۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر میں ہی اُن کی پرورش کی۔ اور وہ سارے واقعات پیش آئے جو سورۃ قصص میں مذکور ہیں۔

ظلم کی اس چکی میں کتنے بچے پیسے۔ اسکے متعلق مختلف روایات آتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس وقت تو سب بزرگ بچے ذبح کئے گئے۔ علم و عہد کی پراختیا تھی۔ اُن والدین کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ جس کے سامنے ان کے نومولود بچوں کو قتل کر دیا جائے۔ ایسے والدین کی پریشانی کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اس احسان کو یاد کرو۔ جب میں نے تمہیں اس ظلم سے نجات دی۔

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا دوسری دفعہ حکم فرعون نے اُس زمانے میں دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بن کر آئے اور تبلیغ کا کام شروع ہوا۔ اس وقت فرعون کو دوبارہ خطرہ پیدا ہوا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اسے کسی طرح کم کرنا پڑیے۔ چنانچہ اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو۔ اُسے قتل کر دیا جائے۔ اور اگر لڑکی پیدا ہو۔ تو اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔ لڑکیاں ہماری خدمت گزار ہی کے کام آسکیں گی۔

فرمایا وَفِي ذُنُوبِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑا امتحان تھا۔ بنی اسرائیل کے یہ واقعی بہت بڑی آزمائش تھیں کہ اپنے سامنے بچوں کو ذبح کرنا اور کس طرح اس امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جب بنی اسرائیل اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ رحمت اور حوصلہ چھوڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ظلم سے نجات دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوسرا بڑا احسان یہ بتلایا کہ اِذَا فَرَغْتَ أَتَابَ لَكُمُ
 الْفَحْرَ فَاَنْجَحْتُكُمْ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا اور تم کو نجات دی بنی
 اسرائیل جب ہجرت کر کے مصر آئے تھے۔ تو اس وقت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے
 بڑے آدمی تھے۔ چار پانچ صدیوں کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو اس وقت
 بنی اسرائیل کے تعداد تقریباً چھ لاکھ ستر ہزار ہو چکی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا
 کہ میرے ان بندوں کو لے کر یہاں سے نکل چلیں۔ یہ سننے پر اپنی قوم سے مشورہ کیا اور طے
 پایا کہ بغیر اطلاع یہاں سے نکلنا درست نہیں بلکہ فرعون سے اجازت حاصل کر لینی چاہیے۔
 چنانچہ انہوں نے فرعون سے اجازت طلب کی کہ مجھ پر کسی تقریب میں جانا چاہتے ہیں اجازت
 مل گئی۔ انہوں نے فرعونوں کے زیورات وغیرہ بھی حاصل کر لیے۔ کہ ایک خاص تقریب میں
 شامل ہونا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سفر پر روانہ ہو گئے۔ سارا دن گزر گیا۔ اگلی رات فرعونوں کو
 احساس ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل بالکل ہی نہ چلے جائیں۔ ان کا پتا کرنا چاہیے۔ فرعون نے تعاقب
 کا حکم دے دیا۔ ایک دن شکر کی تیاری میں گزر گیا۔ اور دوسری رات بھی گزر گئی۔ بنی اسرائیل
 مسلسل چلتے رہے۔ مگر سے شرق کی جانب بکھر قلمم آتا ہے۔ اس کو بھور کرنے کے بعد
 صحرائے سینا آتا ہے۔ یہ بارہ کوس کی مسافت ہے۔

تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ فرعون کا لشکر بارہ لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔ شاہ ریح الدین
 فرمے ہیں کہ لشکر اور بازاری لوگ ملا کر کل نفری ساٹھ لاکھ کے قریب تھی۔ اور جب
 بنی اسرائیل بکھر قلمم کے کنارے پر پہنچے تو پتا چلا کہ پیچھے فرعون لشکر لے کر آ رہا ہے بڑے گھم
 کہ اب تو ہم بچنے کے چاہیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں بچے گا۔ موسیٰ علیہ السلام
 نے بنی اسرائیل کو تسلی دی کہ گھبراؤ مت اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِي۔ بیشک میرا رب میرے
 ساتھ ہے۔ وہ ضرور راہنمائی کرے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اَنْ اَصْرِبْ بِقَعْدَةِ
 الْبَحْرِ۔ یعنی اے موسیٰ اپنی رہتی سے سمندر میں بارہ جگہ ضرب لگاؤ۔ بنی اسرائیل کے بارہ

قبیلے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارہ مقامات پر ضرب مکانی اور بارہ

ستے کمند میں بن گئے۔ بارہ کوس کے بستے ہیں پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ گڑ پانی
منجمد ہو گیا۔ اور ان بارہ راستوں کی درمیانی دیواروں میں کھڑکیاں بھی بن گئیں۔ تاکہ درجن ہزار ایک
قبیلے کے لوگ دوست قبیلے والوں کو چھو بھی سکیں۔ یہ سب کچھ عجیبانہ طور پر ہوا جس کی تفسیر قرآن
پاک اور تفسیر میں موجود ہے۔ مگر سرتیہ اور تیرہ ذیلی خرقے میں ہوا کرتے ہیں۔

بہر حال تمام قبیلے اپنے اپنے رستوں پر روانہ ہوئے۔ نتیجے سے فرعون کا لشکر بھی ان
پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ پانی میں رستے بنے ہوئے ہیں۔ اور بنی اسرائیل ان راستوں پر چل
اویں میں۔ فرعون کھڑکیوں پر سواتھے۔ مگر ان کے گھوڑے پانی میں نہ گرنے کے لیے تیار نہ
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو کھڑکی پر سور کر کے بھیجا۔ آپ آگے چلے۔ کھڑکی
کی بوسٹہ کھڑکیوں کے درمیان بھی تھپتھپے کیے چل پڑا۔ میسائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کے
ساتھ لشکر کو پیچھے روک چنانچہ انہوں نے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل تمہارے ہاتھوں سے نکلے
جائے ہیں۔ تعاقب کر کے ان کو چڑھو۔ چنانچہ سارا لشکر پانی میں بنے ہوئے راستوں پر چل نکلا
بنی اسرائیل بارہ کوس مسافت طے کر کے کمند سے پار ہو گئے۔ اور فرعون کا سارا لشکر پانی میں
بنے ہوئے راستوں کے درمیان آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم کیا: فَغَشَّيْهُمْ مِنَ اللَّيْلِ
مَا غَشَّيْهُمْ پھر پانی کی موجوں نے انہیں اس طرح گھیر کر ان میں سے ایک بھی زندہ نہ
بچا۔ صرف فرعون کی ریش کو پانی نے عبرت کے لیے باہر پھینک دیا۔ اسی واقعہ کو یاد دہاتے
ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَعْرَفْنَا لَهُمْ ذُرُوعَهُمْ وَجَنَابُهُمُ الذُّرُوعَ وَأَنَسُّوهُ
فَأَعْرَضُوا اور یہ سب کچھ بتا رہی آنکھوں کے سامنے برائیت سے اس حسان کو یاد کرو۔ جب تمہارا
یہ منہ میں۔ ستے بنائے ہیں کے ذریعے تمہارے کمند کو جو کر رہا وہ فرعونوں کے نجات یاب۔
مگر اس پانی میں فرعون کے ساتے لشکر کو تمہارے سامنے طوفی کر دیا۔ ان حضرات کو یاد دلانے کا مقصد
یہ تھا کہ اب بھی ایسی بیاریوں سے باز رہو۔ اور اس دن سے ڈر جاؤ۔ جس دن نہ کئی سفارش کا مآثر
ورنہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ وہ کچھ میں نے تمہارے دل پہ نازل کیا ہے اس پر ایمان دو

سہ عہدہ خان علیہ منہی میاں محمد امجد علی میاں

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ أَخَذْنَا الْعِجْلَ مِنْ
 بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ سَفَّوْنَا عَنْكُمْ مِنَ بَعْدِ
 ذَلِكَ لَعْنَتَكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ
 لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَتَّبِعُوا أَمْرًا
 ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ
 فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَارِئِكُمْ
 فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: اور اُس وقت کو یاد کر جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس
 رات کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد کچھ ٹے کو معبود بنایا۔ اور تم ظلم کرنے لگے
 تھے ﴿۵۱﴾ پھر ہم نے معاف کیا تم کو اس کے بعد تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور
 اس بات کو یاد کر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان تاکہ تم ہدایت
 پا جاؤ ﴿۵۳﴾ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔
 اے میری قوم! تمہارے لوگو! بے شک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ بوجہ بنائے گئے
 کچھ ٹے کو معبود۔ پس توبہ کر اپنے پیہ کرنے والے کے سامنے۔ پس قتل کرو
 ایک دوسرے کو۔ یہ بہتر ہے تمہارے پیہ کرنے والے کے پاس۔ پس انہی نے رجوع
 کیا تمہارے اوپر بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿۵۴﴾

نزل تورات
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے ان کا ذکر مسلسل آ رہا ہے۔ فرعون کی غلامی
 سے نجات دلانے، دریا کو بچاؤ کے معجزہ، طور پہ پانی میں راستے بنانا، اور بنی اسرائیل کو بچانا اور پھر
 فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت وغیرہ کا ذکر آچکا ہے۔ اس درس میں بعض مزید انعامات کا تذکرہ
 ہے۔ سمجھو ان کے بنی اسرائیل کو کتاب اور شریعت عطا کرنا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَرَدْنَا مَوْسَىٰ رَٰبِعِينَ لَيْلَةً ۚ اِس بات کو دھیان میں لاؤ جب کہ ہمارے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ کوہ طور پر چالیس رات تک تنہائی میں اعتکاف کریں۔ قرآن پاک میں ہے کہ اصل وعدہ ایک مہینہ کا تھا۔ مگر بعد میں بڑھا کر چالیس رات کر دیا گیا۔ وعدہ یہ تھا کہ مسلسل چالیس رات کے اعتکاف کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جائے گی۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کر چکے تھے۔

وَعَدْنَا بَابِ مَنَا عِلْمَ الْصَيْغَةِ ۚ اور اس کا معنی بھی وَعَدْنَا ہی ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔ بنی رسول اور صاحب شریعت تھے۔ خدا تعالیٰ کے خلیفہ بھی تھے۔ لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جسے عربی میں ڈھال دیا گیا ہے۔ عبرانی زبان کا اصل لفظ مِیْتُ تھا۔ معنی پانی اور شا کا معنی درخت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں پانی میں بہتے چلے آئے تھے۔ جب انہیں اٹھایا گیا وہاں درخت بھی موجود تھے۔ اس بنا پر آپ کا نام میثا اور پھر عربی میں موسیٰ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے سولہ سو سال پہلے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر مبارک یک سو تیس سال تھی۔ اسی عمر میں یہ سائے واقعات پیش آئے۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن بصیر بن فہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم لاوی یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور عرف عام میں بڑا بیٹا بن ریاست اور نیابت کا واسطہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام کو دونوں حیثیتیں حاصل تھیں۔ حقیقی ریاست یعنی نبوت بھی ان کو حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول بنایا۔ اور عام ریاست یعنی نیابت بھی بڑا ہونے کی حیثیت سے آپ کو ہی حاصل تھی۔

فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کو احساس ہوا کہ وہ اب آزاد ہو چکے ہیں۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ لہذا ان کے پاس اپنا قانون بنانا چاہیے۔ جس سے وہ رہنمائی حاصل

کریں۔ اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ چنانچہ قوم کی خواہش پر موسیٰ علیہ السلام نے رب العزت کی بارگاہ میں عرض کی کہ ہمیں کوئی قانون عطا کیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ طور پر آکر چالیس دن کا اعتکاف کرو۔ تو تمہیں کتاب دینی جائے گی۔ جو تمہارے لیے مکمل قانون ہوگی۔

تفسیر معالم التنزیل اور بعض دیگر تفاسیر میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے صحرائے سینا میں وارد ہوئے اور انہوں نے چالیس سال میدان تیر میں گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی وہیں ہوئی۔ ہارون علیہ السلام بھی اسی مقام پر فوت ہوئے۔ تاریخ سے بھی یہ چیز ثابت ہے کہ چالیس سال تک بنی اسرائیل صحرائے سینا میں ہی محصور رہی کرتے رہے۔ یہ لوگ صحر کی طرف نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ ارض مقدس پر حملہ کرو۔ وہاں پر تمہیں قبضہ دیا جائے گا۔ مگر یہ لوگ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ چالیس سال بعد بنی نسل نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے ارض مقدس پر حملہ کیا اور کامیاب ہوئے، اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب حضرت یوشع علیہ السلام منصب نبوت پر فائز تھے۔ انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ کو ان کے زمانے میں شام اور فلسطین پر بنی اسرائیل قابض ہوئے، اُس زمانے میں اس علاقے میں قوم عیالہ کی حکومت تھی۔

معالم التنزیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر قلزم کو پار کرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم کے کچھ آدمیوں کو صحر کی طرف بھی بھیجا تھا۔ مگر یہ تھا کہ وہاں کا انتظام کریں۔ ایمان نہ ہو کہ چور۔ ڈاکو، قزاق، مفسد وغیرہ ملک میں بد امنی پھیلے۔ یہ بات اگرچہ عام روایتوں کے خلاف ہے تاہم اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بعض لوگوں کو وہاں بھیجا ہو مگر آپ خود وہاں نہیں گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کوہ طور پر محض ہوئے تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ملی۔

توراة کا لفظی معنی قانون ہے اور اس سے مراد قانون شریعت ہے۔ اپنے زمانے میں
 توراة بڑی عظیم المرتبت کتاب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ ایسی کتاب عنایت کروں گا۔ جسکی
 شریعت اور قانون قرون تک جاری رہے گا۔ آسمانی کتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ قرآن پاک کا ہے
 اور اس کے بعد توراة کا۔ جس طرح قرآن پاک میں قانون فوجدانی، دنیائی، اخلاق، عبادات، معاش
 وغیرہ موجود ہیں۔ اسی طرح توراة میں بھی ہر قسم کے قوانین موجود ہیں۔ جس طرح توراة کا معنی قانون ہے۔
 انجیل کا معنی بشارت ہے۔ زبور کا معنی تصنیف ہے۔ اور اس میں زیادہ تر دعائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 کی آخری کتاب قرآن ہے۔ جس کا معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ چنانچہ آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ
 پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک ہی ہے۔

حکمت نام
 نعت ہے

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ذوالقعدہ کی ابتداء میں کوہ طور پر متعلق ہوئے
 اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے توراة عطا کی۔ گویا پورا ماہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے
 دس دن آپ نے احکامات کیا۔ یہ چالیس دن کا بھی خاص اثر ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ مَنْ
 اخْلَصَ لِلَّهِ اَرْبَعِينَ يَوْمًا ظَهَرَتْ يَتَابِعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ كُلِّ
 لِسَانِهِ جس نے چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کیا۔ حکمت اس کے دل سے
 نکل کر اس کی زبان پر ظاہر ہو جائے گی۔ حکمت دانشوری کو کہتے ہیں اور یہ بڑی گہری بات ہے
 جسے نصیب ہو جائے۔ وَمَنْ يَكُنْ الْحِكْمَةُ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
 جسے حکمت عطا کر دی گئی۔ اُسے خیر کثیر مل گئی۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَقَدْ اَتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ
 ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔ یہ لقمان اللہ کے ایک بزرگ تھے۔ نبی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ
 نے انہیں بڑی ذہانی عطا کی تھی۔ تو مقصد یہ ہے کہ چالیس دن تک اخلاص پر تنے سے حکمت
 زبان پر جاری ہو جائے گی۔ حدیث شریف کا یہ مطلب ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ خُصِمَ طَيْنِ اَدَمَ اَرْبَعِينَ صَبَاحًا
 آدم علیہ السلام انہی چالیس روز تک خمیر کی گئی۔ اور یہ اللہ کے سلسلہ میں بھی آتا ہے۔ کہ جب

ہر دین
 کی تحت

۱۔ معارف القرآن ج ۱ ص ۲۹۰۔ ابن کثیر ص ۹۰۔ ۲۔ فیض القدر شرح جامع صغیر ص ۲۱۰۔

۳۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۱۰

محل قرار پاتا ہے تو پائیس دن تک نطفہ رہتا ہے۔ اس کے بعد علقہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پچھ پائیس دن بعد اس میں دوح لسانی ہوا جاتی ہے۔ اس سے پٹہ دوح جوانی ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام عام طور پر پائیس دن کا پڑھتے ہیں چالیس دن روزہ بھی رکھواتے ہیں۔ اور عبادت بھی کر دیتے ہیں جس کا خاص اثر ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک خوبصورت عورت باجماعت نماز پڑھا کرتی تھی۔ کسی فوجوان کی نظر پڑی تو اس پر عشق ہو گیا۔ اس نے عورت کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ وہ بھی سمجھ گئی۔ کہ یہ شخص فتنے میں مبتلا ہو گیا ہے۔ وہ عورت کامل الایمان تھی۔ کہنے لگی کہ میں تجھے ملاقات کا موقع اس شرط پر دیتی ہوں کہ تم حضرت عمرؓ کے پیچھے چالیس دن تک نماز ادا کرو۔ اور یہ اس حالت میں ہو کہ تمہاری تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ اس شخص نے سُنے نہایت آسان کام سمجھتے ہوئے نماز باجماعت شروع کر دی۔ ابھی وہ روز ہی گزرتے تھے کہ اس میں تغیر آنا شروع ہو گیا۔ جب چالیس دن مکمل ہوئے تو اس شخص کی کایا ہی پٹ چکی تھی۔ اب اس عورت نے پیغام بھیجا کہ تمہاری شرط پوری ہو چکی ہے۔ تم اگر ملاقات کر سکتے ہو۔ تو ہوں نے جواب بھیجا کہ اب میری ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہو چکی ہے۔ تمہاری ملاقات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چالیس دن کے چلنے کا اس فوجوان پر یہ اثر ہوا۔ اس کے بعد اس عورت نے اس واقعہ کا ذکر اپنے خاوند سے کیا۔ اور اس نے سارا واقعہ حضرت عمرؓ کو سنا دیا۔ آپؓ فرمایا صَدَقَ اللہُ تَعَالٰی اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا اِنَّ لِمَنْ لَّوَا تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ بَے شک نماز بے حیائی اور بڑے کاموں سے روکتی ہے۔ اور پھر نماز بھی ایسی جوامیر المؤمنینؓ کے پیچھے ادا کی گئی ہو۔ سُبْحٰنَ اللہِ اس کا کیا ہی اثر ہو گا۔ بہر حال پائیس کے بعد دایہ خالی اثر ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام چالیس روز کے لیے کوہ طور پر مبعوث ہو گئے تھے اَتَّخَذْنٰمُ الْبَیْطِلَ مِنْ اٰیٰتِہٖ تَمَیِّزًا تَمَّ نَمُوۡسٰی عَلَیہِ السَّلَامُ کے بعد کچھ رست کو عبور بنایا۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوۡنَ

بنی اسرائیل کی
گمراہ پرستی

اور تم بڑے ظلم کرنے والے تھے۔ تم نے کچھ خیال نہ کیا۔ تمہارے پاس ایک پیغمبر بھی موجود تھے۔
 مگر اس کے باوجود تم کو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شرک میں طوط ہو گئے۔ حالانکہ "إِنَّ
 الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا "وَالَّذِينَ كَفَرُوا
 هُمُ الظَّالِمُونَ" کفر کرنے والے بہت بڑے ظلم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں دخل انداز
 کرتے ہیں۔ اس کی صفات میں شرک کرتے ہیں۔ یا اس کی عبادت میں شرک بٹھراتے ہیں۔
 سورہ ظلمہ میں آتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو سالہ پرستی سے منع کرتے
 ہیں۔ انہوں نے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس قوم نے کوئی بات نہ مانی۔
 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ گو سالہ پرستی ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔ یہ بہت
 سمجھ کر صرف بکھرے کی پوجا ہی شرک نہ فعل ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوجھ کی بھی پوجا کی جائے
 گی۔ وہ شرک ہی ہوگا۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ "قَسَّ عِبْدُ الْبَنَاتِ
 تَبَادُوهُنَّ بِمَا بَدَّاهُنَّ" تبادو دینار کا بندہ تبادو دینار ہو گیا۔ "إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخَطَ"
 اگر دے دے دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ یہ دراصل
 درجہ و دینار کی عبادت ہی تو ہے۔ اس کو بھی گو سالہ پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایک ماہ متوالہ
 ہے کہ جو چیز تجھے نہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ تیرا طاغوت ہے۔
 اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہارون علیہ السلام جیسے نبی کی موجودگی میں
 بنی اسرائیل گو سالہ پرستی میں کیسے مبتلا ہو گئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کی غالب وجہ
 یہ ہے کہ مصر میں صدیوں تک بتے ہوئے بنی اسرائیل نے مصریوں کے اثرات قبول کر لیے
 تھے۔ مصری لوگ سانپ کی پوجا کرتے تھے۔ لگنے کی پوجا کرتے تھے۔ اور سورج کی پوجا
 کرتے تھے۔ فرعون کا معنی ہی بڑا دیوتا ہے۔ اور یہ سورج کے نام پر بنایا ہوا تھا۔ اس کے
 علاوہ مظاہر قدرت کی پوجا کرتے تھے۔ یہی چیز بنی اسرائیل میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ لہذا
 انہوں نے بھی بکھرے کی پوجا شروع کر دی۔

مختلف قوموں نے
 اپنی اپنی
 اشیاء

اقوام عالم کے ایک دوسرے پر اثرات تاہم جو پر ثابت ہیں۔ ہر صغیر کے ٹھکان مندوں کے
اثر سے بہت متاثر ہوئے۔ ہندوؤں کی بہت سی دیکھیں ٹھکانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مرنے والے
کاشیا۔ ساتواں چالیسواں وغیرہ ہندو مذہب میں۔ دورہ ٹھکانوں کا ان دھرموں سے کوئی تعلق نہیں۔
اسی طرح بنی اسرائیل چونکہ منہ یوں کے غلام تھے۔ لہذا ان کے اثرات بنی اسرائیل میں بھی
سرایت کر گئے۔ موجودہ زمانے میں دیکھ لیں جو قومیں انگریزوں غلامی میں رہی ہیں۔ وہ سب ان کی
تہذیب و تمدن سے متاثر ہیں۔ مشرقی ممالک میں سے ایرانیوں۔ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں نے
ان کا بڑا اثر قبول کیا ہے۔ یہی حال عربوں مصریوں اور شامیوں کا ہے۔ بعینہ منہ یوں کی عادات
بنی اسرائیل میں سرایت کر چکی تھیں۔ لہذا موقع ملتے ہی انہوں نے گولہ پستی شروع کر دی۔

بعض سرکاری صوفی عقیدہ کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں
مداخلت کر جاتا ہے۔ اور اس شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے ہندوؤں میں اوتار کا عقیدہ بہت
کہ اللہ تعالیٰ فلاں کی شکل میں ظاہر ہو گیا ہے۔ یا فلاں جہنم میں اس نے ظہور کیا ہے۔ تو اسی قسم کے
فلسفہ عقیدہ کی بنیاد سامری بدعت انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں کہ قرآن میں موجود ہے۔
سامری نے کہا۔ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ آبَائِكُمْ یعنی تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا الہی ہے
اللہ تعالیٰ اس بچہ ٹھکانے میں صوفیوں کے آگے سامری کی پوجا شروع کر رہا ہے بچہ ٹھکانے نے بونا تو شروع
کر ہی دیا تھا۔ جمال قسم کے بنی اسرائیل سامری کی باتوں میں آ گئے۔ اور انہوں نے بچہ ٹھکانے کی
پوجا شروع کر دی۔

باقی۔ بایں سوال کہ سامری نے یہ کونسا کیسے ظاہر کیا۔ تو یہ شخص میسک۔ مشر یا ہادی
یا جادوگر تھا۔ وہ مختلف قسم کے نرک جانتا تھا، چنانچہ اس نے چال بازی سے کام لیا۔ جب
فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں بحیرہ قلزم پر پہنچا اور ان کے گھوڑے سمندر میں اترنے
سے بچ چکے۔ تو اللہ جل جلالہ نے جبریل علیہ السلام کو گھوڑی پر سوار کر کے مہیبا جو لشکر فرعون
کے آگے چل رہا تھا۔ سامری نے دیکھا کہ جس جگہ پر جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کا پاؤں لگتا ہے
وہاں فوراً سبزہ اُگ جاتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی کڑی ہے۔ اس نے گھوڑی کے پاؤں کی
جگہ کی گھوڑی کی سنی ٹھکانہ کر لی۔ وہ سنا تو تھا ہی۔ اس نے سونے کا بچہ بنا دیا۔ اور اس کے منہ

میں وہ مٹی رکھ دی۔ جس کی وجہ سے پھر طے سے بولنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے مشورہ کر دیا۔
کہ خدا تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام
کی واپسی

موسیٰ علیہ السلام چالیس روزہ اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب لے کر واپس آئے
تو دیکھا کہ کئی لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ آپ سخت ناراض ہوئے۔ مشرکین کو زجر کیا۔
اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے بھی بڑے ناراض ہوئے کہ آپ نے قوم کو شرک میں مبتلا ہونے
سے کیوں نہ روکا۔ بھائی نے غصہ پیش کیا کہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے تو انہیں ہر چند شرک
سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہ تو میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ "وَكَادُذًا يَقْتُلُونَنِي"
یہ سارا تو سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات
نہیں مانتے تھے۔ تو آپ ان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ اس کے جواب میں ہارون علیہ السلام
نے کہا کہ میں نے تفریق کو پسند نہ کیا۔ کہ آپ واپس آکر اعتراض کرتے کہ قوم کو دو ٹکڑوں
میں کیوں تقسیم کر دیا۔ ان میں پارٹی بندی پیدا کر دی ہے۔ لہذا میں نے انہیں کے درمیان سے
ہوئے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر ان بدتمیزوں نے میری بات نہ مانی۔

پھر طے کے
بکباروں کا
قتل

جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو خوب ڈانٹا تو وہ پشیمان ہو گئے۔ انہیں احساس ہو گیا کہ
انہوں نے غلط کام کیا ہے۔ اور اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ہمارے اس جرم کا ازالہ کس
طرح ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ
مُؤْتَدِينَ بِثَمَنٍ كَثِيرٍ يَتَكَلَّمُونَ بِذُنُوبِهِمْ أَنَّ ثَمَنَ النَّفْسِ بِعَشْرَةِ نَسَمَةٍ لِّمَنِ اسْتَقْتَلَتْ
وَأَنَّ النَّفْسَ الْكَافِرَةَ أَكْثَرُ مِمَّا كَسَبَتْ۔ اور فرمایا: وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلِينَ وَلَا الْآخِرِينَ
جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ اور فرقان یعنی فیصلہ کن طاقت یا معجزات عطا کیے
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ امْكُثُوا
فَلَمَّتُمْ أَنْفُسَكُمْ میری قوم کے لوگ! تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے۔
بِإِخْخَاذِكُمُ الْيَمَدَ کہ ایک پھر طے کو عبور نہ پایا ہے، فَتَوَلَّوْا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ
پس توبہ کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے اور یہ توبہ صدق دل سے ہونی چاہیے۔ محض نانی

توبہ قابل قبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کا طریق کار یہ متعین فرمایا کہ فَاتُوبُوا اِنْ كُنْتُمْ مِنْهُمْ اپنی
 ہی جانوں کو قتل کرو۔ مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ وہ مشرکوں کو قتل کر
 دیں۔ اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ فرمایا یہ بظاہر بہت بڑا امتحان ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے
 کو قتل کرو مگر یاد رکھو ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ عَنْ دَارِكُمْ یہ بات تمہارے
 پیہ کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔

الغرض حضرت ہارون علیہ السلام اپنے ان بارہ بھائیوں کو لے کر آگئے جنہوں نے
 پکھڑے کی پوجا سے اجتناب کیا تھا۔ اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں
 برہنہ تواریں تھیں۔ ہارون علیہ السلام ایک اونچی جاگ پر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا يَا مَعْشَرَ بَنِي
اِسْرَآئِيْلَ اِنَّ خَيْرَ لَّكُمْ اَتُوكُمْ شَاهِرِيْنَ سَيُوفَهُمْ يُرِيدُوْنَ
اَنْ يَّقْتُلُوْكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا یعنی اے بنی اسرائیل کے گروہ۔ یہ تمہارے
 بھائی برہنہ تواریں لیے تمہارے قتل کے لیے آئے ہیں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ اپنے
 قتل میں مزاحمت نہ ہونا۔ چنانچہ ہارون علیہ السلام کے بھائیوں نے تواریں چلانا شروع کر دیں ان
 کے پنے ہی عزیز واقارب مارے گئے۔ بیشمار لوگ قتل ہوئے۔

فرمایا جب یہ شرط پوری ہوگئی تو فَتَنَابَ عَلَيْكُمْ اللّٰهُ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول
 کر لی اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ
 کی قبولیت کا فائدہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل قتل ہو کر آخرت کے دائمی مذاک بچ گئے۔

آلۃ
درس بہت درسا

البقرة
(آیت دوم تا دہم)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ إِلَٰهَ جَهَنَّمَ فَلَاخِذْكَ
الْصِّبْغَ ۚ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَيْنِ
مَوْتِكَمُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۵۶ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ
الْغَمَامَ ۚ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالتَّلْوِيَّ كَمَا مِنْ
طَبِيبٍ ۖ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يُظْلِمُونَ ۝۵۷

ترجمہ: اور جب تم نے کہاے موسیٰ! ہم ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے یہاں

تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو غائب پس پڑھو یہ کہ تم بھی سنے اور تم دیکھو ہے تم ۝۵۵

پھر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر د کرو ۝۵۶ اور ہم نے تمہارے

دوپر بادل کا سایہ کر دیا۔ اور تمہارے اوپر من اور سلویٰ اتارا۔ لکھا پائیزہ چیزیں جو تم نے

تمہیں روزی دی ہیں۔ اور انہوں نے ہم پر ظہر نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنی باؤں پر غور کرتے تھے ۝۵۷

بنی اسرائیل کی غریبوں اور ان کی سرکشی کا ذکر آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر جو

انعامات کیے ان کا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا: وَإِذْ أَنْتُمْ مُوسَىٰ

لَجَّيْتُمْ وَتَوَلَّيْتُمْ ۖ فَوَضَعْنَا الْقُرْآنَ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ فَتَعْلَمُونَ ۝۵۸

اور فیصلہ کن بات غنایت کی۔ اس سلسلے خود بنی اسرائیل کے لوگوں نے خواہش ظاہر کی

تھی کہ ان کے لیے کوئی ضابطہ حیات ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور

پر اعشکان بھیجے کی ہدایت کی۔ اور تکمیل اشکات پر اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا فرمائی۔

موسیٰ علیہ السلام کتاب توراۃ لے کر قوم کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیے یہ ضابطہ حیات دیا ہے۔ قوم نے کہا کہ ہمیں پڑھ کر سنائیے موسیٰ علیہ السلام نے

کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ

ربط آیات

روایت بنی
کتاب

نے آپ کو دئی ہے۔ یا آپ خود بنا لائے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اُسی واقعہ کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔ اسرائیل کو خطاب ہے۔ وَإِذْ قُلْنَا لَهُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اور اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے لئے موسیٰ نے ان لوگوں میں ہم ہرگز آپ کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کتاب ہے۔ حَتَّىٰ نَسْأَلَ اللَّهَ جَهَنَّمَ یہاں تک ہم خود اللہ تعالیٰ کو ظاہر ہی طور پر نہ دیکھ لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ چلو تم ساری یہ شرط بھی پوری ہو گئی۔ آپ نے ستر آدمی منتخب کئے۔ کہ میرے ساتھ طور پر چلو۔ وہاں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست سنا دوں گا کہ یہ کتاب اُسی نے نازل کی ہے۔ تو ر طور پر چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ آپ نے ہر قبیلے سے جو چھ آدمی بھلے۔ بارہ قبیلوں کے ستر آدمی جمع ہوئے۔ ان میں دو آدمی حضرت یوشع اور قابیل کے لئے۔ کہ ہمیں آپ کی بات پر یقین ہے۔ لہذا ہمیں طور پر جانے کی ضرورت نہیں۔ چرچہ ان دو آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعد میں انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام۔ تین ستر آدمیوں کو لے کر طور پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔ کہ ہاں یہ کتاب میں نے ہی دی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بات سننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

بعض مفسرین کلام کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے کچھ بڑے کی پوجا کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کیا۔ کہ کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے اس فعل شیع کی معافی طلب کریں۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بعد ان لوگوں نے یہ بے ادبی کی۔ کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

بنی اسرائیل
سزا

تفسیری روایات اور بائبل کی روایات کے مطابق جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہ سننے کے بعد بھی تورات کو کتاب الہی تسلیم نہ کیا۔ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِأَمْرٍ انہیں بھلی نے پھڑپھڑایا۔ ان کی سرکشی کی یہ سزا دی گئی کہ کچھ دن بھلی چلی۔ اور سب کو فنا کر گئی۔ کہتے ہیں کہ

بکلی دراصل عالم مثال کا حجاب زوری یا ندی تھا جس کی چمک ظاہر ہوئی تھی۔ اور جو ان لوگوں کی تباہی کا باعث بنی۔ بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا کہ یہ سارا واقعہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا۔
وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔

مدیت الہی اس
جہان میں ممکن نہیں

بنی اسرائیل کی رویت الہی کی شرط قابل قبول نہیں تھی۔ کیونکہ اس جہاں میں کسی شخص کے پاس یہ صلاحیت موجود نہیں ہے۔ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکے اس مادی جہان کے بعد جب اگلے جہان میں پہنچیں گے۔ تو وہاں پر یہی نگاہیں اتنی طاقتور ہو جائیں گی کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّكُمْ لَنْ تَعْدَارَ رَبَّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى تَمُوتُوا تم کہے بغیر اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ قیامت کے بعد جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رویت تمام محدثین اور فقہار کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ قرآن پاک میں موجود ہے وَجُوهٌ يُؤْمِنُ بِذُنُوبِهَا فَهِيَ إِلَىٰ رَبِّهَا فَاظْمِنَةٌ تَكْنِي حُجْرَةً اس دن تو تازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کا دیدار کرنے والے ہوں گے۔ مگر یہ سب اگلے جہان کی بات ہے۔ اس جہاں کے کثیف اعضاء میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کہ وہ زیارت الہی سے مشرف ہوں۔ بلکہ اگلے جہاں کے لطیف اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ صلاحیت پیدا فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار بعض گمراہ فرقے مثلاً رافضی، معتزلہ اور غدار جی وغیرہ کرتے ہیں۔ جن کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ممکن ہے۔ اور نہ اگلے جہان میں دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لامکان ہے۔ جہت اور سمت سے بھی پاک ہے۔ اور رویت کسی مکان اور سمت میں ہی ممکن ہے۔ دائیں، بائیں، اوپر، نیچے وغیرہ لہذا اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت قرآن و سنت سے ثابت ہے مگر اس رویت کی کیفیت کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ بے کیف رویت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انسان میں ایسی صلاحیت پیدا کر دے کہ اسے بے کیف رویت الہی نصیب

ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ روایت تو یقیناً ہوئی مگر "لَا تُذِرُكُمْ"
 اَلَا بُصَارًا وَهُوَ يُذِرُكَ اَلَا بُصَارًا" انسانی آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ مگر وہ
 آنکھوں کو پالیتا ہے۔ یہاں یہ کیفیت ہے۔ مگر وہاں کیا ہوگا۔ وہاں تو تجلیات ہوں گی۔ اور
 علی قدر المراتب ہوں گی۔ وہاں ذاتی اور صفاتی دونوں قسم کی تجلیات ہوں گی۔ جن میں انسان دیکھے گا
 خدا تعالیٰ کی رویت اس طریقے سے ہوگی۔ مگر یہ اس جہاں میں ممکن نہیں۔

آگے سورۃ اعراف میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام
 کیا تو انہیں رویت کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ عرض کیا رَبِّ ارْنِیْ اَنْظُرُ الْبَیْثَ مَوْلَاکَ رِیْمَ مِیْنِیْ
 ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا لَنْ تُرَیْیَہُ ثُمَّ نَزَّلْنَا سَحَابًا مِّنْ تَحْتِیْہِ فَاَنۢزَلۡنَاکَ
 فَاَنْتَ تَنۢظُرُ فَمَا تَکَانَ فَنَسُوۡفَ تَرٰہُیْہِ۔ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تو پھر شاہ قمر
 بھی مجھے دیکھ سکے۔ فَلَمَّا تَحَلَّیْ رَبُّہٗ بِالْجَبَلِ جَبَلًا جَبَلًا جَبَلًا۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر عروجی سی تجلی ڈالی۔
 مَحَلَّہٗ ذَاکَ۔ پہاڑ ریزے ریزے ہو گیا۔ وَخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا۔ اور موسیٰ علیہ السلام ہوش
 ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے تَبٰیثَ الْبَیْثَ مَوْلَاکَ رِیْمَ مِیْنِیْ تو برا کرنا ہوں
 میری درخواست درست نہیں تھی۔ فرمایا اخذْنَا ہَا اٰتٰیۡتُکَ اَنْۢ لَّیْسَ بِہِیْ اٰتٰیۡتُیْہِ
 دوں اسی پر التفاء کرنا۔ وَکُنْ مِّنَ الشَّکَرِیْنَ اور شکر گزار بن جاؤ۔ مقصد یہ کہ رویت الہی اس
 جہاں میں ممکن نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل فیصلہ ہے۔ جسے بدلائیں جاسکتی۔

حضور علیہ السلام نے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں۔ اس میں مختلف آثار
 ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ دیدار کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی شامی الشہابی پتی و
 فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ مگر عالم بالا میں کیا۔ اس بلوں جہاں
 ہیں نہیں کیا۔ ————— عالم بالا میں رویت کے وقت تو حضور
 علیہ السلام حظیرۃ القدس میں پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں تو رویت یقیناً ہوگی۔

الغرض جب بنی اسرائیل نے یہ بے ادبی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کتاب پر ایمان
 نہیں لائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا۔ بھل پڑی اور سرسڑکے سڑ آدمی ہلاک ہو گئے۔ اب

بنی اسرائیل کو ہلاک کرنا
 اور دوبارہ زندہ کرنا

موسى علیہ السلام کو ایک اور پریشانی لاحق ہو گئی۔ جیسا کہ سورۃ اخلاف میں آیت۔ موسیٰ علیہ السلام نے
 نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں دعا کی۔ مولا کریم! اگر تو چاہتا تو مجھے بھی ہلاک
 کر دیتا۔ تو ان اسرائیلیوں کو اس سے پہلے بھی ہلاک کر سکتا تھا۔ یہ ہیوقت ہیں۔ ان کی جیسے
 میری ذات پر کوئی حجت نہ آئے اگر میں واپس قوم میں اکیلا جاؤں گا۔ تو وہ کہیں گے۔ کہ
 ہمارے آدمی سے جا کر مرادھیے۔ اے مولا کریم! میرا فی فرما تجویز یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام
 کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمایا۔ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ اٰبَعْدِ مَوْتِكَ پھر
 ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا۔ صریح لفظ موجود ہیں۔ وہ لوگ مر چکے تھے۔ موت
 کے بعد انہیں زندہ کیا۔ بعض توجیہ کرتے ہیں کہ مرے نہیں تھے۔ بلکہ سوتے پڑھیا تھا۔ پھر
 برٹش میں آگئے۔ یہ بات درست نہیں۔ مَوْتُكُمْ سے واضح ہے کہ ان لوگوں کی موت
 واقع ہو گئی تھی۔ اور پھر تفسیری روایتوں میں یہ بھی آتے ہیں کہ ان کی زندگی سر کی طرف سے شروع
 ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے جسم کا باقی حصہ راکھ ہو چکا ہے۔ پھر اس میں زندگی کے
 آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اور پھر وہ پوسے کے پوسے زندہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان کی
 آنکھوں کے سامنے ہوا۔ فرمایا یہ اس واسطے کیا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔
 قرآن پاک میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ جب عزیر علیہ السلام
 سوال کے بعد اٹھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كَمْ لَبِثْتَ تم کتنے دن سوتے رہے۔
 عرض کیا لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ سویا ہوں فرمایا بَلْ
 لَبِثْتَ مِائَةً عَامًا تم تو سو سال تک سوتے رہے۔ اتنا عرصہ گزر گیا۔ اس دوران تمہارا
 گھر فنا ہو گیا۔ اس کی مہیاں چور چور ہو گئیں۔ اب دیکھو اس کی بیویوں کو ہم کیسے اکٹھا کرتے
 ہیں۔ پھر انہیں گشت پناستے ہیں۔ اور زندگی بخشتے ہیں۔ یہ خلاف اس کے کھانا بعد خراب
 ہوجانے والی چیز ہے۔ مگر وہ بالکل تازہ پاس پڑے۔ لَمْ يَمَسَّهُنَّ وہ گھاسٹرا نہیں۔
 آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق

ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جب چاہے کر سکتا ہے۔

الغرض! ان ستر آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندگی دی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ ان لوگوں نے دوبارہ زندہ ہو کر اقرار کیا کہ ہم جی غلطی پر تھے۔ ہمیں ایسی انتہی نہیں کرنی چاہیے تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرتے۔ اس کے بعد انہوں نے قوم میں بکرا گواہی دی کہ بے شک محمد نے خدا تعالیٰ کا کلام سنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عہد کی ہے۔ اے بنی اسرائیل! اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ تمام فلسطین تمہارے جدا مجہد تخت ابراہیم اور اسحق علیہما السلام کی وراثت ہے۔ لہذا تم اپنی وراثت دوبارہ حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کا ٹھکانا یہی ہے اب اس علاقے پر عمالہ قوم کا قبضہ ہے۔ تم ان کے خلاف جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارا وطن واپس دلا دیں گے۔ وہی وطن جہان تمہارے آباد اجداد آباد تھے۔ اور جن کی قبریں بھی وہیں ہیں۔ تم محترمی کی محبت کرو۔ اللہ تعالیٰ فتح عطا کریں گے۔

بنی اسرائیل مسلسل غلامی کی جڑ سے بزدل ہو چکے تھے۔ ان میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ جہاد پر آمادہ نہیں تھے۔ یہ غلامی ہزار تھا۔ آج ہمارا حال بھی یہی ہے انگریز کی سو سالہ غلامی کے نتیجے میں افلاق بکرا چکے ہیں جنہوں نے انگریز کا درد دھپیا ہے۔ ان کے افلاق کی درستگی کا کوئی مکان نہیں۔ البتہ نئی نسل آئے گی۔ نئے حالات پیدا ہوں گے۔ تو عہد کے بعد افلاق کی درستگی کی توقع کی جا سکتی ہے۔

قوم عمالہ بڑے سخت لوگ تھے۔ جب بنی اسرائیل نے ان کی جرات و شجاعت کے کارنامے سے توانی کے حوصلے مزید پست ہو گئے۔ کہنے لگے ہم جہاد نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بڑا بھجایا کہ تم صرف کمر بستہ نہ رہو۔ اللہ تعالیٰ ضرور فتح عطا فرمائیں گے۔ سو قلمدادہ میں تفصیلات موجود ہیں۔ یہ قوم کسی طرح جہاد پر آمادہ نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی کہ چالیس سال تک صحرا میں نظر بند رہیں۔ یَتِيَهُوْنُ فِي الْوَحْشِ

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الضَّالِّينَ" اے موسیٰ! یہ فاسق لوگ ہیں۔ ان پر افسوس نہ کریں۔ یہ اسی سرزمین میں حیران و پریشان پھرتے رہیں گے۔ اس صحرائے باہرینیں نکل سکیں گے۔ تیرے کہ یہ ساری نسل یہیں ختم ہو جائے گی۔ نئی نسل کا نیا خون آئے گا تو ان میں جذبہ جہاد بیدار ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام وہیں وفات پا گئے۔ پُرانی نسل کے وہ لوگ جنہوں نے فرعون کی غلامی کا درد دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ ستر سال کے بعد نئی نسل نے علم جہاد بند کیا اور شام و فلسطین کو فتح کیا۔

بدول کا سایہ

بنی اسرائیل کی تمام تر نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو انعامات سے نوازتا رہا۔ صحرائے تیرہ میں نظر بندی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں معاش اور زندگی کے اسباب معجزانہ طور پر مہیا فرمائے۔ بنی اسرائیل غیموں میں اقامت پذیر تھے۔ جب خیمے بچھ گئے۔ تو ان کے لیے سورج کی گرمی سے بچنا مشکل ہو گیا۔ صحرائ کی گرمی بھی ایسی جو پاکستان کی گرمی سے چھ گنا زیادہ ہو۔ بنی اسرائیل سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور انعام فرمایا وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ یعنی اے بنی اسرائیل ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ جب دن کے وقت دھوپ تیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ بادلوں کو ختم فرماتے وہ بنی اسرائیل پر چھا جاتے۔ اور اس طرح وہ دن کے وقت سورج کی تیش سے محفوظ رہتے۔

حق اور سچی

صحرائے سینا میں خورد و نوش کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ نہ کھیتی باڑی اور نہ کوئی فصل ملے۔ چھ لاکھ ستر ہزار افراد کے لیے کھانے کے بغیر چارہ نہ تھا۔ نسل بتدریج بڑھ رہی تھی۔ اور اشیائے خورد و نوش کی ضرورت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے پینے کا انتظام اس طرح فرمایا وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ من کا لفظی معنی احسان ہوتا ہے۔ سورہ ہجرات میں آتا ہے۔ "يَعْمَلُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَتْلُمُوا" آپ پر احسان بھرتے ہیں۔ کہ وہ ایمان سے آئے ہیں۔ تاہم من میں یہ معنی پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محنت و مشقت کے احسان کے طور پر انہیں کھانا مہیا کیا۔ کوئی کھیتی باڑی نہیں کرنی پڑی۔ اور نہ ہی کوئی دوسرا کاروبار کرنا پڑا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بالکل محنت میں ان کے لیے کھانے کا بندوبست کر دیا۔

من ترنجبین کی قسم کے دانے تھے۔ جیسے دھنیا کے دانے ہوتے ہیں۔ یہ نہایت شیریں مادہ تھا۔ جو رات کو بنی اسرائیل کے خیموں یا دوسری رہائش گاہوں کے ارد گرد برس جاتا تھا۔ اور اس کی مقدار اس قدر کافی ہوتی تھی۔ کہ ہر فرد کو ایک ایک یہ کے قریب میسر آ جاتا تھا۔ بسج اٹھتے تھے۔ اور یہ دانے اکٹھے کر لیتے تھے۔ یہ ان کی چوبیس گھنٹے کی خوراک کے لیے کافی ہوتا تھا۔ چونکہ جنتے نے روز پھٹی ہوئی تھی۔ اس لیے مجموعے دن دو دن کی خوراک مل جاتی تھی۔

من کے دانوں میں خاص قسم کی شیر ہونے لگی۔ جو کہ حیات انسانی کے لیے بڑی ضروری ہے۔ انسانی جسم کی حرارت کو برقرار رکھنے کے لیے شیر کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ انسان کا جسم ٹھنڈا ہو کر ختم ہو جانے کا۔ قدرت نے ان کے جسم میں ایسا نظام پیدا کر دیا ہے۔ کہ انسان جو بھی غذا استعمال کرتا ہے۔ یہ بخیر میں پہنچ کر شکر بن جاتا ہے۔ یہ شکر جسم کے آلات و اعضاء وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ اصل شیر نہ جانتے ہیں۔ تو بھی ان فی جسم خوراک کے دیگر اجزاء سے شیر حاصل کر لیتا ہے۔ گویا ان فی جسم کو کوئلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اشیائے خورد و نوش سے بخیر میں پیدا کرتا ہے۔ اور پھر وہ جسم کے باقی حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسانی جسم کو نشتر پر دھینے یا لیمیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو دانوں وغیرہ سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ الغرض! بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے من کے دانے مہیا کر کے ان کی یہ ضرورت پوری کر دی۔

حضور علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد میں عبود نامی کعبہ اور من کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِّنَ السَّعَةِ عَجْوَةٍ۔ جنت کی کعبہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے زہر اور سحر کا علاج رکھا ہے۔ اسی طرح فرمایا: الْكَلْبَاءُ مِنَ الْحَنِ وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ یعنی کھنیاں من میں سے ہیں اور ان کے پانی میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ یہ کھیرٹی مولیٰ زرد و سفید کھنیاں خورد و بینہ کی ہے۔ بڑی لذیذ چیز ہے۔ انسانی جسم کے لیے گوشت کا اثر کمزوری ہے۔ نہ ان کا کوئی نفع ہوتا ہے۔ اور نہ ان کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ خود بخود انہی میں اور لوگوں کے کام آتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان کے پانی میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ اس کا پانی سر میں جو کر لگایا جائے یا ویسے ہی سنانی اس کے پانی میں بھیجو کر آنکھوں میں لگائی جائے۔ تو آنکھوں کی کمی بیماریوں کے لیے شفا کا حکم رکھتی ہے فرمایا یہ کھنبیاں سن ہی کی ایک قسم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کھنبیوں کی قسم کے اس مادہ کو بنی اسرائیل کے لیے خوراک کا ذریعہ بنایا۔

سلوی سلوان کے مارہ ہے۔ یہ بٹیر کی قسم کا جانور تھا۔ ہر ہفتے ان جانوروں کے غول کے غول دریائے شہر کی طرف سے اڑ کر آتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کے خیموں کے قریب آکر بیٹھ جاتے تھے۔ جنہیں وہ آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔ انہیں پکڑنے کے لیے دوسرے شکار کی طرح ان کو محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ بلکہ جو ذرا اذیہا ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل ان جانوروں کو آسانی کے ساتھ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پکڑ لیتے تھے۔ چہر ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکاتے تھے۔ اور کباب بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ درجے کی خوراک مہیا کی تھی۔

پنہ آپ پر

بادل کے سائے اور خوراک کی بہم رسانی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک اور نعمت عطا کی تھی۔ تعمیری راتوں میں آتا ہے کہ ایک بہت بڑا ستون نما ڈھانچا جس سے بنی اسرائیل برہنہ حاصل کرتے تھے۔ رات کے وقت یہ ڈھانچا اٹھتا تھا جس سے اس قدر روشنی میسر آجاتی تھی جو بنی اسرائیل کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔

فرمایا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ بنی اسرائیل کھا دیا کہ چیزیں جو ہم نے تم کو روزوں میں وَمَا ظَلَمُونَا اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ انہوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ بنی اسرائیل کو حکم یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں ہم نے عطا کی ہیں۔ انہیں خوب کھاؤ پو۔ مگر ان کا ذخیرہ نہ کرو۔ لیکن انہوں نے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوشت گلنے سڑنے لگا۔ مسلم شریعت کی روایت میں آئے لَوْ زَا بَنُو إِسْرَءِيلَ یعنی اگر بنی اسرائیل ذخیرہ اندوزی کا ارتکاب نہ کرتے تو گوشت کھاتے۔ انہیں خَوَاهِ مِیْنُوں پڑا ہوتا۔ مگر ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے گوشت سڑنے لگا۔ اس

طرح گویا انہوں نے خود اپنا نقصان کیا۔ ہم پر کوئی غلط نہ کیا۔ بعد خود اپنی جانوں پر ظلم کے مرتب ہوئے
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑے انعام کئے، ان کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے
 خرچ طرح کی آزدانیشیں بھی آتی تھیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ سرکشی میں مبتلا ہوئے۔ جہاد کا انکار
 کیا۔ نبی کی تکذیب کی۔ اس کو ستایا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی خوراک کا غیر معمولی انتظام
 فرمایا۔ پانی کی ضرورت پیش آئی تو جیسا کہ آگے آئے گا وہ بھی مہیا فرمایا۔

الْاٰ

لبقرة

درس بہت دہانہ

رہیت ۵۸، ۵۹

وَإِذْ ثَلَاثًا أَذْخَلُوا فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ
 شِئْتُمْ رَغَدًا وَأَدْخَلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ
 نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَكِّرْنَا الْمُحْسِنِينَ ⑤۸
 فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ
 فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا
 كَانُوا يَفْسُقُونَ ⑤۹

تو جبکہ اس وقت کو یاد کر وجہ کہ بہرے کما داخل ہو جاؤ اس بہت میں اور
 کھاؤ اس میں سے جہاں بھی تم چاہو کھاؤ دگ سے۔ اور داخل ہو دو روزے میں سجدہ
 کرتے ہوئے۔ اور کنو خشش۔ ہم بخش دیں گے تمہاری غلطیوں کو۔ اور زیادہ دیں گے
 ہم نیک کرنے والوں کو ⑤۸ پس تبدیل کر یا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات
 کو۔ سوائے اس کے جو ان کو کوئی گئی تھی۔ پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے
 ظلم کیا عذاب آسمان کی طرف سے۔ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ⑤۹

رہیت

جس طرح اہل کورخ میں بنی اسرائیل سے خطاب تھا۔ یسعی سواہ بل اذکروا
 بِنِعْمَتِي الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اسی طرح ان آیات کے مخاطب بھی بنی اسرائیل
 ہی ہیں۔ جہاں اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر ہو رہا ہے اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل
 کے تمدن، سرکشی اور نافرمانی کا حال بھی بیان ہو رہا ہے۔ انعامات میں سے فرعون کی غلامی سے
 نجات دینے کا سبب توبہ کا حصول اور من و سونہی کا ذکر ہوا۔ پھر ان کی نافرمانی کا ذکر ہوا۔ انہوں نے
 اللہ تعالیٰ کی بنیادوں کو جس پر انہیں سزا بھی ملی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ
 تعالیٰ نے معاف بھی کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جہاد کی تیاری کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں
 شام و فلسطین کا وہ علاقہ واپس دلا دیں گے جو تمہارے آباء اجداد کا مسکن رہا ہے۔ مگر بنی اسرائیل

نے انکار کر دیا۔ کہنے لگے۔ وہاں پہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر وہ خود بخود اس بستی سے نکل جائیں تو ہم وہاں جانے کو تیار ہیں۔ اس کی مکمل تفصیلات تو سورۃ مادہ میں ہیں۔ تاہم کچھ باتیں سورۃ بقرہ میں بھی آ رہی ہیں۔ ان کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل ستر سال تک تیسہ کے بیابان میں سرگردان پھرتے رہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تہذیب و تمدن اور سرکشی کا حال بیان فرما کر دوسرے لوگوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ سرکشی کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو من و سلوئی کھاتے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ بعض روایات میں اٹھارہ سال کا ذکر آتا ہے۔ تو انہوں نے بعض دوسری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جس کا ذکر اگلے کوع میں آئے گا۔ کہ ہم ایک ہی طرح کا کھانا کھا کر تنگ آ گئے ہیں۔ من و سلوئی کی بجائے سبزیاں اور دال وغیرہ کھانے کو چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر تم ایسا ہی چاہتے ہو۔ تو اس بستی میں چلے جاؤ۔ وہاں پر یہ چیزیں تمہیں سیر آجائیں گی۔

وہ کون سی بستی تھی جس میں بنی اسرائیل کو داخلے کا حکم نہ تھا۔ اس کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں بعض مفسرین نے بیت المقدس سے منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ زیادہ قریب قیاس یہ ہے کہ وہ اریحہ نامی بستی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بستی کے لوگوں سے جہاد کرو۔ تو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرے گا۔

اس معاملہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ مذکورہ بستی میں واقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں واقع ہوا یا ان کے بعد۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ وہ بستی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد فتح ہوئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی نئی نسل جہاد پر آمادہ ہوئی۔ تو انہیں شہر اور فلسطین پر غلبہ حاصل ہوا۔ پھر مال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من و سلوئی کی بجائے دوسری خوراک کی طلب ہے۔ تو اس اریحہ نامی بستی میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں تمہاری مطلوبہ چیزیں میسر آئیں گی۔

فَمَا وَادَّ قُلْنَا اَدْخُلُوْا هَذِهِ الْقَرْيَةَ اِنَّهٗ اَسَاقِلُكُمْ فِيْهَا بَعْضَ الَّذِيْ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اَخْرَجَكُمْ مِنْهَا اَنْتُمْ اَوْ اٰبَاؤُكُمْ ۚ فَذِكْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ فکرو! انہا جگہاں پر جس جگہ سے تم نے کچھ کھا یا اس میں کھلے طور پر وصیت کے ساتھ تمہیں اس محلہ میں کوئی رک رک نہیں ہوگی۔ ہاں یہ بات یاد رکھو کہ وَاَدْخُلُوا الْمَدِيْنَةَ مَجْذُوْعِيْنَ ۙ اَوْ رَاٰكُمْ اَخْرَجَ مِنْهَا جُذُوعًا مَّكَرًا لَّكُمْ ۚ فَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَمَكِيْنَ

بجائے

بستی میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرنے سے مراد سجدہ شکر ادا کرنا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتح عطا کی ہے۔ اس بستی کا قبضہ دلایا ہے۔ تو اس کے بدلے ضرور دیکھو کہ کیا ملے۔ عاصی اور انکاری کرتے ہوئے سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہو کر ایسا کرنا دنیا پر عظیم السلام کامل اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور ایمان والوں کا شیوہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مکہ منظر فتح ہوا تو حضور علیہ السلام اونٹنی پر سوار تھے۔ اور دھڑلے کے وقت آپ سر کو جھکائے ہوئے تھے۔ آپ اگر کمر داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ نہایت عاصی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ پھر آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ یہ پاشت کا وقت تھا۔ اسی طرح جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایران کا پایہ تخت مائن فتح کیا۔ اور آپ نے اس قلعہ میں جا کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر تھا جو فتح و کامیابی پر پیش کیا گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو بھی یہی حکم تھا۔ کہ جب فتح حاصل ہو جائے۔ اور اس بستی میں داخل ہونے لگو تو نگوشت و بکری بچائے عاصی دکھاتے ہوئے اور سجدہ شکر بجالاتے ہوئے داخل ہو۔ کیونکہ یہ آسمانی تعلیمات کا اہم اصول ہے۔

مگر کہہ رہے ہیں بڑے بڑے کفار مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح دی تو اہل ایمان نے شکر ادا کیا۔ اور اس بات پر اللہ رب العزت کا شکر کیا۔ اکیلا۔ کہ اس نے اہل ایمان کو ظالموں سے نجات دلائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحر قلزم سے باہر نکالا اور شکر فرعون کو غرق کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ کیونکہ یہ ایمان والوں کا شیوہ ہے کہ جب کوئی نعمت ملے تو سجدہ شکر بجالائے جس شریعت محمدیہ میں سجدہ شکر کی بجاآوری نہایت مستحسن فعل ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے دو رکعت نماز

نقل ادا کرنی چاہیے۔ تاہم صرف سجدہ کر لینا بھی درست ہے۔

استغفار
برکات

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دو احکام دیے تھے۔ ایک تو یہ کہ اس بستی میں سجدہ و شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ وَقُولُوا حِطَّةٌ اور زبان سے یوں کہیں کہ اے اللہ! ہماری غلطیوں کو معاف فرما دے۔ حِطَّ لَا غُفْلَ مَعْنٰی مَحْرُومٌ ہے۔ ہماری خطاؤں کو گرا دے۔ لفظ حِطَّ دراصل اُحِطُّ عَنَّا حِطًّا کا مخفف ہے۔ یعنی ہماری غلطیوں کو تباہیوں اور خطاؤں کو مٹا دے معاف کر دے یا نہ گذر فرما۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سجدہ اور استغفار کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ اگر تم اپنی خواہش کے مطابق خوراک حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو ان دو شرائط کے ساتھ بستی اریحا میں داخل ہو جاؤ۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی کوئی ابتداء ہوتی ہے۔ وَقَوْلُ الْخَيْرِ الْأَسْتِغْفَارُ اور خیر کی ابتداء استغفار سے ہوتی ہے۔ یعنی انسان اپنی غلطیوں کی معافی طلب کرے۔ ابن ماجہ اور ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے۔ وَخَيْرُ الْخَطَايَا مِثْلُ التَّوَابُوتِ ہر شخص خطا کرے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں بڑے بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کریتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اَلْثَّابِتُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ زَاذَنَّبَ لَهُ لَغْوٌ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہی ہے جیسا اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

فرمایا جب تم استغفار کرو گے۔ مجھ سے معافی مانگ لو گے۔ تو پھر میں اس کا صلہ دوں گا۔ کہ نَفِّضْنَا لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ بمقتدا بنی خطاؤں اور لغزشوں کو بخش دیں گے۔ معاف کر دیں گے۔ اور صرف معاف ہی نہیں کریں گے بلکہ وَسَنَزِيْدُ الصَّحِيْبِيْنَ يَتُوكَ اوروں کو مزید اجر عطا فرمائیں گے۔

شمس اوردی
میں تیری

بنی اسرائیل کی طبیعتوں میں قہر و اور سرشی گھر کر چکی تھی وہ معمولی سے معمولی حکم بھی ماننے کو تیار نہ تھے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ قَبَسَ لَكَ ذِيْنَ صَلَّوْا بِسَبَلٍ کَرْدِی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تو وہ غبر لَظْمٌ قَبَسَ لَكَ ذِيْنَ نَهَضُوْا بِسَبَلٍ جَوَانِیْسِ کسی گئی تھی۔ یعنی انہیں حکم تو یہی

کہ سچہ شکر ادا کرتے ہوئے جائیں۔ وہ اکڑتے ہوئے اور چوڑا گھیسے ہوئے داخل ہوئے۔ اسی طرح حکم یہ تھا کہ زبان سے استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔ مگر انہوں نے لفظ حطّۃ کی بجائے حنطۃ کہنا شروع کر دیا۔ کتنا تو یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ ہمیں معاف کرے حطّۃ مگر انہوں نے کہا حَبَّۃ فی شَفَرۃ یعنی ہمیں تو خوشی کے اندر گندم چاہیے۔ ایسی ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کر سنے لگے۔ جو کہ حدیث کی بے ادبی، گستاخی اور سرکشی تھی۔

یہاں پر لفظ ظَلَمُوا کہہ کر اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ احکام کو تبدیل کرنے والے سائے کے سائے بنی اسرائیل نہیں تھے۔ بلکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ظلم کیا جس طرح پکھڑے کی پوجا کرنے والے بھی۔ سائے کے سائے لوگ نہیں تھے۔ اسی طرح احکام میں تبدیلی کے مرتکب بھی کچھ لوگ تھے۔ چنانچہ آگے ان کی سزا کا ذکر بھی آئے گا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی نصیر، تبدیلی کی جو کہ بہت بُری بات ہے۔ انہیں تو اتباع کرنا چاہیے تھا۔ اِنکے مامور ہے۔ لہٰذا اے اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان پر سر تسلیم خم کر لینا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو کوئی بھی احکام خداوندی میں تغیر و تبدل کا باعث بنے گا۔ وہ ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوگا۔

عالمی قوانین نہ
حق شفعہ

اسلامی اصولوں میں تغیر و تبدل ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ اس دور میں ہمارے ہاں بھی بعض تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ جبریل ایوب نان کے زمانے میں عالمی قوانین نافذ ہوئے۔ عطا کرم نے ہر چند احتجاج کیا کہ اس کی بعض شقیں قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ مگر حکومت کے سربراہوں نے یہ قوانین آج تک نافذ نہیں کیے۔ اسی طرح حق شفعہ کا قانون بن گیا۔ امارت کی بارے شفعہ صرف تین قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔ یعنی شفعہ کا وہ شخص حقدار ہے جو یا تو یہ اور کی عینت میں سرکوب ہو یا حق میں شریک ہو یا پڑوسی ہو۔ مگر اب درمیں اور بھی اضافہ کی گئی ہے۔ حالانکہ امام تافعی تو پڑوسی کے حق کے بھی قائل نہیں تھے مگر اس دہانے میں مزارع اور باغ کے لڑکے وغیرہ کو بھی حق شفعہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ خدائی قانون میں ترمیم نہیں تو اور کیا ہے؟

وراثت میں ملنے
کا حصہ

لڑکیوں کی وراثت سے محرومی بھی خدا کی احکام میں تبدیلی کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکوں اور لڑکیوں پر درود کو وراثت میں حصہ دیا ہے۔ مگر جماعت ہاں اس میں بھی رد و بدل ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کی وراثت کے اکثر روئے فاضل نہیں۔ اس ملک میں تحریر کیا۔ تو اس نے خود لوگوں سے پوچھا کہ تم اپنے معاملات کو شریعت کی رو سے پٹانا چاہتے ہو۔ یا رواج کے مطابق۔ تو بعض اصلاخ کے لوگوں نے رواج کے مطابق تقسیم کو قبول کیا۔ چنانچہ یہ قانون آج تک موجود ہے کہ وراثت کی تقسیم رواج کے مطابق کی جاتی ہے۔ جس سے لڑکی محروم ہو جاتی ہے۔

صوبہ سرحد میں یہ قانون ڈاکٹر خان کی وراثت میں مانڈ ہوا۔ مال کا سارا عملہ اس قانون کا پابند تھا۔ افسر مال، تحصیلدار، پٹواری وغیرہ اسی کے مطابق انتقال چڑھاتے تھے۔ مشورہ ہے کہ وہاں پر ایک شخص کا چھ مربع میل بیماری رقبہ تھا۔ اس نے ساری جائیداد لڑکوں کے نام پر کر کے لڑکیوں کو محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے دنیا پر ہی یہ سزا دی کہ نفوس کی بیماری میں مبتلا ہوا وہ جب تک زندہ رہا اس کا ہڈی ٹھنڈا رہا۔ وہ زوں لڑکے بھی آپس میں لڑتے بھڑتے رہے۔ ایک نے دوسرے پر گولی چلا دی اور اس کا بازو کٹ گیا۔ اس طرح گویا اس شخص کو اسلامی قانون کی خونخواری کے کچھ نصیب نہ ہو سکا۔

ظالموں پر

ہر حال خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں رد و بدل بہت بُری بات ہے اور قابلِ عتاب ہے۔ مگر بنی اسرائیل کے بعض ظالم لوگوں نے اس بات کو بدل دیا جو انہیں کی گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ لَدُنْهُمْ عَذَابًا بَهِيمًا۔ ہم نے ان پر نازل کیا رَحِيضًا مِّنَ السَّمَاءِ آسَافًا مِّنْ عَذَابٍ۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے طحون کی بیماری کی صورت میں عذاب نازل کیا۔ صرف ایک دن میں چوبیس ہزار اشخاص لقمہ اجل ہوئے۔ اور کل ستر ہزار آدمی اس عذاب میں مبتلا ہو کر اپنے انجام کو پہنچے۔ دو چار دن کے اندر اس بیماری نے پناہ کا مکی اور بنی اسرائیل کا صفایا جو گید فرمایا اس کی دسمہ یہ تھی کہ بھگا کڈوا يَفْضَحُونَ وہ لوگ فسق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتے تھے۔ لہذا

اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ اگر آج بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ تو وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کی زد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جہنم سے لے کر جنت تک اس کی حکمت ہے۔ وہ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

زمین کی آبادی
اور بربادی

اہم بیضاوی فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کی آبادی نیکی اور اطاعت سے ہوتی ہے اور مخلوق کی بڑائیوں کی وجہ سے اس کی بربادی ہوتی ہے۔ فسق و فجور کو آپ بیشک تملی کا نام دیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کھیل تماشہ، المودعہ، بدکاری، فحاشی، زنا، سود خوری وغیرہ سب بگاڑ کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ آبادی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کی آبادی تو ہر حال نیکی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ہوگی۔ جس قدر کچھ چین نصیب ہوگا۔ ایسی قدر آبادی ہوگی۔ جس قدر گناہوں میں اضافہ ہوگا۔ اتنی ہی بے چینی بڑھے گی۔ لوگ اضطراب اور طرح طرح کے مسائل کا شکار ہوں گے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نافرمانی بہت بُری چیز ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ہم سب کے لیے تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے کہ نیکی اور بے ایمانی میں تمیز کریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، نافرمانی سے پرہیز کریں۔

الْعَصْرُ
درس سبت پنج ۲۵

انبقرة ۲
(آیت ۶۰)

وَإِذَا سَأَلَكَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْجُبَّ فَانْفُجْرَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَسِيبًا ۚ فَذَعَلِمَ كُلُّ أَنَاثٍ مَّشْرَبُهُمْ
كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ ⑥
ترجمہ : اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی
طلب کیا۔ پس ہم نے کہا کہ اپنی دھمکی کے ساتھ پتھر کو مارو۔ پس اس میں سے بارہ چشمے
پھوٹ پڑے۔ تحقیق جان یا سب لوگوں نے اپنا پانی اٹھا لیا۔ اللہ کی دی ہوئی روزی
سے کھاؤ اور پیو۔ اور زمین میں فساد نہ کرتے ہوئے نہ چلو ۖ ⑥

گذشتہ آیات میں اُن انعامات کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے۔ منجملہ
ان کے دشمن سے رهایی اور دولت، ناک عذاب اور غلامی سے نجات کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے بنی اسرائیل کو ایک عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ جس کے سینا میں دھوپ سے بچاؤ کے لیے سر پہ
بادل کا سایہ کیا۔ خواہ ان کے لیے مَن اور سوی فرما دیا۔ جب بنی اسرائیل نے بنی سبئی اور ثمود کی
مطالبہ کیا۔ تو انہیں ایک دوسری بستی میں اترے کا حکم دیا جہاں ہر چیز مستحق ہو کر ساتھ یہ نصیحت
بھی کر دی کہ اس بستی میں سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل
ہونا۔ مگر بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو تبدیل کر دیا۔ سجدہ شکر ادا کرنے کی بجائے اگر اکر
بنی میں داخل ہوئے۔ اور زبان سے استغفار کرنے کی بجائے بعض یہودہ باتیں کہتے ہوئے
گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور تمرد کی یہ سزا دی کہ آسمان سے طاغون کی صورت میں عذاب
ازل ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ انہوں
نے صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو ٹھکرا دیا۔

بنی اسرائیل
پانی طلب کرنا

توراة اور بعض سرکاری روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل دارق سکات کے قریب

ایک مقام پر تھے۔ اُسے قادیان کی سبھی کہتے ہیں۔ یہ علاقہ کچھ پہاڑی ہے۔ اور کچھ صحرا ہے۔
 پانی زیادہ ہے۔ اس مقام پر ہی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا۔ کہنے لگے ہمارے
 پاس پانی کا ایک قطرہ تک نہیں۔ حلق خشک ہو رہے ہیں۔ اُسے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے پانی
 کا بندوبست کرو۔ اس محل میں رہے موسیٰ علیہ السلام سے اس قدر بدتمیزی سے پیش آئے کہ
 ان پر ٹوٹ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کا آغاز کیا
 کہ اے مولیٰ کریم! بنی اسرائیل میرے ساتھ اس قدر سختی سے پیش آ رہے ہیں کہ مجھے شکار کرنے کے
 درپے ہیں۔ لہذا تو ہی ان کے لیے پانی کا انتظام فرما۔ آیت زیر درجہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔
 وَإِذَا اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اُس واقعہ کو یاد کر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی
 قوم کے لیے پانی طلب کیا۔ استسقی کا فعلی معنی طلب آب ہے۔ اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ
 کے سامنے گرا کر انا استغفار کرنا اور معافی مانگنا ہے۔ حضرت ابو علیہ السلام اور حضرت زین علیہ السلام
 کے واقعات میں ملتے ہیں۔ کہ قحط سالی کے دوران انہوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا تھا۔ يَسْتَغْفِرُ
 اَسْتَغْفِرُ رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا لِكَيْدٍ سَاءٍ قَوْمُ بَنِي إِسْرٰءِيْلَ اسْتَغْفَرُوا رَبَّهُمْ وَارْتَدَّ رُءُوسُهُمْ
 فَاَنزَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِزْزًا مِّنْ ذُرِّ السَّمَاءِ تَاْكُلُوْنَ مِنْهَا عِشَاءً وَبَارَئُ السَّمَاءِ مِنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 کہ بے یاری کی قلت یہ ہو جائے۔ تو فرما بھی آج کے لیے کسی نہ بیر اختیار کی جاتی ہیں۔ منجملہ
 ان نہ ابیر کے شریعت نے استغفار کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کہ انسان اپنے رب تعالیٰ سے
 بننے والوں کی معافی مانگیں صد ذخیرات کریں۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے
 گا۔ باران رحمت نازل کرے گا اور خشک سالی دور ہو جائے گی۔ غرضیکہ استسقی کی حقیقت یہ ہے
 کہ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر کن موں کی معافی طلب کی جائے۔

استسقا کی
حقیقت

لہذا اگر ہم اس سے ہمہ ابر حنیفہ کو باقی تمام فقہاء پر فوقیت حاصل ہے۔ فقہاء ہست و
 اجتہاد میں کوئی بھی آپ کا ہمہ پلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی گہری بصیرت عطا فرمائی تھی۔
 انہوں نے دین کی ایسی زبردست خدمت کی ہے۔ جو آنے والی نسلوں کے لیے ہمیشہ مشعل راہ
 ہے۔ آپ نے دین کا پتھر اور خلاصہ اس طریقے پر پیش کیا کہ تمام علمی قریں اسے بخوش قبول کر

استغفار کا طریقہ

گئیں۔ اہمیت پر آپ کا بڑا احسان ہے جس طرح محدثین کرام نے احادیث کے الفاظ کی تفسیر کی بمقتربین کرام نے قرآن پاک کی تشریح بیان کی اسی طرح فقہائے کرام نے اجتہاد کے ذریعے ضروری مسائل کا استنباط کیا اور مشکلات کے حل بخشے۔ انہوں نے دین اسلام کو احسن طریقے پر اہمیت کے ساتھ پیش کیا۔ راستے ہیں انے والی تہذیبوں کو دور کیا۔

اب یہ سب فراموش نہ کیجئے کہ استغنا کی تہذیب یوں ہے کہ انسان کے گناہوں کی معافی طلب کرے۔ اس کے لیے غار پر خدا ضرور ہے۔ ہم استغنا کے عام طور پر درحقیقت ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ یہ سب کمال انسانیت سے ہر کھلے میدان میں نسل با نسل۔ دو روایت خدا اور ان کے فضل سے کرام فرماتے ہیں کہ استغنا کے لیے صرف مومن کھنٹے ہوں کسی کافر و قریب نہ رہے۔ دین چہرہ بھری اور انھاری کے ساتھ دو فضل اور کریں۔ اس سے بعد دعا کریں اللہ تعالیٰ ہر دن رحمت نازل کرے گا۔ اور خشک سال دور ہو جائے گی۔

دوسرا طریقہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے ہر پرتو تشریف فرما تھے خطبہ ارشاد فرمایا ہے تھے کہ ایک شخص نے اگر عرض کیا کہ حضور! جانور مال مرے ہیں۔ فلسس بنا۔ ہو گئیں۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ پانی برسا دے۔ آپ نے ہر پرتو تھے یہ سب دعا کے لیے ہتھ اندھ دیا ہے۔ اس وقت وہ ان باکل صاف تھا۔ بادل کا کس نام و نشان نہ تھا۔ آپ دعا فرمائی تھے کہ اسی کثرت سے بادل کا ایک ٹکڑا غوردار ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بادل بھل گیا۔ اور ایک ایک موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ ایک تیسرے طریقہ بھی ہے کہ کسی جی ماڑے بعد بارش کے یہ دعا کی جائے۔ استغنا کی یہ تہذیب۔ وہ میں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صورت انانی باکھی ہے۔

بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا۔ ساری قوم سخت پریشانی کے غلبہ میں تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چہ قہری سے پیش آئے۔ پھر آپ دعا میں مصروف ہو

گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حکم دیا فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَبُذِلَ
 ہڈی اس پتھر پر مارو۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ جو سنی لامٹی یثرب یثرب کی فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ
 اُثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا اس میں سے بارہ چشمے بھوٹ بڑے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے
 بنی اسرائیل کے لیے پانی کا انتظام فرمادیا۔

اس بابے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ دو کون سا پتھر تھا جس پر لامٹی مارتے تھے پانی
 جاری ہو گیا تھا۔ بعض معمرین فرماتے ہیں کہ وہ پتھر موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں موجود تھا لغیرہ
 روایات کے مطابق یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے دنیا میں آیا تھا۔ اور نسل بعد نسل موسیٰ
 علیہ السلام تک پہنچا تاہم کسی صحیح روایت سے ایسا ثابت نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم شریف کی
 بعض روایات سے موسیٰ علیہ السلام کے ایک دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس
 زمانے میں بنی اسرائیل کے لوگ پرے کا خاص خیال نہیں کرتے تھے۔ نہایت وقت بھی ایک
 دوسرے کے سامنے کپڑے اتار کر نہانا شروع کر دیتے تھے۔ بر خلاف اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام
 بڑے حیا دار تھے غسل کرتے وقت ستر بوجی کا خاص خیال رکھتے اور پرے میں نہاتے۔ دین کا
 اصول بھی یہی ہے کہ بول و براہ غسل کرتے وقت درے شخص کی نظر نہیں پڑنی چاہیے۔
 ایسے اوقات میں پرہیز واجب ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل الٹی ذہنیت کے مالک تھے موسیٰ
 علیہ السلام کو پرے میں غسل کرتے دیکھا تو سمجھا کہ اس کے جسم میں کوئی عیب ہے جسے چھپانا
 چاہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ کو ادرہ کی بیماری لاحق ہے جس میں خیسے پھول بدلتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی بڑے پتھر کی
 اوٹ میں اس پتھر پر کپڑے رکھ کر پرے میں غسل فرماتے تھے کہ وہ پتھر آپ کے کپڑوں
 سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے یہ ماجرا دیکھا تو سخت پریشان ہوئے ثَوْبِي حَجَبٌ وَ
 ثَوْبِي حَجَبٌ یعنی پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے کہتے ہوئے۔ پتھر کے قہقہے بھاگے

اور اسی حالت میں اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپ کو برہنہ حالت میں دیکھا مگر جسم میں کوئی عیب نہ پایا تو کہنے لگے مَا جَعَلُوا سِوَايَ مَوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کُوکُوٰی بَیَارٍ لَّاحِقٍ نِّیْنِ۔ ہم تو غلط سمجھ رہے تھے۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام اس بجائے ہوئے پتھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو اپنی جلالی طبیعت کے مطابق اس پتھر کو اپنے ڈنڈے سے خوب پیٹا جس کی وجہ سے اس پتھر پر لامنی کے پانچ سات نشان پڑ گئے۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ بڑا مبارک پتھر ہے۔ ایک طرف اس نے میرے حکم کی تعمیل کی کہ کپڑے لے کر بھاگ نکھ اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کے ادب کو بھی ملحوظ رکھا یعنی اتنا نرم ہو گیا کہ اس پر لامنی کے نشان پڑ گئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے پاس رکھ دو۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ کہتے ہیں۔ یہ وہی پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں تھا۔ اور جب بنی اسرائیل نے پانی طلب کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی پتھر پر لامنی مانق بارہ چشمے بھوٹ پڑے۔ بہر حال یہ تفسیری روایات ہیں کسی آیت یا صحیح حدیث سے ثابت نہیں

بعض تاریخی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وادی حوریب میں جو پیاری سلسلہ اور چٹانیں ہیں۔ وہیں زمین پر پڑی ہوئی ایک چٹان پر موسیٰ علیہ السلام نے لامنی مانق رکھی تھی۔ اور اس میں سے پانی برآمد ہوا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس پتھر میں اب پانی تو نہیں ہے۔ مگر پانی کے نکلنے کے سنات اب تک موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سوراخوں سے کسی وقت پانی نکلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پانی بنی اسرائیل کی ضرورت پوری کرنے کے لیے نکالا تھا۔ جب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ پانی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تو وہ بھی ختم ہو گیا۔

پانی کے بارہ چشمے بھوٹنے کی حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں پر مشتمل تھے۔ ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان کے آپس کے کسی متوقع جھگڑے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے

نے ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ چشمہ مقرر کر دیا۔ چشموں کا تخمین ہر قبیلے کی تعداد کے لحاظ سے کیا گیا تھا۔ بڑے قبیلے کے لیے بڑا چشمہ مقرر ہوا۔ اور چھوٹے قبیلے کے لیے چھوٹا چشمہ۔ اس طرح گویا پانی تقسیم کر دیا گیا۔ فرمایا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ شَرِبُوا مِنْهُ اِنَّا نَافِثٌ مَّعَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے میں ایک ایک چشمہ تقسیم کر دیا۔ ہر قبیلے نے اپنی ضرورت کے مطابق نمایاں کھود لیں۔ اور پانی کو درز تک لے گئے۔

اس تقسیم سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ مشرکوں کی امتیاز کی تقسیم عدل و انصاف پر ہونی چاہیے۔ تاکہ کسی قسم کا تنازعہ پیدا نہ ہو۔ حضرت صامع علیہ السلام کی آزمونی دے معاذ میں بھی پانی تقسیم کیا گیا تھا۔ لَسَكُم مِّنْ شَرَبٍ يَوْمَ يُفْعَلُوهُ۔ اور صامع علیہ السلام سے فرمایا کہ پانی پینے کی ایک روز قساری باہری ہوگی۔ اور ایک روز زمینی کی۔ قوم نے مقررہ مدت تجاوز کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔

ایک اعتراض اور اس جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پتھر سے پانی کیسے آئے۔ یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی چیزوں کو اپنی ناقص عقل سے قیاس کرنا مناسب نہیں۔ ایسا کام ناقص العقل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے سائنس دان ، ریاضی دان، جغرافیہ دان سب کے سب ناقص العقل ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت یا تخلیق کی کوئی خبر نہیں۔ وہ تو محض اپنی دھند میں مگن بستے ہیں۔

۱۱۔ بیضاوی فرماتے ہیں کہ پتھر سے پانی نکلنا کون سی بعید العقل بات ہے۔ یہ تو عام مشاہدے کی بات ہے۔ مقناطیس بھی ایک پتھری ہے جو لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی تاثیر پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی پتھر میں پانی کو اپنی طرف کھینچنے کی تاثیر بد کر دے۔ تو یہ کون سی ایسی بات ہے جو عقل میں نہ آتی ہو۔ ہاں سرسید کو کچھ میں آ سکتی۔ پانی تو پتھر کے نیچے موجود تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو ذرا سا ہلا دیا تو پانی کو دھڑا سرسید بیچارہ تو بچھریٹ کا ام تھا۔ اور معجزات کو منکر تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ پانی کا جبراً محض اللہ تعالیٰ نے

کے حکم سے ہوا۔ یہ معجزہ تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ بحیرہ قمر میں کیا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاکھٹی چٹائی اور بارہ رستے بن گئے۔ پانی کناروں کے ساتھ منجھو کر رہ گیا۔ وہاں لاکھٹی مارنے کا حکم ہوا۔ تو پانی میں رستے بن گئے اور سیاں لاکھٹی رہی تو خشک ہو کر سے پانی کے چشے بھوت پڑے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ پانی نکالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لاکھٹی مارنا تمنا کا کام ہے۔

نبی کا معجزہ بویادولی کی کرامت ہو۔ اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بکود کرنے والی وہی ذات ہے۔ اسی مقام پر اگر لوگ غلو کر کھا جاتے۔ نبی کے معجزے بادل کی کرامت کہ ان کا ذاتی فعل سمجھتے ہیں۔ اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو ان کا ذاتی فعل سمجھا۔ وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وہ تو یٰٰذَا الَّذِیْ فَرَّأَیَا وَابْتَرِئُوا کُفْرَکُمْ وَلَا تَبْرَحُوا وَاتَّخِذُوا الصَّوْتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادہ زاد اندھے اور ابرص کو ٹھیک کر رہا ہوں۔ اور مردے میں جان ڈال دیتا ہوں۔ اسی طرح اولیہ اللہ کی جو کرامات صحیح طریقے سے ثابت ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عزت بخشتے ہیں اس کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہو جاتی ہے اپنی مرضی سے تو کوئی نبی بھی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ یَّاتِیَ بِاٰیٰتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ فعل تو اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ مگر نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہادی عظیم علیہ السلام کی زندگی میں بے شمار معجزات پیش آئے۔ پتھروں سے پانی نکالنا تو عام مشاہدہ کی بات ہے۔ جٹلوں اور سپاڑوں سے چشے نکلتے ہیں۔ مگر ہمارے نبی رحمت علیہ السلام کا معجزہ ملاحظہ فرمائیے کہ ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لشکر اسلامی جہاد کے لیے سفر پر تھا۔ راستے میں پانی کی قلت پیدا ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہے تو پیش کیا جائے۔ چنانچہ ایک لوٹے میں تھوڑا سا پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے وضو فرمایا۔

پھر وہ پانی پیالے میں ڈال کر اپنا ہاتھ مبارک اس پیالے میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انگلیوں مبارکہ کے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بابرکت پانی ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے۔ آؤ پانی پی لو اور اس سے وضو کرو۔ لوگوں نے پانی حاصل کیا۔ اس سے وضو کیا اس میں سے پیا اور دوسری ضروریات پوری کیں۔ جب سارا شہر سیراب ہو گیا۔ تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھایا اور پانی نکلنا بند ہو گیا۔ اسی سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کیے وہ اس کا کمال ہے مگر جو معجزات حضور علیہ السلام کو عنایت کیے وہ کمالوں سے بھی بڑے کر کمال ہے۔ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو یا ہما سے رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔ مسل میں کمال اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

برفیت پر
اللہ تعالیٰ کا شکر

بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے من و سلوی کا بندہ رست ہو گیا۔ اور پینے کے لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلُوا وَشَرِبُوا مِنْ دَرِّقِ اللّٰهِ اللّٰہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی سے کھاؤ اور پیو۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ساری نوع انسانی کو یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ ہر قسم کی روزی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اُسے کھاؤ اور پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ شیخ سعدی نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

ابو باد و مرد و خورشید و فلک در کھند تا توانی بخت آری و بخلت مخوری
ہمہ از ہر تو سر گشتہ و فرماں بردار شرط انعام نباشد کہ تو سزا مان نہری
فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردش کر رہی ہیں۔ تاکہ تو دنی کو ہاتھ میں لائے اور غفلت سے نہ کھائے۔ روٹی کھاتے وقت انسان کو غور کرنا چاہیے کہ روٹی کا یہ ٹکڑا کتنے مراحل طے کر کے آپ کے ہاتھ میں پہنچا ہے۔ کارخانہ قدرت میں لاکھوں مشینیں اور کرڈروں ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ جب ایک روٹی اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہے پانی کا ایک گلاس جو آپ کے ہونٹوں تک پہنچتا ہے۔ یہ کن کن مشینوں سے گذر کر آتا ہے۔ اسی طرح لباس کی تیاری میں کتنی مشینیں کتنا خام مال، کتنے انسانی دماغ اور ہاتھ کام کرتے ہیں۔ تب جا کر

زینت اور ستر پوشی کے لیے کپڑا میا ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں کہ جس ملک الملک نے انسان کو اس قدر انعامات سے نوازا ہے۔ اس کی روزی استعمال کر کے کیا اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ کس قدر انصافی کی بات ہوگی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرنے کے بعد اس کی فرمانبرداری نہ کرو۔

قرآن پاک میں دوسرے مقام پر آتا ہے: **كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ عَدَالًا** اور طیب چیزیں کھاؤ جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں **وَأَشْكُوا لِلَّهِ إِنَّكُمْ تَشْكُرُونَ** اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کے بندے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ ناداروں کو محروم نہ رکھو۔ تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے تم ملک ہو مگر اس بات کی طرف غور نہیں کرتے کہ یہ نعمت آئی کہاں سے ہے۔ یہ کس کی عنایت ہے۔ یاد رکھو۔ اگر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کو محروم رکھو گے۔ ان کا حق ادا نہیں کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور مستحقین پر زیادتی ہوگی۔ ہر صاحب استطاعت کا فرض ہے۔ کہ وہ ناداروں کا خیال رکھے۔ اُسے دیکھنا چاہیے۔ کہ سوسائٹی میں کوئی بھوکا یا تنگنا ہے۔ خاص طور پر سربراہان مملکت کا یہ فرض منجسی ہے۔ کہ اپنے اپنے ملک میں عاجمندیوں کی خبر گیری کریں۔

صیار الدین بٹنی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ یا حاکم حقیقت میں وہ ہے جس کی سلطنت میں کوئی شخص بھوکا، تنگنا ہے۔ امور سلطنت اس طریقے پر سرانجام دینے چاہئیں کہ ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا ہوں۔ بے شک اعلیٰ درجے کی ضروریات نہ بھی حاصل ہو سکیں۔ تو کم از کم ادنیٰ شعبے کی توہنی چاہئیں۔ ہر شخص کے کھانے پینے، پہننے اور رہنے کے بے انتظام ہونا چاہیے۔ لہذا یہ انسانوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی استعمال کریں۔ اور اس کا شکریہ بھی ادا کریں۔

افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں نیکی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے، جس کے پاس دولت آتی ہے وہ اسے اپنے باپ کی بھکتا ہے۔ نہ خدا کا حق نہ رسول کا حق ورنہ انسانیت کا حق کسی چیز کی پر دانی نہیں کرتا۔ مستحقین پر خرچ کرنے کی بجائے رحم و رواج پر خرچ ہوتا ہے مشرکانہ افعال پر خرچ ہوتا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی پر خرچ ہوتا ہے یہ ساری ناشکر گزاری کی

الہ

بقیہ ۲

دیکھتے ہیں

(آیت ۶۱)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ مَا جِئَ بِآدَمَ فَاذْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ الْآرَضُ مِنْ أَغْصَانِهَا وَقِثَابِهَا وَفُومِهَا
وَعَدَّيْهَا وَبَصِصِهَا قَالَ أَتَتَبِدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِأَلْفِ
هُوَ خَيْرٌ أَهْبِطُوا مَصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَ وَغَضِبَ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَتَّبِعُونَ الشَّيْطَانَ بِغَيْرِ الْحَقِّ
ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: اور جب کہ تم نے اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک ہی قسم
کے کھانے پر۔ پس اپنے پروردگار سے بتائے دے گا کہ وہ ہمارے لیے وہ
چیزیں نکالے جن کو زمین اگاتی ہے۔ اپنی ترکاریوں سے اور اپنی کھجوروں سے
اور اپنے گندم سے اور اپنے سوار سے اور اپنے پیاز سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا
تم بدل میں دیتے ہو اس چیز کو جو ادنیٰ ہے اس سے جو بہتر ہے۔ کسی شرم میں نہ
جاء۔ بے شک تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا۔ جو تم نے مانگا۔ اور ان پر ذلت اور
مسکنت مسلط کی گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کاذاب یکرہٹے اس وجہ سے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ
کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ بات
اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے نافرمانی کی۔ اور وہ مد سے لگے نکل جاتے تھے ﴿۶۱﴾

اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل پر انعامات، ان کی سرکشی و فساد اور پھر ان پر اللہ تعالیٰ کے
قہر و غضب کا تذکرہ گزشتہ دوسرے چلا آرہا ہے۔ فرعون کے منہ عالم بنی اسرائیل کا مصر سے
خروج۔ پھر چالیس سال تک صحرائے سینا میں سرگردانی۔ شام و فلسطین میں داخلہ۔ من و سلمیٰ اور
پانی کی فراہمی کے تمام واقعات تفصیلاً آپ کے ہیں۔ اب اس آیت میں جس واقعہ کی طرف

اشارہ ہے۔ وہ بھی بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں ہی پیش آیا۔

غلامی کے اثرات

در اصل مسلسل غلامی کی وجہ سے بنی اسرائیل کی اخلاقی قدریں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ ان میں طرح طرح کی کمزوریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اسی غلامی کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا تھا: غلامی میں بدل جاتا ہے۔ قوموں کا ضمیر

مقصود یہ کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے۔ تو پھر نہ ان کا جسم اپنا ہوتا ہے۔ اور نہ ان کا ذہن اپنا ذہن ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں غالب قوم کی تابع ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں بھی موجود ہے: عَبْدًا مَّسْلُومًا لَا يَشْعُرُ عَلَى شَيْءٍ غَلَامٌ مَمْلُوكٌ کسی چیز کا ملک نہیں ہوتا۔ اس کا ضمیر تک بدل جاتا ہے۔ اس کی ٹٹے اپنی ٹٹے نہیں رہتی۔ اس کے اخلاق کا جوازہ کل جاتا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل بے عرصے تک فرعون کے غلام رہ چکے تھے۔ لہذا مذکورہ ساری کمزوریاں ان میں پائی جاتی تھیں۔

بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہاں رہ کر ان میں جفاکشی پیدا ہو۔ بھوک پیاس اور مشقت برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو۔ لہذا غلامی کے دور کی کمزوریاں دور ہو جائیں۔ تاکہ یہ لوگ آئندہ زمانے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ کسی ملک کے وارث بن کر نظم و نسق چلانے کے اہل بن سکیں۔ پھر ستر سال تک یہ لوگ غلامی کے اثرات میں گرفتار رہے۔ اپنے اصلی مقام سے فاصلہ رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کہنے کے باوجود ذہنی غلامی کے خول سے باہر نہ نکل سکے۔

جب پرانی نسل ختم ہوئی تو نئی نسل نے کروٹ لی۔ خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع حیدر لہذا بنی ہوئے۔ تو ان کی قیادت میں بنی اسرائیل کی نئی نسل نے شام و فلسطین کو فتح کیا۔ مَشْرِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا مَشْرِقِ اَوْ مَغْرِبِ کے سائے ملاتے اللہ تعالیٰ نے ان کو دلائیے۔

غلام کی تہذیب

ارشاد ہوتا ہے: اذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَاجِدْ لَنَا بنی اسرائیل اس واقعہ کو یاد کرو۔ جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ صحرائے سینا میں بلا مشقت من و سولہ کھاتے کھاتے بنی اسرائیل سے مزاج خیر

کھلایا کہ اگر تم ہی چیزیں چاہتے ہو۔ اِھْبِطُوا مِصْرَ تو کسی شہر میں اتر جاؤ۔ وہاں جا کر کھیتی بڑی کرو۔ ہَلْ جَلَاؤَ آبِیَاشِی کرو۔ اور اپنے لیے اپنی مرضی کی چیزیں کاشت کرو۔ فَإِنْ لَّکُمْ مَسَا سَآلَتْکُمْ پس جو کچھ تم چاہتے ہو۔ تمہیں مل جائے گا۔ البتہ ذرا محنت مشقت کرنی پڑے گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ انگش کی قراءۃ میں اِھْبِطُوا مِصْرَ واپس مصر چلے جاؤ۔ وہاں جا کر اچھی طرح کھیتی باری کرو جس طرح فرعون کرتے تھے۔ اور بنزریاں وغیرہ حاصل کرو۔ دوسری قراءۃ یعنی مِصْرَ کی تئوین کے ساتھ زیادہ رائج ہے۔ یعنی کسی شہر یا قصبے میں اتر جاؤ۔ اور کاشتکاری کرو۔ تم اپنی مطلوبہ چیزیں حاصل کر لو گے۔ تم ایک اعلیٰ چیز چھوڑ کر اس کے بدلے میں معمولی چیزیں چاہتے ہو۔ یہ چیزیں تیس محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوں گی۔

پیتے بھاد
فضیلت

حضرت ابوامامہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کسی گھر میں لہ کا پھل دیکھا تو فرمایا۔ یہ جہاں بھی ہو وہاں ذلت کا دورہ دہا ہوتا ہے کاشتکاری بذات خود ایک مشقت طلب کام ہے۔ اس کے علاوہ یہ اور آیات وغیرہ بھی ہر اکرا پڑتا ہے۔ شہری تہذیب سے اللہ انسان بہت سی اچھی چیزوں سے محروم رہتا ہے۔

کاشتکاری ایک اچھا پیشہ بھی شمار ہوتا ہے۔ اس کی تعریف بھی آئی ہے۔ اس پیشے کو فضیلت کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔ بہترین پیشہ جاد ہے اس کے ذمے حاصل ہونے والا مال پاکیزہ ترین ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر تجارت کا پیشہ ہے۔ رزق کا زیادہ تر حصہ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں ہی رکھا ہے۔ اس کے بعد کاشتکاری کا کھیتی باری ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی فصل کاشت کرتا ہے۔ کوئی دانہ بوتا ہے یا پودا یا درخت لگاتا ہے۔ اس کے پھل میں سے اگر کوئی جائزہ وغیرہ کھائے گا۔ تو بونے والے کو صدقے کا ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کاشتکاری کو یہ فضیلت بخشی ہے۔ اس طرح فرمایا چوتھے نمبر پر صنعت و حرفت کا پیشہ ہے۔ دینی نقطہ نگاہ سے مختلف پیشوں کی یہ درجہ بندی ہے۔

یہودیوں کی
ذلت و برائی

بنی اسرائیل کے جتنے بھی واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ اسی ترتیب سے

ساتھ واقع ہوئے ہوں جس ترتیب کے ساتھ انہیں بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کا بیان محض عبرت اور تنبیہ کے لیے ہے۔ کہ تاریخ انسانی ان واقعات سے سبق حاصل کرے۔ اور برائیوں سے اجتناب کرے۔ ان کے ضمن میں یہودیوں کو بار بار خطاب کیا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو تمہارے آباؤ اجداد میں یہ یہ ظرا بیاں پائی جاتی تھیں۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔ اور ایسی برائیوں سے باز آ جاؤ۔ انہی نافرمانیوں کی وجہ سے وَضُحِّيتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰلَةُ وَالْمَسْكَنَةُ اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ مسکنت مال کی کمی کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ذلت و رسوائی کی لعنت اُن پر اس وقت مسلط کی گئی جب وہ ہمیشہ قوم عادی مجرم بن گئے۔

یہ عام مشہور بات ہے۔ کہ یہودی دنیا میں امیر ترین قوم ہیں مگر یہ دست نہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں بھی مال و دولت تھوڑے لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ درنہ اکثریت ان کی بھی محتاج ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہودی مالدار بھی ہوں تو پھر بھی ان کی حالت خستہ ہی ہوتی ہے۔ مورد واپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔

حکومت سے محرومی بھی ذلت و رسوائی کی نشانی ہے۔ یہ قوم دس ہزار سال تک حکومت سے محروم رہی۔ دنیا میں کسی جگہ ان کی سلطنت نہیں تھی۔ یہ لوگ اتنے لمبے عرصہ تک درہم داسے پھرتے رہے۔ ان کو کسی دوسری حکومت نے بھی ہر ذلت و کید جہنمی دے دی تھی۔ ان کے دشمن۔ اٹلی ولسے ان کے دشمن۔ یہ سازشی ذہن کے لوگ ہیں۔ انہیں کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

آج اعتراض ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا دعوئے تھا کہ دنیا میں یہودیوں کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ ان کا کوئی ملک نہیں ہوگا۔ مگر ان کی سلطنت قائم ہو چکی ہے۔ معاذ اللہ قرآن پاک کا دعویٰ غلط ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ چوتھے پائے میں موجود ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ مگر دو شرطوں کے ساتھ اِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ بَيْنَ النَّاسِ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑ لینے سے یا پھر لوگوں کی رسی کو تھام لینے کی وجہ

سے۔ ہاں قریب قیامت میں دجال کے ظہور کے وقت اُن کو عروج حاصل ہوگا۔ تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کے تریہ قریب بھی نہیں جاتے۔ البتہ انہوں نے لوگوں کی رسی کو پکڑ رکھا ہے۔ امریکہ برطانیہ فرانس وغیرہ کے دامن سے چٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو وطن بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اور باقی دنیا کو آنکھیں بھی دکھانے لگے ہیں۔ ان کی سلطنت کا قیام محض امریکہ کی بے ایمانی کو نتیجہ ہے۔ آج امریکہ اگر اپنا ہتھ اٹھائے تو یہودی سلطنت دو دن بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ الغرض! اگر آج یہودیوں کو کسی خطہ زمین پر عروج حاصل ہے تو وہ بھی قرآن پاک کے بیان کردہ اصول کے مطابق ہی ہے۔ ورنہ اس قوم کی حقیقت یہی ہے۔ وَبَاءُ وَيَغْضَبُ قُلُوبَ اللَّهِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مذاب ہی لے کر لڑے۔

آیات النبی
کا انوار

فرمایا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ بنی اسرائیل کی ذلت و سوائی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جب کوئی ان نافرمانی کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برپا ہوتی ہے۔ انہیں کا بھی یہی حال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "إِنِّي بَعَثْتُ لَكُمُ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الْمَدِينِ" جاؤ تم پر قیامت تک میری لعنت برپا ہے اسی طرح کافروں کے متعلق فرمایا کہ جو کفر کی حالت میں مر گیا اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْعَالَمِينَ وَالشَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ ان پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت مسلط ہوگئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کو ٹھکراتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ذلت و سوائی کے سوا اور کیا ہوگا۔

ابنہ علیہ السلام
کا قتل

بنی اسرائیل پر لعنت مسلط ہونے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وَفَقَتُوا نَبِيَّيْنِ بَعْضُهُمَا قَتَلَ الْآخَرَ کہ وہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں عتبا ہے کہ انہوں نے یرمیا نبی شعیبا نبی حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے دیگر سینکڑوں نبیوں کو قتل کیا۔ ایک دوسری مذہبیت میں آئے ہیں کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں خدا تعالیٰ کے تین سوا ابیہ علیہم السلام کو شہید کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے ایسا کرنے

سے منع کیا اور انہیں طعن و ملامت کی قرآن کو بھی شبیہ کر دیا گیا۔ یہ قوم اس قسم کی عادی مجرم بن چکی تھی جس کی وجہ سے یہ مغضوب اور ملعون ٹھہری۔

یہاں پر بغضِ الخلق پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبیوں کے ناحق قتل کا یہ مطلب ہے جبکہ نبی کا قتل تو بلاشبہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کا قتل برحق تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تو مفسرین کرم اسس اشکال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر ناحق کا لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ قاتل خود سمجھتے تھے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سخت عذاب روز قیامت اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہوگا۔ دونوں قسم کے اشخاص سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے۔ امیر بن خلف کی مثال موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنے نبوزے سے اس ملعون کو رہا تھا بشرطین مکہ میں سے یہ بڑا خزانہ قسم کا کاڑھ تھا؟

نور من! سابقہ بنی اسرائیل کی خرابیاں اور ان کی سزائیں بیان کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل کو سمجھا جا رہا ہے کہ اب بھی سمجھ جاؤ۔ خدا کا آخری نبی آگیا ہے: "اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ" جو کچھ میں نے نازل کیا ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ معافی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اگر تم ٹھیک ہو جاؤ۔ اپنے اخلاق و اعمال درست کر لو۔ تو تم آج بھی عروج حاصل کر سکتے ہو مگر وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کو تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ہمیشہ کے لیے لعنت مسلط کر دی گئی۔ انکار آیات اور قتل انبیاء کے بعد تیسری وجہ یہ بیان فرمائی۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ عصیان کا حنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ضائع کرنا ہے۔ وہ لوگ حقوق اللہ کی باطل پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے کسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ نیز یہ کہ "وَكَانُوا يُعْتَدُوْنَ" وہ حد سے نکل جاتے تھے۔ تعدی کا معنی انسانوں کی جانوں اور مالوں کا تلف کرنا ہے۔ بنی اسرائیل کا ذوق ہی بدل چکا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحیح مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی اور

سید ابوالسعود ص ۸۵، مآرک ص ۵۲، مظہری ص ۲۱۰

۱۰۰ منہ احمد ص ۲۱۰، ابن کثیر ص ۲۱۰، تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۱۰

ہی میں تمیز کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ذَسْرَتْنِ حَسَنَتٌ وَسَاءُ ثَنٌ
سَيِّئَتْنِ جب تمہاری نیکی تمہیں پس منگے۔ اور بُرائی سے نفرت ہو۔ تو سمجھ لو کہ تم مومن ہو اور
اگر نیکی اور ہی میں تمیز پاتی نہیں رہی تو سمجھ لو کہ تمہیں روحانی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔

اس کی مثال انسانی جسم کے ساتھ دی جا سکتی ہے۔ جب آدمی تندرست ہوتا ہے۔ تو
اس کی زبان کا ذائقہ درست ہوتا ہے۔ اسے میٹھی چیز میٹھی لگتی ہے۔ اور کڑوی چیز کڑوی لگتی ہے
مگر جب جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ تو اس کی زبان کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے۔ اسے میٹھی چیز بھی کڑوی
محسوس ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے۔ تو وہ صحیح مومن ہے۔
ورنہ وہ بیمار ہے۔

بنی اسرائیل کے لوگ بیمار تھے۔ وہ تعدی کی بیماری میں مبتلا تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق
کا پاس رکھتے تھے۔ اور نہ بندوں کے حقوق کا خیال کرنے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے
اللہ تعالیٰ کے معصوم نبیوں کو قتل کیا جو خدا تعالیٰ کی رحمت اور انسانوں کے لیے نمونہ ہوتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کھلی خلاف ورزی، اس کے احکام کو خلیوں، باتوں یا تادیبوں کے
ذریعے ٹھکرانا ان کا محبوب شغل تھا ان کی برائیوں کی تفصیلات سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران۔
سورۃ نساء اور مادہ وغیرہ میں آ رہی ہیں۔ ان کی برائیاں بیان کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی
ہے۔ کہ کہیں تم بھی اسی قسم کی غرابیوں میں مبتلا نہ ہو جانا، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا
سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے
سنا لیا۔ حالانکہ وہ انکار ہی کرتے رہے۔ اے مسلمانو! اگر تم بھی انیس لوگوں کی ردشس پر چلو
گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ تمہاری صحت ایمانی بھی جاتی ہے گی۔ اور نہ اللہ ایمانی میں تبدیل ہو جائے گا۔

رَبِّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَكَادُوا وَأَنصَرُوا وَالشَّابِثِينَ مِن
أَمْنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَصَلْنَا عَنَاقِهِمْ أَجْرَهُمُ عِندَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: جو لوگ مسلمان ہوئے اور وہ لوگ جبریل و جبرائیل ہوئے اور جو نصرانی ہوئے

اور صابی، جو شخص بھی ایمان لایا۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر

اور اپنے نام کیسے پس اس کے لیے ان کا اجر ہے۔ ان کے رب کے پاس اس کے

پھر خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۶۲﴾

اس سے پہلے آیت میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں، فساد فی الارض، اس کے نتیجے میں ان
پر سزا دی جانے والی ذلت اور مسکنت کا ذکر تھا۔ آیت زیر درس کے بعد بنی اسرائیل کی یکے بعد دیگرے
خرابیوں کا ذکر ہوگا۔ اس درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ قانون بتا دیا ہے۔ جس کی پابندی
نصیحت کی ہے اور جس پر عمل پیرا ہو کر ان کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ قانون کسی خاص فرقے
، گروہ کے لیے نجات مختص نہیں کرتا بلکہ جو بھی شخص اس میں دیے گئے اصول کی پابندی کرے
گا۔ وہ نجات پا جائے گا۔ خواہ وہ کسی خاندان کسی نسل یا کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اصل
بنی اسرائیل کے نسبى تفاخر اور مذہبی فرقت کی تردید ہے۔ جس میں وہ مبتلا تھے۔ اور اسی نام
برتری کی وجہ سے آپ کو نجات یافتہ سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار گروہوں یعنی عوامین، یہود، نصاریٰ اور صابین
کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ سورۃ حج میں پانچویں گروہ مجوسیوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ نزول قرآن کے
وقت جو فرقے پائے جاتے تھے۔ ان میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور صابی ہیں۔ حضرت
مولانا شیخ انسؒ اپنی تفسیر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت

کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو کہتے ہیں البتہ صابی ایک ایسا فرقہ ہے جس نے مختلف ادیان سے بعض ایسی چیزوں کو اختیار کر لیا ہے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ اس فرقہ کے پیروکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ زبدہ پڑھتے اور کعبے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بہت سی جائز باتوں میں اختلاف بھی کرتے ہیں۔

اس آیت میں جن ذہاب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ ان میں سرفہرست ہل ایمان ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **اِنَّ الْكَافِرِيْنَ اَمْسُوْا بِئِنَّ شَكَّ** وہ لوگ جو ایمان لائے یعنی مسلمان ہوئے صرف اَمْسُوْا میں وہ تمام لوگ آجیتے ہیں جو بظاہر ایمان لائے۔ اور ان میں منافقین بھی شامل ہیں۔ کیونکہ بظاہر تو وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام کی مجلس میں بھی بیٹھتے تھے۔ اور پھر آپ کی اطاعت کا دعویٰ بھی کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ اَمْسُوْا کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہاں اَمْسُوْا سے مراد وہ الہ ایمان ہیں۔ جو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ پر۔ اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس خطاب کے مصداق ایسے ہی لوگ ہیں۔ محض زبانی دعوائے ایمان سے نجات ممکن نہیں ہے۔

ہل ایمان

وَالَّذِيْنَ هَكَدُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے۔ یہاں پر مطلقاً یہودی نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا جو یہودی ہوئے۔ اس میں امتیاز یہ ہے کہ یہود ایک نسل ذہب سے یہ تبلیغی ذہب نہیں ہے۔ یہودی وہ ہیں جو نسلی طور پر بنی اسرائیل ہیں۔ لہذا یہودی ہونے سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو اگرچہ نسلی طور پر یہودی نہیں ہیں مگر انہوں نے یہودی ذہب قبول کر لیا۔ نزول قرآن کے وقت مدینہ کے گرد و نواح میں بنی قریظہ ایسے قابل تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور یا اس سے بھی پہلے جب بڑے بڑے حوادث پیش آئے۔ تو یہ لوگ اپنے اس وطن سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر ان کے قلعے اور آبادیاں تھیں یہ لوگ صاحبِ علم کہلاتے تھے۔ یہ لوگ اصل یہودی نہ تھے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اسلانی عربی النسل تھے۔ مگر یہودیوں سے متاثر ہو کر اس ذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ انہیں کے

ہَادُوْا
کاشوم

مطلق کہا گیا ہے کہ جو یہودی ہوئے۔

یہودیوں کو یہود کہنے کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ مغضربین کرام فرماتے ہیں کہ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ نام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یوذا کے نام پر ہے۔ اس نام کی دوسری توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سورۃ اعراف میں آیت مَرَاتَا هَذَا الْيَكْتُ هَادًا هُوَذَا لَاحِظِي جُوتَا ہے۔ جمع کرنا۔ یہ موزی علیہ السلام کا دوسرا کمر ہے۔ جب بنی اسرائیل نے سخت گستاخی کی۔ اور کہا کہ ہم ہرگز اس کتاب کو نہیں مانیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ خود ہم سے ہم کلام ہو کر اس کتاب کی تصدیق نہ کرے۔ تو موسیٰ علیہ السلام قوم کے شر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور پر گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا مطالبہ پور کر دیا مگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قہر بجلی کی صورت میں نازل ہوا۔ اور وہ شر آدمی دک ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام سخت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ کہ مولا کریم! میں قوم کو جا کر کیا بتاؤں گا۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے آدمی وہاں لے جا کر مروا دیے۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی تھی۔ اور عرض کیا تھا اِنَّا هَذَا الْيَكْتُ تَت مَوْلَا كَرِيم! ہم تیری طرف جوع کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا تھا۔ تو بعض فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو یہود کا لقب اس ہَذَا نَا کے ملنے سے دیا گیا تھا۔

اس وقت پر۔ یہ دنیا میں یہودیوں کی تعداد دو کروڑ کے ٹک بہت ہے۔ برخلاف اس کے نصاریٰ کم و بیس دوا رب کی تعداد میں ہیں۔ یہودی اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کار بند کہتے ہیں۔ مگر ان میں ابتداء کے زمانہ سی میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ان میں کشتی کا مادہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ بعد میں یہ عادی مجرم بن گئے۔ عصیان ان کی رشتہ میں داخل ہو گیا۔ اور یہ لوگ حقوق العباد کو ضائع کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انبار علیہ السلام کو قتل کیا۔ یہ لوگ اپنے آباء اجداد کے شمع افغان پر نادم ہونے کی بجائے۔ ان پر فخر کرتے تھے۔ کہ وہ بہت اچھا کام کرتے رہے ہیں۔ اُن کے اعمال اور اخلاق میں بے شمار قبائح یہود ہو چکے تھے۔ اور آج تک موجود ہیں۔

یہودیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جسمانی صورت کے معتقد ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو جسمانیت سے متبرکات سمجھتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہے۔ اس جسم کو وہ مثالی اور نورانی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جسمانیت شعاع کی طرح ہے۔ جو پھیل جاتی ہے۔ اور سکڑ جاتی ہے۔ اس لیے انہوں نے روایت الہی کا مطالبہ پیش کر دیا۔ لَنْ تُوَفِّيَنَّكَ حَتَّى نَسْأَلَ اللَّهَ جَهَنَّمَ اَنَّمْ يَرْزُقُ الْيَاقَانَ نَحْنُ لَا مَيْسُ لَمْ يَجِبْ لَكَ كَمَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَوْنُهُ بِهِيَ طَوْرٍ يَنْدَكِّحُ لَيْسَ۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر گریہ، ہنسی، حزن اور غم کا بھی اطلاق کرتے ہیں۔

یہودی اخبارِ عظیم السلام کے بائیس میں بھی بڑی بدگمانی رکھتے ہیں۔ بلکہ ان پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ تو راق کے مطالعے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اخبارِ عظیم السلام پر کیا کیا بہتان باندھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستم لگائی۔ کہ آپ ہارون علیہ السلام سے حسد کرتے تھے اس لیے آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو حضرت ہارون علیہ السلام کے بائیس میں سفارشی تھے کہ: وَأَشْرِكُكُمْ فِي آفَئِدِي (۳۲) كَيْ نَسْبَحَكَ كَثِيرًا اَنْتَ يَدْرِكُ اَمِيرَ بَحَالٍ كَوْمِيرٍ سَاطِحٌ بَلِغٌ فِي شَرِكٍ فَرَا۔ آپ نے یہی تو دعا کی تھی: هُوَ أَفْصَحُ مِمَّنِي لِسَانًا۔ وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے۔ اے اللہ میری زبان میں سکنت ہے۔ رِذَا يَصْغَرُ قِيَّتِي اے میرا معاون بنائے جو میری تصدیق کرے۔ کہیں فرمایا اے میرا وزیر بنائے۔ ہم مل کر تیرے دین کی تبلیغ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَوْفِيَّتَ سُوْفَتْ يَصُوْمُسِي۔ نے موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے مگر یہ بد بخت یہودی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا۔

یہودیوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ دلی مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی تو محض اپنی برتا ہے۔ مگر دلی نبی سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس میں تقرب الی اللہ کا وہ زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

ان بد بختوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سونے کا بکھڑا خود حضرت ہارون علیہ السلام نے بنایا تھا یا انہوں نے بنانے کا مشورہ دیا تھا (العیاذ باللہ) اسی طرح انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے اپنے کھانڈرا بچیف اور یا کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو گتھ میں رکھا (العیاذ باللہ) انہیں لوگوں نے سحر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا کہ یہ جادوگر اور طلسمات کا ماہر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے بائے میں بہت بڑا محبوب ہے۔

یہودی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت رومی ہے جو کبھی فریخ نہیں ہوئی۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی منکر ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے سخت مخالفت کی۔ اور انہو دجال تک کہ۔ ان بد بختوں نے ان کے منہ پر پتھر کا اور انہیں سولی پر لٹکانے کی کوشش کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر زنا کی تہمت انہی ظالموں نے لگائی (العیاذ باللہ) یہودیوں کی بد اخلاقی، بد عقیدہ اور ان کی بڑی خصلتوں کی تفصیلات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ بعض چیزیں تفاسیر میں ملتی ہیں۔ اور بعض تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

نصاری کی
وجہ تسمیہ

مومنین اور یہود کے تذکرہ کے بعد تیسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَالنَّصَارَىٰ اور نصاریٰ جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لفظ نصاریٰ، نصاریٰ کی جمع ہے۔ اور نصرت کے معنی مدد کرنے کے ہوتے ہیں۔ مسخرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچاتے تو آپ لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے: مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ؟ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون میرا مددگار ثابت ہوگا؟ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں مدد کے لیے تیار ہیں چنانچہ اسی لفظ سے ان کو نصاریٰ کا نام دیا گیا۔ یعنی نصرت کرنے والے۔ مدد کرنے والے جنہو دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں: کہ جس بستی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بستے تھے۔ اس بستی کا نام

۱۔ تفسیر عزیزی قدسی ص ۲۶۸، ۲۔ تفسیر عزیزی قدسی ص ۲۶۹، ۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۱

۴۔ معالم التنزیل ص ۲۱، ۵۔ درمنثور ص ۴۵

ناصرہ تھا۔ چنانچہ اس بیتی کی نسبت سے اس گروہ کو نصرانی کے لقب سے طعن کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مرین کی نسبت کر کے منیٰ کہا جاتا ہے۔ یا کسی کو مکی یا شامی وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نصاری کے
عقائد باطلہ

نصاری بھی عجیب و غریب عقائد رکھتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ بالکل جڑا چمکا ہے۔ آج کل کے مسیحی پولس نامی ایک شخص کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ یہ شخص مسیحیت کا مبلغ تھا۔ اس نے دین مسیحی کا بالکل طریقہ بگاڑ دیا۔ پولس نے بھی عیسائیت کو اس طرح خراب کیا جس طرح عمر بن لُحی نے دین ابراہیم کو بگاڑ دیا تھا۔ عرب اقوام تقریباً دو ہزار سال تک حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مذہب پر قائم رہے۔ نئے عرصہ تک یہ توحید پرست رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل اس شخص نے عربوں میں بت پرستی کا طریقہ ایجاد کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نازل قرآن کے وقت سارے عرب شرک میں غرق ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

پولس نے مسیحیت کے ساتھ بھی ایسا ہی سوچا کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول بننے والے رگ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ اور شیلیٹ کا سکران میں رواج پا گیا۔ آگے سورۃ مائدہ میں آکر ہے کہ انہوں نے "إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ" کا عقیدہ بنالیا اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اُس وقت انہوں نے چار گروہ بنائے۔ مگر اس وقت کے کچھ تو ایک اور پرورش دو گروہ شرک میں۔ دونوں میں سے کوئی بھی توحید پر قائم نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا میسر خدا یا ابن اللہ کہا۔ انہوں نے یہ عقیدہ بھی قائم کر لیا کہ خدا عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ یہودیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ خدا کچھ ٹرے میں حلول کر گیا ہے۔ اس طرح کا باطل عقیدہ عیسائیوں نے وضع کر دیا۔

سید علی ہجویری صاحب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے بارہ فرقے ہیں۔ ان میں سے دو فرقے مردود ہیں۔ اور باقی دس فرقے مقبول ہیں۔ دو مردود فرقے ہی حلول

ہائے فتنے ہیں۔ وحدت الوجود کا عقیدہ بھی انہی لوگوں کا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بندے کے اندر داخل ہو گیا ہے (الہیاء ذابۃ) تو بہ حال یہ لوگ بھی اس قسم کی بدعتیہ گئی کا سہارہ ہو چکے ہیں وَالصَّابِغِیْنَ اور صابی۔

صحابی روزیہ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ صابی کا عام فہم معنی بے دین ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے تو اسے صابی کہتے ہیں۔ اسی بنا پر عرب کے مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ یعنی انہوں نے پرانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے تاہم اس مقام پر جس صابی فرقہ کا تذکرہ ہے۔ مفسرین نے اس کی بہت سی تفصیلات بیان کی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس فرقہ کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ نیک نیتی اور سعادت حاصل کرنے کے لیے انسان کسی نبی کا عطا کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ روحانیات اور فرشتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرے تو اس کے لیے یہی کافی ہے۔ انہیں سے انسان فیض حاصل کر سکتا ہے۔ یہ لوگ مختلف قسم کے بیکل بناتے ہیں۔ مثلاً آفتاب، مابتاب ستاروں اور ملائکہ کے نام کے بیکل بناتے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم لوگ قبل کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ستاروں کو سجدہ دیتے ہیں۔ اور انہیں قبل تصور کرتے ہیں۔

اس فرقہ کے متعلق یہ بھی ملاحظہ ہے کہ یہ تین نمازیں پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں صابیوں کے جانشین پروردیزی اور چکڑاموری ہیں۔ چکڑاموری بھی تین نمازوں کے قائل ہیں۔ ان کے بعض لوگ دو نمازیں پڑھتے ہیں اور بعض صرف ایک۔ یہ سب گمراہ فرقے ہیں اسی طرح پروردیز کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ نماز کی کوئی حقیقت نہیں۔ صحیح نماز وہ ہوگی جو حکومت مقرر کرے گی۔

صابیوں کی اور بھی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کو کوئی شخص ہاتھ لگاؤں۔ تو اس کے لیے غسل ضروری ہو جاتا ہے یہ لوگ گدھے اور کتے کے گوشت کو تو نہیں کھاتے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اونٹ اور بچے دار جانور کے گوشت کو بھی پیوریوں کی طرح حرام سمجھتے ہیں۔ یہ پیاز اور باقلی کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ مابوی۔ یا مار بھلی یعنی سانپ کی مانند بھلی بھی ان کے ہاں حرام ہے۔ یہ لوگ شراب کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں۔ مگر نئے کو حرام گردانتے

ہیں۔ طلاق کے متعلق ان کا شرعی مسئلہ یہ ہے کہ حاکم وقت کی اجازت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کے ہاں ایک سے زیادہ نکاح بھی جائز نہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں صرف ایک عورت سے ہی نکاح ہو سکتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے صابیوں کے مختلف بیطلوں کی شکل و صورت کا بھی تذکرہ کیا ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ملت اولیٰ (First Cause) یعنی تخلیق پر بھی بیکل بندتے ہیں۔ عقل کا بیکل الگ ہوتا ہے۔ سیاست کا الگ۔ اسی طرح صورت کا بیکل بندتے ہیں۔ اور پھر نفس کا بیکل گول شکل کا بناتے ہیں۔ زحل سیارے کا بیکل مدس شکل کا ہوتا ہے۔ اور مشتری کا بیکل مثلث شکل کا۔ آفتاب کا بیکل مربع شکل کا ہوتا ہے۔ اور مریخ کا بیکل مثلث یعنی آٹھ پہلو کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ قیامت کا بیکل انکار کرتے ہیں۔ اس کی بجائے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ چھتیس ہزار چار سو پچیس سال کا ایک دور ہوتا ہے۔ جب ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر برزی روح کا ایک ایک جوڑا پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً انسان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے وغیرہ ہر ایک کا ایک جوڑا پیدا ہوتا ہے۔ جس سے آئندہ نسل ملتی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ دور جب تک موجود ہے یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے گا۔ اس کے بعد یہ تنازعہ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور پھر دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔ علیٰ ذہن العیاس۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کلدانیوں کی ایک بہت بڑی تہذیب گندی ہے اس کا مرکز بابل شہر تھا۔ جو کہ کم و بیش ایک سویل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ شہر بغداد سے قریباً ستر یا سو میل دور تھا۔ اس سے پہلے آشوریوں کی تہذیب کا دور دورہ تھا۔ وہ ختم ہوئی ہو تو کلدانی تہذیب کو عروج حاصل ہوا۔ انہیں کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ آپ وہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے۔ مگر مجبور ہو کر وہاں سے ہجرت کی اور شام و فلسطین کو مرکز بنایا۔ پھر خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ تو صابیوں کی طرح یہ کلدانی بھی ستاروں اور روحانیت کے قائل تھے۔ اور ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف سجدہ کرتے تھے۔

صیغی بقاصالی

حضرت مولانا حبیب اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دنیا میں دو قسم کے مذہب ہیں۔ ایک صیغی اور دوسرا صابی۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صابی دور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دور صیغیت شروع ہو چکا ہے اب صیغیت کی آگے تین شاخیں ہیں۔ یعنی سکمان، یہود اور نصاریٰ۔ ان میں سے صرف سکمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین (ملت) پر قائم ہیں۔ باقی دونوں گروہ اصل دین سے ہٹ چکے ہیں۔

دور ابراہیمی سے پہلے جو صابی گروہ تھا۔ وہ اب بھی موجود ہے۔ آگے اس کی بھی تین شاخیں ہیں۔ یعنی مجوس، برہمن اور بدھ، مجوسیوں کو زیادہ تر عروج ایران میں ہوا۔ وہاں ان کی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ تاریخ کی ایک مشہور کتاب ایران بعد ساسانیوں میں موجود ہے۔ کہ مجوس کی بھی دو توہینیں ہیں ایک کا نام ایرج ہے۔ اور دوسری کا طور۔ قدیم زمانے میں ایران کے بادشاہ فریدون کے دو بیٹے ایرج اور طور تھے۔ انہیں کے نام پر مجوس کی دو شاخیں پھیل گئیں۔ مجوسی بھی اصل ایک کتاب تھے۔ مگر ہندوؤں کی طرح انہوں نے بھی مذہب کو بگاڑ دیا۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مجوسیوں کے کسی بادشاہ نے اپنی بہن کے ساتھ زنا کیا۔ اور پھر اسے جائز قرار دینے کے لیے وقت کے علماء کو ساتھ ملا دیا۔ خود غرض مغیبتوں اور عالموں نے بادشاہ کے حق میں فتویٰ دے دیا کہ ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھی تو بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ کہ یہ جو سیت میں اس قسم کی بے حیائی بھی روا تھی حتیٰ کہ ماں کے ساتھ نکاح بھی جائز سمجھتے ہیں۔ مجوسیوں کی دوسری شاخ برہمن ہے۔ جو ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور تیسرے بدھ ہیں۔ جو چین اور جاپان میں آباد ہیں۔ یہ سب کی سب صابی امتیں ہیں۔

ایمان بانٹہ ان چار گروہوں یعنی اہل ایمان، یہود، نصاریٰ اور صابی کا تذکرہ کر کے اب وہ اصول بتائے جا رہے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ تو فرمایا ان چاروں گروہوں میں سے مَنَ اَمَّنَ بِاللّٰہِ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ یعنی کوئی شخص کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ کتنا بڑا کافر اور مجرم ہو۔ بدترین قسم کا ظالم ہو۔ اگر اس نے صدقِ دل سے توبہ کر لی۔ اور

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لے آیا۔ تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ اور وہ نجات حاصل کرے گا۔ ایمان میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا کافی نہیں۔ بلکہ اس کی صفات۔ اس کی تقدیر و حدایت۔ اس کے انبیاء علیہم السلام اور اس کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ کہ خدا بنی نہیں بھیجا یا حکم جاری نہیں کرتا۔ تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر بغیر توبہ کے مر گیا۔ تو وہ جہنمی ہے۔ بنی بھیجا۔ حکم جاری کرنا۔ شریعت دینا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا انکار بھی دوسرے معنوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا انکار ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض پہنچانے والی مخلوق ہے۔ یہ لطیف اجسام والی نورانی پاک اور منزہ مخلوق ہے۔ ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

ایمان بالآخرۃ

فرمایا ایمان حاصل کرنے کا دوسرا قانون ایمان بالآخرۃ ہے۔ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یہ وہی دن ہے جو اس جہان کا آخری دن (LAST DAY OF THIS WORLD) ہو گا۔ پچیس سال کے اس دن میں تمام انسانوں کا حساب کتاب ہو گا۔ اور اس کے بعد دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔ گویا قیامت کے دن کو ماننا بھی اتنا ہی لازم ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ جو شخص روز جزا کا انکار کرے گا۔ وہ بھی کفر میں داخل ہو جائے گا۔

اعمال صالحہ

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے بعد تیسرا قانون وَعَمِلْ صَالِحًا ہے۔ یعنی نجات کا حق دار وہ شخص ہو گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی انجام دیتا ہو۔ مجاہد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر اعمال صالحہ نماز۔ روزہ زکوٰۃ اور حج ہیں۔ چنانچہ کرام البتہ جہاد کو بھی بنیادی اعمال میں شمار کرتے ہیں۔ تو جو لوگ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ساتھ ان بنیادی اعمال کو بھی انجام دیں گے۔ ان کے متعلق فرمایا فَتَمْنَحُكُمْ جَنَّتُمْ وَعِنْدَ رَبِّكُمْ ان کو ان کے رب کے پاس بدلہ ملے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا وَرِثَتُكُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُفَّارِ ان پرستقبل میں کوئی خوف نہیں ہو گا۔ اور نہ وہ سابقہ اعمال

پر غمگین ہوں گے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے دن سب لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ مگر یہ طبعی اور عارضی ہوگا۔ بالآخر وہ ہر قسم کے خوف سے بچ جائیں گے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی بعض نیک لوگوں کو مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اور وہ ملال و حزن سے دوچار ہوتے ہیں مگر یہ عارضی چیز ہے۔ پیچھے کے اعتبار سے ایسے لوگوں کو خوف نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ خستہ اسے دن کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَخْزِيهِمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ بڑے دن کی گھبراہٹ بھی انہیں خوفزدہ نہیں کرے گی۔ اللہ ان کے دل کو سکون کی دولت سے مالا مال کرے گا۔ رَسَلَتْهُمْ أَعْلَیٰکَ فرشتے ملاقات کریں گے تو انہیں تسلی دیں گے۔ کہ گھبراہٹ اب تمہارے لیے امن ہی امن ہے۔ اور آئندہ بھی کوئی خوف نہیں ہوگا۔ کہ ہم سے کسی وقت کوئی نعمت چھین جائے گی۔ یا کوئی تھیفہ چنپے گی۔ وہ لوگ دنیا میں انجام دیے گئے اپنے کسی عمل پر بھی غمگین نہیں ہوں گے۔

الفرض! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نجات کا یہ قانون سمجھا دیا کہ نجات کسی خاص فرد یا گروہ کے لیے مختص نہیں ہے۔ ایمان کا دعویدار جو یا سید بیت کا۔ کوئی عیسائی مذہب رکھتا ہو یا صابی۔ نجات کے لیے واحد قانون یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ کے پیروں کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ انجام دیے۔ اس کے بغیر نجات نہیں ہے۔ ہر گروہ اپنے ہی فرقے کو افضل و حق پر سمجھتا ہے مگر نجات کا دار و مدار اسی قانون پر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا۔ آگے قانون کی مزید تشریح آ رہی ہے۔

آلہ
درس بیت و بیست

القصۃ
آیت ۶۲ تا ۶۴

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ تَتَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ كَبِدَ ذُنُوبَكُمْ فَلَوْلَا فُضِّلَ إِلَيْكُمْ وَلَئِنْ تَعْلَمُونَ لَتَكُنَّ مِنْكُمْ خِزْيَانٌ لَّهُمْ ﴿٦٤﴾

میں جب وہ پڑا اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد کیا۔ اور ہم نے تمہارے
اوپر طور کو بلند کیا۔ جو کچھ ہم نے دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور یاد کرو جو کچھ اس میں
ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ ﴿۶۳﴾ پھر تم اس کے بعد پھر گئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور

اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاتے ﴿۶۴﴾

ان آیات میں بھی بنی اسرائیل کی غریبوں کا ہی ذکر ہے۔ اس سے پچھلی آیت میں قانون
نجات کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ کہ نجات کسی خاص فرقہ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا
دروہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور اعمال صالحہ پر ہے۔ آیات ذریعہ میں بنی اسرائیل کی توجہ
اس واقعہ کی طرف دلائی جا رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ جو کتاب میں
تمہیں دے رہا ہوں اس کے احکام کی پابندی کرو گے۔ مگر وہ کہنے لگے کہ یہ احکام تو بڑے مشکل
ہیں ہم سے عمل نہیں ہو سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈرانے کے لیے ان کے سردوں پر کوہ طہ
کو کھڑا کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ اس واقعہ کو یاد کرو جب
ہم نے تم سے پختہ عہد کیا۔

بنی اسرائیل
کا عہد

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات حاصل ہو گئی۔ فرعون اور
اس کے تمام لشکر ہلاک ہو گئے۔ تو بنی اسرائیل نے خود ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ہمارے
لیے کوئی شریعت مقرر کرو۔ جس کی ہم پابندی کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

تورات عطا فرمائی مگر وہ طرح عرب کے جیسے زبانوں سے اس کے احکام کو ٹٹلنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور انہوں نے تورات کے منزل من اللہ ہونے پر شک و شبہ کا اظہار کیا۔ اور اعتراض یہ کیا کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے کیلئے تیار نہیں جب تک خود اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق نہ کرے۔ کہ یہ اس کی عطا کردہ کتاب ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو لے کر کوہ طور پر گئے۔ ان لوگوں نے اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ مگر اس کے باوجود گت خفی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ستر آدمی نہ بجلی آئی اور سب کو خاکستر کر گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں زندہ کی عطا کی۔

مفسرین کرامہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود طور سے واپس آنے والے لوگوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہم سے ہمکا ام ہوا ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں نے ہی دی ہے۔ مگر اس کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جس قدر ممکن ہو اس پر عمل کرنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا۔ کہ تورات کے جملہ احکام تربت مشکل ہیں۔ لہذا ہمیں ساری تورات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور انہوں نے عیسایہ حکام کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اس کتاب پر عمل کرنے کا پختہ عہد کر لیا تھا۔ چنانچہ اسی کو فرمایا گیا ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو بلند کیا جیسا کہ

الفاظ سے ظاہر ہے۔ مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر سائے کی طرح کھڑا کر دیا تھا یہ اتنی خوفناک صورت حال تھی کہ پہاڑ کسی وقت بھی ان پر گر کر ان کو پکڑ چور کر سکتا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پوچھا کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے یا نہیں۔ تو انہوں نے عہد کیا کہ مولا کریم! ہم سے یہ مصیبت ہال سے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے احکام پر عمل پیرا ہوں گے۔

معجزات کے بعض منکرین رَفَعْنَا کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ دو کہتے ہیں۔

کہ پیار کو بنی اسرائیل کے سروں پر معلق نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ بنی اسرائیل کو پیار کے دامن میں اس طرح کھڑکیا
 تھا کہ پیار کا کچھ حصہ ان پر ٹھکا ہوا تھا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے سورۃ اعراف میں نَتَقْنَا کا واضح خطابت ہے جس کا معنی
 کھانڈ کر کھڑ کر دینا ہے اور عجز اور غرور پر ایسا ہونا کوئی بعید بات ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے پھر سے پانی نکال سکتا ہے
 منہ کو پھاڑ کر اس میں بارود راستے بنا سکتا ہے۔ من اور سنوئی نازن کر سکتا ہے وہ اگر کسی پیار
 کو اٹھا کر سروں پر معلق کرے تو کوئی سی بڑی بات ہے۔ بلکہ تورات میں قرۃ تفصیل بھی آتی ہے
 کہ نہ صرف پیار معلق ہو گیا تھا۔ بلکہ ساتھ دھواں اٹھ رہا تھا۔ اور آگ کے شعلے سامنے نظر آتے تھے
 الغرض ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وہ عہد لیا۔ جس کا ذکر اس آیت میں آتا ہے
 لغوی طور پر طور ایسے پیار پر بولا جاتا ہے جو سر ہنر ہو۔ یعنی اس پر بکثرت درخت پائے
 جائیں۔ خشک پیار کے لیے طور کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ یہاں پر جس پیار کا ذکر ہے یہ وہی
 طور ہے۔ جو صحرائے سینا کے اطراف میں واقع ہے۔ اور اس کی ایک چوٹی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کو اللہ تعالیٰ سے شرف تکلم حاصل ہوا تھا۔ اسی پیار پر آپ کو توراہ ملی تھی۔

دین میں جبر نہیں

بنی اسرائیل کے سروں پر طور معلق کر کے عہد لینے میں یہ سوا بدیدہ ہوتا ہے۔ کہ یہ تو جبری
 عہد ہو گیا۔ جو کہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ یعنی
 دین میں جبر نہیں ہے۔ مگر یہاں پر جبر عہد کر دیا گیا۔ مفسرین کرام اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بیشک
 دین میں جبر نہیں۔ مگر اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو کوئی دین اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔
 خواہ اس کا دل ماننے یا نہ ماننے۔ کم از کم اسلام میں تو یہ نہیں ہے۔ اسلام تو یہ چاہتا ہے۔ کہ
 تبلیغ کی جائے۔ اسلام کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ اس کے متعلق اگر کوئی غلط فہمیاں ہیں۔ تو انہیں
 دور کیا جائے۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ اور اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔
 اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی شام ہے کہ مسلمانوں نے کسی بھی زمانے میں کسی پر جبر
 نہیں کیا۔ نہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا۔ البتہ کیمونسٹوں اور عیسائیوں کی تاریخ واضح ہے۔ کہ انہوں
 نے کیسے کیسے ظلم کئے۔ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا۔ اور بعض کو شہ تیغ کیا گیا۔

کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے قلعہ جبر روا نہیں۔ البتہ فی الجملہ اسلام میں جبر ہے۔ جو قانون ظلمی کام تکب ہو گا۔ اس پر جبر بھی ہو گا۔ بنی اسرائیل پر پیار و مصلحت کر لے کا مقصد بھی یہی تھا کہ جو عہد کیا تھا۔ اس کی پابندی کرو۔ وہ نہ یہ پیار و مصلحت اور پگڑا دیا جائے گا۔ تورات میں تو یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر تم نے عہد کی پابندی نہ کی تو تمہارا مرنے سے نہیں بچے گا۔

اگر قانون کی پابندی کے لیے جبر کو جبر فی الدین سمجھ لیا جائے۔ تو سارا معاملہ ہی دہم برہم ہو جائے گا۔ حدود اور تعزیرات کا سلسلہ بند کرنا پڑے گا۔ جب کسی دوزخ کو سزا دی جائے گی۔ تو وہ جبر جبر کی دہائی دینے لگے گا۔ کہ اس پر زیادتی ہو رہی ہے۔ اُسے جبر کو ٹٹے لگائے جائے ہیں یا اُسے جبر اقصیٰ میں ڈالا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ اس پر جبر نہیں ہو گا۔ بلکہ قانون کی خلاف ورزی پر تعزیر ہوگی۔ الغرض! اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ قانون کی پابندی کرانے کے لیے جبر سزا دی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں کے انحطاط کے زمانہ میں سلطان سلیم ترکی نے عیسائیوں کی سازشوں سے تنگ آکر حکم دے دیا کہ ترکی کی عملداری میں تمام عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ اُس زمانے کے شیخ الاسلام کو اس حکم کی خبر ملی۔ تو فوراً سلطان کے پاس چلتے اور اس سے اس حکم کے متعلق دریافت کیا۔ سلطان نے تسلیم کیا کہ اُس نے عیسائیوں کی سازشوں سے تنگ آکر یہ حکم صادر کیا ہے۔ تو شیخ الاسلام نے درود لکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ بلکہ آپ غیر مسلموں پر جبر کر رہے ہیں کہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔ سلطان بات کو سمجھ گیا اور اپنا حکم واپس لے لیا یہ تاریخی واقعہ ساری دنیا کو معلوم ہے

جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور انہوں نے اس کی پابندی کا اقرار کیا تو اہم کتاب اللہ تعالیٰ نے اِذَا خُذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعْنَةُ الْجَاهِلِيَّةِ جو کچھ ہونے لیا ہے۔ اُسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اہم کتاب کا مطلب یہ ہے کہ اُسے قیہ کر دو۔ اس پر ایمان رو۔ اور پھر اسی کے مطابق عمل کرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پورے کوشش اور جانفشانی کے ساتھ اس کا

پڑھنا پڑھنا۔ لیکن سچا۔ اس میں مندرج قوانین کی پابندی کرنا انسان کی ترقی اور حظیرۃ القدس کا مہر بننے اور عیلتیں تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ غرض کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب مضبوط باتوں سے پکڑنا نہیں۔ بلکہ اس کے قوانین پر سختی کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ محض خالی خالی وعدوں سے کام نہیں لینے گا۔

قوانین کی پابندی

استمساک بالکتاب کے بعد دوسرے نمبر پر فرمایا وَ اذْکُرْ وَاٰمَرَ فِیْہِ اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد کرو۔ یعنی اس کو پڑھتے پڑھتے ہو۔ یہ قرآن پاک قانون خداوندی ہے۔ سنت رسول اس کی شرع ہے۔ مگر آج کتنے لوگ ہیں جو قرآن و سنت سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے بات ہمیں بھائی جا رہی ہے۔ کہ جو کچھ قرآن پاک میں قانون نازل ہوا ہے۔ اُسے یاد کرو۔ اس کو خود پڑھو اور دوسروں کو پڑھاؤ۔ اس کی تشریح کرو۔ تاکہ قانون کی تفصیلات عوام الناس تک پہنچ سکیں۔ جس طرح ایک عام دینی حکومت کے قانون کی تشریح ضروری بھی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قانون قرآن پاک کو عام کرنا بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے۔

شاد عبد العزیز فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو اپنی رعایا پر اس طرح مہربان ہونا چاہیے۔ جیسے کوئی باپ اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ ایک باپ کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے۔ ہر شریف النفس باپ ایسا ہی چاہے گا۔ جلد باپ تو یہ پتہ کرے گا۔ کہ اس کا بیٹا اس سے زیادہ ترقی کرے۔ اسی طرح حاکم کو بھی اپنی رعایا کی تربیت اور ان کی طرح کرنی چاہیے۔ اور اپنے قانون کی خوب تشریح کرنی چاہیے۔ تاکہ رعایا کا کوئی فرد اس سے ناواقف نہ رہے۔ اور قانون پر عمل پیرا ہو جائے۔ اب اگر حاکم خود اپنے قانون کی پابندی کرے گا۔ تو رعایا بھی اس پر کاربند ہوگی۔ اور اگر وہ خود پابندی نہیں کرتا تو وہ دوسروں سے کیسے پابندی کرے گا۔ جو شخص خود فاسق و فاجر ہو رہا ہے وہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا کیا درس دے گا۔ جو خود جوار کھیتا ہے۔ وہ دوسرے جوار یوں کر کیسے سزا دے گا۔ شرابی حاکم شرابیوں سے کیسے

نہیں لگا۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ حاکم پہلے خود قانون کی پابندی کرے اور پھر دوسروں کے سختی کے ساتھ پابندی کروائے۔ اس کے بعد جو کوئی قانون شکنی کرے اسے سخت ترین سزا دے۔

فرمایا: وَإِذْ كُنَّا مَعَكُمْ فَيَسِّرْ اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ اسے یاد کرو۔ اور اس کے پڑھانے کے لیے دس سال بھی مہیا کرو۔ ہر سے قدم کرو۔ علم مقرر کرو تا کہ ہر خاص و عام اس کی تعلیمات سے مستفید ہوں۔ اُسے علم ہونا چاہیے۔ کہ ہمارا قانون بہترین قانون ہے۔ اس دستور سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دستور نہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔ کہ میں تہ شریف ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ خود کرکے تو اسلام سے بہتر کوئی قانون نہیں پائیں گے۔ لہذا میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ کہ جس طرح میں نے اس دستور کو قبول کر لیا ہے۔ آؤ تم بھی اسے لگے ہو۔ اور فلاح پا جاؤ۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی ضابطہ حیات نہیں ہے۔ وَإِذْ كُنَّا مَعَكُمْ فَيَسِّرْ کا یہی مطلب ہے۔

وہ کون سے جرائم ہیں۔ جو اس دنیا میں نہیں ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفر و کفر کیا ہے؟ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ کہ زنا کے قریب تک نہ جاؤ۔ مگر آج آپ کے سامنے کیا کیا واقعات پیش ہو رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں کے ساتھ زنا بالجبر اور پھر انہیں ملک کر دنیا ایک عام معمول بن چلا ہے جس سرزمین پر اس قسم کے واقعات پیش آتے ہوں۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا غضب ہی آسکتا ہے ۱۱۷ میں روس میں کیا ہوا۔ پورے دو کروڑ انسانوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ بڑے بڑے اہلداروں کو ٹانگوں سے باندھ کر کسی کسی نیل تک ٹھسیا گیا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ سرمایہ داروں کی طرفداری کرتے تھے یہ لوگ انسانیت کے دشمن تھے۔ جس معاشرے میں اس قسم کے ظلم ہوتے ہوں اور ان کے انسداد کا کوئی بندوبست نہ ہو۔ اس سے کیا نتیجہ نکلا جاسکتا ہے۔ یہ سب کچھ عنقریب دنیا کے سامنے آجائے گا۔

فرمایا جو کچھ اس کتاب میں موجود ہے اسے یاد کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا لَعَلَّكُمْ تُتَّقُونَ کہ تم بتقی بن جاؤ گے۔ اگر ان کا عقیدہ صحیح ہو۔ قرآن پاک کو پڑھتا پڑھتا ہے۔ ذیہذا تہیلہ انجام دیتا ہے۔ تو متقیوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ اور تقویٰ ایک ایسی چیز ہے۔

جس کو اختیار کرنے سے شریعت کے احکام کی تعمیل انسان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک کو هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کی عسکر

فرمایا ہے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد فَخَرَّ قَوْيَسْتُمْ مَن بَعْدَ ذَلِكَ تم اس کے بعد اس عہد سے پھر گئے۔ اسے پورا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی تم پر مہربانی کی اور تمہیں موقع دیا کہ تم اپنے عہد کی پاسداری کرو۔ حتیٰ کہ آخری موقع بھی دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک بھی نازل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری نبی علیہ السلام بھی آپکا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ایفائے عہد کرتے ہوئے وَمِنَآيَمَّا أَنْزَلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اس چیز پر ایمان لے آؤ جو میں نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن پاک جو کہ اس چیز کا تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلے سے تمہارے پاس ہے۔ یعنی توراۃ اور دیگر کتب کا وہیہ۔ لہٰذا اب بھی موقع ہے کہ ایمان لے آؤ وَلَا تَكُونُوا رِزَالًا كَافِرِينَ اور اس کے ساتھ اولین کفر کرنے والے نہ بنو اگر ایسا کر دو گے تو آئے والی نسلیں بھی تمہارے ہی نقش قدم پر چل کر زورِ راست سے بھٹکی رہیں گی۔

فرمایا اس کے باوجود فَكُونُوا فَضْلًا لِّلَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةً اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ تو تم نقصان اٹھانے والوں میں ہوتے، فوراً ہلاک ہو جاتے اور تمہیں دربارہ موقع بھی نہ ملتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ تمہیں بار بار موقع دے رہا ہے۔ کہ اب بھی سمجھ جاؤ اور راستہ پر آ جاؤ۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں اور غلطیوں کی طرف دیکھتے تو فوراً ہلاک کر دے اور تمہارے کامرغ بھی نابل سکے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي الثَّبَاتِ فَعُلْنَا لَهُمْ كُفْرًا قَرْدَةً خَاسِبِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

تو سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تم جیسے لوگوں کو جنوں نے تم میں سے بھٹے کے دن یاد کی تھی۔ پس ہم نے ان کو کما کر ذیل بندہ بن جاؤ ﴿۶۵﴾ اور بنا دیا ہم نے اکی لوگوں کو عبرت ان کے لیے جو اس وقت موجود تھے۔ اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ اور متقیوں کے لیے نصیحت بنا دیا ﴿۶۶﴾

یہود ۴ مقدس
دن ہفتہ

گذشتہ آیات میں اس عہد و پیمان کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا۔ کہ وہ تورات پر عمل پیرا ہوں گے۔ اب ان آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد دلایا ہے۔ جس میں ان نافرمانوں کو سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي الثَّبَاتِ یعنی اے اسرائیلیو! تم ان لوگوں کو جانتے ہو۔ جنہوں نے ہفتے کے دن تعدی و زیادتی کی تھی ہفتے کے دن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تورات میں حکم نازل فرمایا تھا۔ کہ اس دن کوئی شخص کوئی کام نہ کرے۔ نہ تجارت کرے نہ زراعت کرے۔ نہ مزدوری کرے اور نہ کوئی دوسرا کام انجام دے، حتیٰ کہ گھر میں کھانے پکھنے کی بھی ممانعت کر دی۔ اور حکم دیا کہ اس روز صرف عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کیا جائے۔ اور ساتھ تنبیہ کر دی۔ کہ جو کوئی ہفتے کے روز اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے۔ کوئی کام دوبارہ کرے گا۔ وہ جک ہو جائے گا۔

جموں نصیحت

یہودیوں کے لیے ہفتہ اور نصاریٰ کے لیے توار کا دن مقدس ہے۔ مگر اہل اسلام کے لیے جمعہ کا دن مبارک ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی

امتوں کو بکا دیا کہ وہ جمعہ کا دن نہ پاسکیں۔ بلکہ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے آخری امت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ کیونکہ جمعہ تمام ائمہ سے زیادہ فضیلت والا دن ہے۔ آپ نے فرمایا اَلْبَهْؤُذُ عِنْدَ یَسْنِیْ یُورِیْ عَمْرَہُ الْکَادِنِ اَخْتِیَارِکِیَا وَالتَّصْرِیْ بَعْدَ عِنْدِ اَوْنِیَارِکِیَا نے اس کے بعد یعنی توار کا دن منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی حد تک اختیار سے دیا تھا کہ وہ اپنے لیے بہتر دن منتخب کر لیں۔ اور انہوں نے یہ ایام پسند کیے۔ اور مجموعہ کو منتخب نہ کیا۔ جو کہ مسلمانوں کے مقدس میں تھا۔ یہودیوں نے ہفتے کا دن اس لیے اختیار کیا کہ کائنات کی تخلیق ہفتہ کے روز شروع ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے ہاں یہ سب سے بزرگ دن سمجھا گیا۔

یہودی قانون
شکنی

جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کا دن خاص عبادت کے لیے مقرر کیا تھا اور اس روز دیگر ہر قسم کے کام کی ممانعت کر دی تھی مگر یہود نے اس حکم کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اس خلاف ورزی کی تفصیل قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر آئی ہے۔ تاہم سورۃ الاعراف میں ایک پورا کوع اسی موضوع پر ہے۔ وہاں پر ہفتے کے روز تعدی کرنے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بکھرے قلم کے کٹے دافع بستی میں بستے تھے۔ تورات کے مطابق اسی بستی کا نام ایلہ تھا۔ جسے آج کل عتبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ساعلی لوگ تھے۔ ان کا پیشہ عام طور پر ماہی گیری تھا۔ تاہم انہیں ہفتہ کے علاوہ باقی چھ دنوں میں مچھلیاں پکڑنے کی عام اجازت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا امتحان لینا چاہا کہ یہ لوگ کس حد تک میرے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔ لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ ہفتہ کے روز بہت زیادہ مچھلیاں نظر آتی تھیں۔ جب کہ باقی دنوں میں خال خال ہی پکڑی جاتی تھیں۔ تو انہوں نے زیادہ تعداد میں مچھلیاں حاصل کرنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ سمندر کے کنارے حوض بنائے۔ جن میں ہفتے کے روز سمندر کا پانی چھوڑ دیتے۔ جب بہت سی مچھلیاں ان حوضوں میں جمع ہو جاتیں۔ تو تھکے بند لگاتے تاکہ یہ مچھلیاں واپس سمندر میں نہ چلی جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ ہفتہ کے روز واقعہ مچھلیوں کو نہ پکڑتے بلکہ انہیں حوض میں جمع کر کے اگلے روز یعنی توار کو پکڑ دیتے۔ گویا اس طرح وہ حیلہ سازی سے احکام الہی کی خلاف ورزی کرتے جب ان سے کہا جاتا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے روز مچھلیاں پکڑنے سے منع کر

رکھا ہے۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ تو وہ کہتے کہ ہم جنت کے روز نکاح نہیں کرتے بلکہ اگلے روز کرتے ہیں۔ لہذا یہ کوئی خلاف ورزی نہیں ہے۔

شاہ عبدالغفور اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ کافی عرصہ تک یہ حیلہ استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے لوگوں کو بھٹی سے منع کیا اور بتایا کہ اس روز شکار کرنا حرام ہے۔ یہ حیلہ سازی بہت بڑی بات ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کام تو ہم اپنے آباؤ اجداد سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اس میں کوئی بُرائی کی بات نہیں ہے۔ کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ جس چیز کو تم شرک بتاتے ہو۔ یہ کام تو ہم خدا بعد نبی کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر یہ واقعی بُرائی کا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں روکنے کے لیے ہمارے ہاتھ بند کر دیتا۔ چونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ لہذا یہ کوئی بُرا کام نہیں۔

الغرض! حضرت داؤد علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ انہیں نیکی کی نصیحتیں کی اور بدیہوں سے منع کیا۔ انہوں نے اچھی طرح توبہ کی۔ کہ اگر تم اپنی بُری خصلتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ آپ کی اس تبلیغ سے تقریباً بارہ ہزار لوگ ذمہ خود اس غلط کام سے باز آ گئے۔ بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی روکنا شروع کر دیا۔ اس کے باوجود بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آنے کے لیے تیار نہ تھے۔ گویا ایک گروہ فاسقین کا تھا۔ قرآن کے مضامین میں صاعین کا ایک گروہ بھی یہ ہو گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ایسا تھا۔ جو خود تو بُرائی کا ارتکاب نہ کرتا تھا۔ مگر دوسروں کو روکتا بھی نہ تھا۔ آگے قرآن پاک میں آتا ہے کہ یہ گروہ بُرائی سے منع کرنے والوں کو مٹاتا تھا۔ کہ تم انہیں کیوں روکتے ہو۔ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ مگر صالحین کا گروہ انہیں جواب دیتا "مَعَذَرَاتُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ لَعَلَّهُمْ يَرْشِقُونَ" کہ بھائی! اللہ تعالیٰ کے سامنے مذہبیانہ کے لیے انہیں مدد کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ تم نے انہیں بُرائی سے کیوں نہ روکا تو ہمارا کیا جواب ہوگا۔ قیامت کے روز نہ امت اٹھانی پڑے گی۔

اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کی عطا کردہ شریعت

لوگوں تک پہنچا میں۔ اور تبلیغ کا حق ادا کریں۔ سو سکتے ہیں کہ ان کی تبلیغ سے کوئی شخص راہِ راست پر آجائے
 اسی واسطے بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ
 کو مجتہد اعلان کیا اور جہاد کے لیے روانہ کیا تو فرمایا لَآ اَنْ يُّكَلِّدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا اَخِيْرَكَ
 مِنْ اَنْ — تَكُوْنَنَّ لَكَ حُمْرَ النَّعَمِ اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری وجہ سے ایمان
 قبول کر لیا۔ تو یہ تمہارے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے بھی بہتر ہو گا۔ جہاد کا اصل مقصد
 جنگ و جدال نہیں بلکہ اس کا مقصد فتنہ و فساد کو مٹانا اور درندہ صفت لوگوں کو راستے سے ہٹانا ہے
 وقت گزرتا گیا۔ اور یہ تینوں گروہ اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ آخر کار صحابین نے سوچا
 کہ ہم ان نافرمانوں کے ساتھ کب تک کھڑا کریں گے۔ کیوں نہ ہم ان سے الگ ہو جائیں۔
 کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے اور ہم بھی اس میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے
 باقی درگزرہوں کا بائیکاٹ کر دیا اور قریب ہی پٹنے علیحدہ علاقے میں مستقل ہو گئے۔ ان دونوں
 علاقوں کے درمیان دیوار یا کوئی اور آڑ تھی جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔
 البتہ ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے تھے۔

انسان بندہ
 بن گئے

ایک دن ایسا ہوا کہ صحابین کے گروہ نے دوسرے گروہ کے کسی آدمی کی آواز نہ سنی۔ اور
 نہ ہی ان کی کوئی حرکت وغیرہ محسوس کی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب انہوں نے جھانک کر دیکھا۔
 تو اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا تھا فَقُلْتُ لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ یہ کہنے کا کہ تم سب
 ذلیل بندہ بن جاؤ۔ چنانچہ صحابین نے دیکھا کہ اس گروہ کے بڑے بڑے خنزیروں کی شکل میں اور
 نوجوان طبقہ بندروں کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ غلیں تبدیل ہو چکی ہیں مگر شور باقی ہے۔ پٹنے
 کے پر نام ہیں اور زار و قطار دوڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں کہ یہ ہماری فلاں رشتہ دار
 ہیں۔ اور یہ فلاں رشتہ دار ہیں۔ اس مقام پر صرف بندوں کا ذکر ہے نہ ہم دوسرے مقام خنزیر بھی آتا
 ہے۔ فَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس شکل و صورت
 میں تین دن تک زندہ رہے۔ اس کے بعد ہلاک ہو گئے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان بندہ خدا خنزیر کیسے بن گئے۔ حالانکہ اس زمانے میں ذروں کی تیسویں گاہی ماہ چھاپا ہے جو کہ کتاب ہے کہ موجودہ انسان بندروں کی ترقی یافتہ نسل ہے پہلے سب بندہ ہی تھے مگر ترقی کرتے کرتے انسان بن گئے۔ اس کا دعویٰ اس دلیل پر مبنی ہے کہ بندہ کی شکل انسانی شکل کے مشابہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان بندہ یا خنزیر کی نسل نہیں ہے۔ اور نہ بندہ انسان کی نسل سے ہیں بلکہ یہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ بندہ اور انسان پہلے ہی علیحدہ علیحدہ نسلیں تھیں اور آج بھی ویسی ہی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ معترضین ذروں کی تیسویں کو تسلیم کرنے میں تو کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے مگر جب قرآن پاک کتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو بندروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا۔ تو انہیں یقین نہیں آتا۔

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى۔ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منع کیا تھا کہ تمہارا لیے چربی کا استعمال جائز نہیں۔ خواہ حلال جائز ہی کی ہو۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس طرح حید سازی کی کہ چربی خود تو نہیں کھاتے تھے۔ بڑے بڑے چھلا کر فروخت کر دیتے تھے۔ اور اس کی قیمت کھاتے تھے۔ جب اہل سے کہا جاتا کہ تمہارے لیے چربی حرام ہے تم اسے کیوں کھاتے ہو۔ کہہ دتے کہ ہم چربی تو نہیں کھاتے بلکہ اسے فروخت کر دیتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ لَعْنَةُ اِيْمَانِ وَالْوَالِدُ اس چیز کا ارتکاب کرو۔ جس کا یہود کرتے تھے۔ فَتَسْتَحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ بِالْأَنۡفَالِ الْحِلِّ کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حیلے بانے سے حلال کر دیتے تھے۔ کہیں تم بھی ان کی پیروی کر کے معصوب علیہ نہ بن جانا۔

یہود بعض برائیاں کھلے عام کرتے تھے۔ مثلاً سود علی الاعلان کھاتے تھے اسی طرح ذروں کا مال ناحق کھاتے تھے مگر ان برائیوں پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی شکلیں مسخ نہیں کیں۔ ایسا کیا ہے کہ اُن جرائم پر جن کا ارتکاب انہوں نے حیلے بانے سے کیا۔ معلوم ہوا کہ ناجائز

حید سازی بہت بڑی خصلت اور بہت بڑا جرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیروں اور بندوں کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حید سازی سے خدا تعالیٰ کے قانون کو نہ توڑنا اور نہ بڑا سخت جرم ہے ایسا کرنے والوں کی اگرچہ اب شکیں تو تبدیل نہیں ہوں گی۔ مگر ان کا باطن بالکل ایسا ہی ہو گا۔ اب کیا کچھ نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حید سازی کی جاتی ہے۔ سود اور رشرت کی آدمیوں کی جاتی ہیں۔ اور اس کے جواز کا فتویٰ لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ حید سازی اور حرام ہے۔

جائز حید سازی

اگر نیت نیک ہو اور حید سازی حرام سے بچنے کے لیے کی جائے تو یہ جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض امور میں خود حید سازی کا طریقہ بتلایا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے: کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہؓ خیر سے بہت اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائے۔ آپ نے دریافت فرمایا اَکُلُ قَمَیْرَ خَبَبٍ هَكَذَا کیا خیر کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! بعض گھٹیا اور ناقص قسم کی کھجوریں بھی وہاں پائی جاتی ہیں۔ آپ کے مزید دریافت کرنے پر صحابہؓ نے بتایا کہ ہم ادنیٰ قسم کی دو صاع کھجوروں کے عوض اعلیٰ قسم کی ایک صاع کھجوریں لے لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ذَلِکَ الْبَرِّیُّ یہ تو سود ہو گیا۔ ایک ہی جنس کالین دین تو بڑا بری کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ نہ کہ کم و بیش۔ ایسا نہ کرو۔ یہ حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب مل کر حل یہ ہے۔ کہ پہلے ادنیٰ قسم کی کھجوروں کو کسی دوسری جنس مثلاً گندم، جو کے عوض بیچ ڈالو یا ان کی نقد قیمت وصول کر لو۔ اور پھر اس سے اعلیٰ درجے کی کھجوریں خریدو۔ یہ حید جائز ہے۔

اس قسم کی مثالیں قرآن پاک میں بھی ملتی ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کسی معمولی بات پر ناراض ہو گئے۔ تو قسم کھائی کہ تندرست ہو گیا۔ تو بیوی کو سولائیاں یا کوڑے ماروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہاری بیوی نیک خاتون ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ بعد اپنی قسم پوری کرنے کے لیے تو چھڑیوں کا ایک گٹھا لے لو۔ اور ایک ہی دفعہ بیوی کو ضرب لگا دو یہ کافی ہے۔ گویا سو کڑوں کی سزا سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حید سازی بتلائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بھی جیل سازی کا ذکر آتا ہے۔ کہ آپ نے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر اس ملک کے قانون کے مطابق وہ انہیں نہیں روک سکتے تھے اور اسرائیلی قانون کے مطابق جو شخص چوری کا ارتکاب کرے اسے سال بھر غلامی کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کو روکنے کے لیے اسرائیلی قانون کا سہارا لیا۔ اور اس کے لیے جیل یہ بنایا کہ اس کے سامان سے چمانہ برآمد کر لیا۔ اسی جیل سازی کو قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا: **كَذَلِكَ كُنَّا لِيُوسُفَ إِهْمًا** ہم نے یوسف علیہ السلام کو ایسا کرنے کی تدبیر بتائی تھی۔ البتہ ناجائز جیل سازی بہر حال حرام ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے ذیلوریوں کے نام بہہ کر دیا۔ جب اس کے پاس سال پورا ہونے لگا۔ تو بیوی نے خاوند کے نام بہہ کر دیا۔ گویا نہ کسی کے ہاں زلیہ پر پورا سال گزرے اور نہ اس کی زکوٰۃ دینی پڑے۔ یہ جیل سازی ناجائز ہے اسی طرح کسی بھی فرض، روزہ، نماز، جہاد وغیرہ سے بچنے کے لیے کوئی جیل سازی کرے گا تو مجرم محض ہے گا۔

تبیلی شمال
کے ترجیب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو جانوروں کی شکل میں اور خاص طور پر خنزیروں اور بندروں کی شکل میں کیوں تبدیل کیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک قانون مقرر کیا تھا۔ کہ ہفتے کے دن سوائے عبادت کے کوئی کاروبار نہیں کریں گے۔ مگر انہوں نے حکم خداوندی کو توڑ کر مچھلی کا شکار شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منرا کے طور پر خنزیر اور بندر بنا دیا۔

محققین فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان انسان جانوروں میں یہی فرق ہے کہ انسان قانون کی پابندی کرتا ہے۔ اور جانور اس سے مستثنیٰ ہے۔ اب اگر انسان بھی قانون کی خلاف ورزی شروع کرے تو ظاہر ہے کہ وہ انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت کے درجے پر آگیا۔ اور ظاہری شکل بصورت کے اعتبار سے انسان بندر سے زیادہ مشابہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ شکل و صورت کے علاوہ بندر جس اور شے میں

بھی انسان سے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ بڑا نال جانور ہے۔ جس طرح انسان کو کرتے ہوئے دیکھو اسی طرح کرنے لگتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کو جانوروں کی اس قسم میں تبدیل کیا جو اہل سے زیادہ مشابہ ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اکیلا آدمی کسی ضبطے کی پابندی کرتا ہے۔ تو اسے اخلاق کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی دو افراد آپس کوئی معاملہ کرتے ہیں۔ تو اسے قانون کہا جاتا ہے۔ قانون کی ادنیٰ ترین صورت میاں بیوی کے درمیان نکاح کا ضبطہ ہے۔ جس کی پابندی دونوں فریقوں پر لازم ہے۔ اگر کوئی فریق اس قانون کو توڑے گا۔ تو وہ انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت کے زمرے میں شامل ہو جائے گا۔ اس کی مزید وضاحت یوں سمجھیں کہ عقد نکاح کے قانون کے مطابق کوئی عورت ایک ہی مرد کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ یہ ایک معاملہ (AGREEMENT)

ہوتا ہے۔ جسکی پابندی ضروری ہے۔ اگر اسی ضبطے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورت ایک مخصوص مرد کی بجائے کسی دوسرے مرد کی خلوت میں بھی چلی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ جانور کی سطح پر آجائے گی۔ جس پر کسی ایسے قانون کی پابندی لازم نہیں۔ اسی طرح مرد اگر اپنی منکوحہ عورت کی علاوہ کسی دوسرے عورت کی طرف نظر پڑے دیکھتا ہے۔ تو وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے انسانیت کے درجے سے گر جائے گا۔

اب نکاح کی بھی شرائط ہیں۔ نکاح ایسے مرد اور عورت کے درمیان ہو سکتا ہے۔ جو آپس میں محرمات میں سے نہ ہوں۔ اگر محرم ہوں گے۔ تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کریں گے تو قانون کی خلاف ورزی ہوگی۔ اہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ان تمام شرائط کے ساتھ جو کام ہوگا وہ درست ہوگا۔ ورنہ قانون شکنی کی زد میں آجائے گا۔ اسی طرح مباشرت کے لیے بھی بعض شرائط ہیں۔ کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے مرد کے ساتھ جائز نہیں۔ جب مرد اور عورت آپس میں ملیں گے۔ وہ بھی فطری طریقے سے۔ غیر فطری راستے سے امتناع بھی خلاف قانون ہے۔ جو کسی طرح جائز نہیں۔

قانون شکنی پر خنزیر اور بندر کی منرا اللہ تعالیٰ نے اس واسطے دی ہے۔ کہ یہ دونوں جانور اخلاقی طور پر دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ گرسے ہوئے ہیں۔ خنزیر ایک ایسا جانور ہے کہ اس کی وہ کے ساتھ کئی کئی نزدیک وقت چھٹی کرتے ہیں۔ یہ اس قسم کا بے غیرت جانور ہے۔

اور بندر کی ایک بہت بڑی خصلت یہ ہے کہ یہ اپنے ہی ہم جنس بندر کے ساتھ بھی قضاے شہوت کرتا ہے۔ خنزیر قانون کی ایک شق کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو بندر دوسری شق کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سور کا گوشت کھانے والے لوگ بے غیرت سمجھے جاتے ہیں۔ انگریز اور سکھ جو خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان میں بے غیرتی کا وہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ الغرض جب یہود نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو ٹوڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں ان جانوروں میں تبدیل کر دیں۔ جو خود قانون شکن ہے۔

غذا کا ایک اہم قانون ہے کہ مقتدی اہم سے آگے نہ نکلے۔ رکوع، سجود، قنوت، اللہ۔ ہر مقام پر اہم کی اقتدار میں ہے۔ اور اگر کوئی نمازی اہم سے آگے نکلنے کی کوشش کرے گا تو اس کی مثال گدھے کے ساتھ دی گئی ہے۔ جو کہ بڑا بوقوت جانور ہے۔ گویا جو شخص نماز کے قانون کو توڑتا ہے۔ وہ گدھے کی مانند ہے۔ یہ تو اس کی باطنی صورت ہے۔ فرمایا اہم سے آگے نہ نکلے۔ **يَا زَيْدُ لَا تَجْعَلِ اللَّهُ صُورَتَكَ صُورَةَ حِمَارٍ** کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل گدھے کی نہ بنائے یعنی کہیں ظاہری طور پر بھی قانون شکن گدھا بن جائے قانون شکنی پر سخت وعید آئی ہے۔

فرمایا ہے بنی اسرائیل! تم جانتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے جنت کے در تعوی کی اور نہایت حکم بجا نہ لائے۔ بلکہ عید سازی سے اس کی عمت کو توڑا۔ تو ہم نے انہیں کہا کہ ذلیل و خوار بندر بن جاؤ۔ پھر جب وہ بندروں کی شکلوں میں تبدیل ہو گئے۔ تو باقی دنیا کے لیے وہ نشان عبرت بن گئے۔ **فَجَعَلْنَاهَا نَكَارَةً لِّمَنْ يَذَّكَّرُ بِهَا** کہ یہ بے شک و ماخذ ہے۔ ہم نے انہیں موجودہ اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔ ورنہ ان لوگوں پر اور تازیج کی کتابوں میں محفوظ ہو گیا کہ فداں قوم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیر اور بندر

بنادیا۔ یہ اس لیے کہ اس واقعہ کو یاد کر کے آئندہ نسلیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔
 فرمایا تبدیل اشکال محض عبرت کے لیے ہی نہیں بلکہ اے وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ بھی
 بنادیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اس واقعہ میں نصیحت ہے۔ کہ اگر انسان بھی
 کسی نے اللہ تعالیٰ کے قانوں کو توڑا۔ تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ
 نے متقیوں کے لیے اس واقعہ کو نصیحت بنادیا۔

التَّوْبَةُ
درس ششم

المقصود ۲
(آیت ۱۶)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَقَرَةً
فَالَوْ اتَّخَذْنَا هُزُؤًا قَالِ اعْمُدْ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: اور جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیا
ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا تو بتاتا ہے ہم کو ٹھٹھکیا ہوا موسیٰ
علیہ السلام نے کہا۔ چناؤ بھلا۔ اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں ﴿۱۶﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی جلد سازی کا تذکرہ بیان فرمایا تھا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ
کے قانون کو کس طرح توڑتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں ان کی شکلوں کو تبدیل کر دیا گیا۔ اور بالآخر وہ
ہلاک ہو گئے۔ آیت زیر درجہ میں بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اس
قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ مگر انہوں نے اس حکم کو مانا نہ چاہا۔ اور اس ضمن میں طرح طرح
کے سوال کئے۔ گویا بال کی کھال اتار رہے ہیں۔ من حیث القوم یہ ظاہر بھی بنی اسرائیل میں موجود تھی۔
اس آیت میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔

در اصل گائے ذبح کرنے کا حکم ایک خاص مقصد کے تحت دیا گیا تھا۔ جس کا ذکر اگلے رکعہ
کی پہلی آیت میں ہے: وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأَتْكُمْ فِيهَا جَبْتُمْ لَهَا
شَخْصًا كَوَيْلٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
تَكْتُمُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کر لے والا ہے۔ جس کو تم چھپاتے ہو۔ قتل کر ہو گیا۔ مگر قاتل
کو پتا نہیں چلتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ تم ایک گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکڑا
مقتول کے جسم پر مارو، تو وہ زندہ ہو کر خود بتا دے گا۔ کہ اس کا قاتل کوئی ہے، چنانچہ قاتل
کا ہتہ چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا تذکرہ آیت زیر درجہ
میں ہو رہا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس مقصد کی خاطر گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔

اس کو بعد میں بیان کیا ہے۔ مگر اس حکم کا تذکرہ پہلے کر دیا گیا ہے۔ گویا واقعات کے مقدم و تاخر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس کے متعلق مغتربین کرام بیان کرتے ہیں: کہ قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جو چیز زیادہ ضروری ہوتی ہے اُسے پہلے بیان کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کے دو اجزاء ہیں۔ ایک اصل قتل جس میں مقتول کا حق ضائع ہوا۔ اور دوسرا مجزوہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اِنَّ لِلّٰہِ یَا مُسْرِکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقْرَۃً اللّٰہِ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کر دو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں کے حق پر مقدم ہے اس لیے گائے ذبح کرنے کے واقعہ کو مقدم رکھا اور اصل واقعہ قتل کو مؤخر کر دیا۔ قرآن پاک میں بعض دوسری مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں مشرق کے حق کو بندوں پر مقدم رکھا گیا ہے مثلاً وَتَقْسِیْ رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلٰہًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ذٰلِکَ رِیْضَۃٌ رَبِّکَ فِیْصَلِّہُ کرنا اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کر دو۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنا حق پہلے بیان کیا اور والدین یعنی بندوں کا بعد میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ لقمان میں آتا ہے: وَ اِنْ جَاہَدَکَ عَلٰی اَنْ تَشْرُکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَذٰ تَطِیْعُہَا کرنا آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کرنا چاہیں یعنی تمہیں شرک پر آمادہ کریں۔ تو ان کی اطاعت مت کرو۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھا اس واقعہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذبح گائے کو مقدم رکھا۔ کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور مقتول کے حق یعنی دیت یا قصاص وغیرہ کو مؤخر کر دیا۔

اس واقعہ سے حیات بعد الممات کا مسئلہ بھی حل ہوتا ہے: کَذٰلِکَ یُخٰی اللّٰہُ الْمُرْتَدِ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اُس مردہ کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اور اس نے اپنے قاتل کی نشانہ گیری کر دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور پھر حساب کتاب اور جزا و سزا کے تمام واقعات پیش آئیں گے۔

درج قتل

علامہ قاضی دسویں صدی کے بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں آپ کا اصل وطن ہرات تھا۔ مگر مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے عربی میں مرقعات کے نام سے مشکوٰۃ شریف کی مندرجہ شرح بھی ہے۔ اپنی اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا دولت مند

شخص تھا جس کی ایک مینی می کسی نے اُسے نکلح کا پیغام بھیجا مگر اس شخص نے قبول کیا جسکی وجہ سے اُسے قتل کر دیا گیا۔

عام طور پر مفسرین کو وجہ قتل یہ بیان کرتے ہیں کہ عاقل نامی ایک دولت مند شخص تھا جو کہ لادہ تھا۔ اُس کے بھائی کے لڑکے اس کی جائیداد کے وارث تھے۔ چنانچہ اس کے بھتیجے اس تاک میں تھے کہ یہ مرے تو اس کی جائیداد پر قبضہ کریں۔ سہ ماہیہ لغویہ کھٹ دہنٹ مکتے میں۔ کہ اس شخص کے بھتیجے مناسب موقع کی تلاش میں ہے۔ آخر ایک دن اُسے کسی کام کے سائے میں دوسری جگہ سے گئے اور دیرانے میں جا کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے خود ہی ذنا پینا شروع کر دیا۔ کہ کسی نے ان کے چچا کو قتل کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ قریبی بستی والوں پر قتل کا الزام لگایا۔ اور ان سے دیت بھی طلب کی۔ مگر بستی والوں نے اس قتل میں موٹ ہونے کی نفی کی۔ اور کہا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل بے گناہ ہیں؛ ذاذرہ تسخیرینہا میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ قتل کا الزام ایک دوسرے پر لگا ہے تھے۔

قانون قامت

قانون قامت یہ ہے کہ اگر کسی مقتول کے قاتل کا پتا نہ چلے ہو۔ تو وقوعہ قتل سے قریب ترین بستی کے لوگوں سے قتل کے متعلق دریافت کیا جائے گا۔ اگر وہ انکار کریں تو ان میں سے پہلی نفی بخیر کر کے قسم دلائی جائے گی۔ کہ نہ انہوں نے خود قتل کیا ہے۔ اور نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں۔ ایسا کرنے سے وہ لوگ قتل کے الزام سے تو بری ہو جائیں گے۔ تاہم انہیں مقتول کے دشمن اور دیت یعنی خون بہا دینا پڑے گا۔ اس واقعہ کے متعلق مفسرین کلام کی مختلف آراء ہیں بعض کہتے ہیں کہ قتل کے اس واقعے کے وقت بنی اسرائیل میں قامت کا قانون رائج تھا جس کا ذکر توراہ میں بھی موجود ہے۔ اور یہ ہماری شریعت میں بھی موجود ہے۔ بنی اسرائیل کا قانون قامت یہ تھا کہ قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں وقوعہ کی قریبی بستی سے معترین کو نکالا جائے گا۔ اور وہ لوگ بھیجا (کہئے) لیں جس نے نہ صل چلایا ہو۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ اور بے عیب ہو۔ وہ لوگ بھیجا کو پاس بننے والی ندی پر پہنچا کر

اس کی گردن توڑ دیں۔ اور پھر لادی خاندان کے کاہن اس پر کچھ پڑھیں پڑھائیں۔ یہ لوگ اس ندی پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور یوں کہیں کہ اے پروردگار ہم اس خون سے بری ہیں۔ نہ ہم کو ملے ہے کہ یہ خون کس نے کیا ہے۔ جب وہ ایسا کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جس وقت قتل کا یہ واقعہ پیش آیا اس وقت تک توراۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ ان کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود نہیں تھا۔ اس لیے وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے اور ظاہری طور پر حکومت بھی موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ بھائی! ایک گائے ذبح کر دو تو اسے مسئلہ کا حل مل آئے گا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اس وقت بیت دعل نہ کرتے بلکہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو بات بن جاتی۔ مگر ان کی طبیعتوں میں تعمق تھا۔ دو بال کی کھال اتارنا جانتے تھے۔ انہوں نے پیغمبر کا حکم ماننے کی بجائے طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں سوال کرتے گئے۔ توں توں سختی بڑھتی گئی حتیٰ کہ بیچ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ اور وہ مجبور ہو گئے۔ مگر اس حیلہ سازی میں کافی عرصہ گزر گیا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر عمل نہ کیا۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تعمق اچھا نہیں ہر بات میں بال کی کھال نہ اتارو بلکہ حکم پر عمل کرو۔ جس قدر زیادہ باریکی میں جاؤ گے۔ اسی قدر سختی میں مبتلا ہو گے۔ اور آخر مجبور ہو جاؤ گے۔

قاتل کی تلاش کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ایک مبارک اختیار کیا۔ کہ اس طرح گائے ذبح کر دے اور پھر اس کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر اور توراۃ خود اپنے قاتل کا نام بتائے گا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ انہیں بذریعہ وحی بھی قاتل کی خبر مل سکتی تھی اور وہ ان کو بتا سکتے تھے۔ اس کے سوا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اسرائیلیوں کے دماغوں میں تعمق بھرا ہوا تھا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام براہ راست قاتل کی نشان دہی کر دیتے تو قوم بگڑ جاتی۔ جنہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی عادت کو خوب سمجھتے تھے۔ جب وہ توراۃ لے کر آئے تھے۔ تو اس وقت بھی اسرائیلیوں

کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: حضور! میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ میرے پاس سواری نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کر دیں گے۔ اُس نے سمجھا کہ شاید حضور اونٹ کا کوئی چھوٹا بچہ عنایت فرمائیں گے۔ کسے لگا سکرے گا اس پر سواری کیا کروں گا۔ اُس کی توقعات کوئی پست لگی۔ نامعلوم کتنے سال بعد وہ بچہ سواری کے قابل ہوا۔ اُس کی یہ بات سن کر حضور علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ تم نے اونٹ کے بچے کو بالکل چھوڑا بچہ کیوں سمجھ لیا۔ بڑا اونٹ بھی تو کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ میں تمہیں اونٹ کا وہ بچہ دوں گا۔ جو سواری کے قابل ہوگا۔

اسی طرح ایک بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اللہ عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے نبی! میرے لیے جنت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے اُمّ فداں! کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ بیچاری پریشان ہو گئی۔ جب وہ روتی ہوئی جاتے ہی۔ تو حضور علیہ السلام نے اُسے دہس ہوا اور فرمایا کہ میں نے صحیح بات کی ہے۔ جنت میں بڑھی عورت نہیں جائیگی۔ بلکہ جو بھی جائے گی۔ جوانی کے عالم میں جائے گی۔ جنتی مرد اور عورتیں سب تیس پینتیس سال کے پینے میں ہوں گے۔ جب وہ جنت میں جائیں گے۔

الغرض! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پناہ بخشہ کہ میں ٹھٹھا رکے جاہل بن جاؤں یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اس کا حکم سنا رہا ہوں اور تم اُسے ٹھٹھے پر محمول کر رہے ہو۔ اب وہ سمجھے کہ یہ تو بخیرہ بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

الْعَمَّ

درس کی رویت

البقرة

آیت ۶۸ تا ۷۸

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۚ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْثُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوثُهَا تَكْرُ النَّظِيرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْمَرْثَةَ ۚ مَكْمَمَةٌ لَا شِيبَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا لَنَنْجُسَ بِالسُّحُوبِ ۚ فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ وَلَاقَتْنِي نَفْسًا فَادْرَأْنِي فِيهَا ۚ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمُرْتَدِ وَيُذِيقُ الْكُفْرَ لَعْنَهُ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٧٣﴾

ج ۸

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کر، ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا جیک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے زعفران (بڑھی) اور نہ بچیا (نوع) ہو۔ بلکہ اس کے درمیان میں ہو۔ پس کہ ڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے ﴿۶۸﴾ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ اس گائے کا لوث کیا ہے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا جیک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہے، اس کا لوث گہرا ہے۔ جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے ﴿۶۹﴾ ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے۔ جیک اسے ہم پر

مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور بیشک اگر اللہ نے چاہا تو جبراً وہ پالیس کے ④ دوسری علیہ السلام نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی کائنات ہے جو کہ نہ محنت کرنے والی ہو جو جوتی دچھاڑتی ہو زمین کو اور نہ سیراب کرتی ہو کھیتی کو۔ صحیح سلامت ہو۔ اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ بآپ ٹھیک بات لائے ہیں۔ پس انہوں نے اس کائنات کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے کے قریب نہیں تھے ⑤

پھر (سے بنی اسرائیل) اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ۔ جب تم نے ایک جان کو قتل کر ڈالا۔ اس میں تم مجبوراً غمنے لگے۔ (ایک دوسٹر کے سر پر دھرنے لگے) اللہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے، اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے ⑥ پس ہم نے کہا کہ مارو اس مردہ کو گائے کے بعض حصے کے ساتھ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور اسی طرح وہ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ تاکہ تم مجبوراً اللہ

عز و جل کو (۷)

گذشتہ درس میں بنی اسرائیل کی جلد سازی کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے احکام الہی جیلے بدلنے سے منہ کی کوشش کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے تعمق اختیار کیا۔ اور طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ پھر جوں جوں سوالات کرتے گئے۔ تو ان کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ آخر انہوں نے مجبور ہو کر گائے کو ذبح کیا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا مردہ کے جسم کے ساتھ لٹایا۔ تو وہ زندہ ہو گیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں اس کے بھتیجوں نے دولت پر قبضہ کرنے کے لیے قتل کیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مخفی بات کو ظاہر کر دیا۔

قاتل کا یہ بھی ارادہ تھا کہ وہ مقتول چچا کی لڑکی کو حاصل کرے گا۔ کیونکہ اس کی جائیداد کی وارث تو وہی تھی۔ نیز وہ اس لالچ میں تھا کہ مقتول کی لاش کو جس علاقے میں پھینکا گیا ہے۔ اس کی قریبی بستی کے لوگوں سے مقتول کی دیت بھی وصول کرے گا۔ یہ تمام باطل خیالات اس کے دل میں جا گزیں تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس چیز کو تم چھپاتے ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی ساری تہمیز کا مہم ہو گئی۔ جب وہ قتل کا یہی عہدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے کر گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ گائے ذبح کر دو۔ یہ سن کر پہلے تو وہ جھڑکے۔ کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی آپ ہم سے بھلا کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے نبی سے کہا کہ میں ٹھٹھا نہیں کرتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جو تمہیں پہنچا رہا ہوں ٹھٹھا کرنا تو

ہاں ۱۰۰ سب سے ۱۰۰ کے بعد انہوں نے اس بات کو بخیر گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر نبی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم کی فراموشی کرے گا تو ان کا منہ جل ہو جائے گا۔ ان کے مزار میں منہ آگ لگے گا۔ وہ بیت و محل کر سنکے گا۔ چنانچہ سول چوبیس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور وہ خود ہی پابندیوں میں جکڑے گئے۔

مصلحت الہی مفسرین کر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے رب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس کی تشریح میں وہی وقت لکھا جاتا ہے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت یہ تھی کہ اس طریقہ سے ایک غریب آدمی کی پرورش مقصود تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک پرہیزگار آدمی فوت ہو گیا۔ بنے بیچے ہوئے۔ ایک بچہ اور ایک بچہ بچھوڑ گیا۔ اس کے مدوہ اس کی کوئی جائیداد نہیں تھی۔ مرنے سے قبل اس شخص نے دعا کی تھی کہ میرے بچے کے لئے میرے بچھوڑے میں برکت ڈال دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

اس بچے کی نیک نیتی و سعادت مندی کے متعلق دو روایات آتی ہیں۔ ۱۔ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ اس کا باپ سویا ہوا تھا۔ نینے میں بہرے کوئی بھرا ہوا۔ ہیرا فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بچے کو اتنی ہیرا میں ہیرا فروخت کرنے کی پیشکش کی۔ بچہ نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ کی اجازت کے بغیر تم سے سو روپے نہیں کر سکتا۔ جب وہ اٹھے تو بات کریں گے۔ تب بچہ نے کہا کہ باپ کو جنہ روپے کہ قیمت پر جن ہیرا بیچ دوں گا۔ مگر لڑا باپ کے ازار میں مغل ہوئے پر رخصت مند نہ ہوا۔ تاہم گھر سے کہ قیمت لینے پر بھی تیار ہوا۔ مگر لڑکے نے کہا کہ میں نئی ہیرا کی بجائے ایک لاکھ روپیہ دینا پسند کروں گا۔ مگر باپ کو بے رحم نہیں کر دینا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس لڑکے کی نیش کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسے برکت سے نوازا۔

بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ان فی شعل میں سے بچے کے پاس

۱۔ تفسیر درمنثور ج ۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱، ۲۔ تفسیر غریزی فارسی ج ۱، ۳۔ تفسیر غریزی فارسی ج ۱، ۴۔

۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱، ۶۔ تفسیر غریزی فارسی ج ۱، ۷۔ معالم التنزیل ج ۱، ۸۔

آیا اور پھر اس کی قیمت دریافت کی۔ اور پھر دو دینار کی پیشکش بھی کر لی۔ لوٹ کے گئے۔ کہ میں اپنی والدہ سے پوچھے بغیر قیمت طے نہیں کروں گا۔ جب والدہ سے دریافت کیا تو وہ اتنی قیمت پر رضامند نہ ہوئی۔ فرشتے نے زیادہ قیمت مانگی۔ پتہ نہ چمکا کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ مگر والدہ نے پھر نہ سمجھ کر دیا۔ غرض! فرشتہ قیمت بڑھا کر بارہ بار والدہ سے مشورہ کرتا رہا۔ مگر والدہ کسی قیمت پر اپنی بچی کو بیچنے پر راضی نہ ہوئی۔ لہذا سیکھے گئے: باب کو حق جواب دیدیا۔ اب فرشتے نے کہا کہ تم بڑے سادہ مند بیٹے ہو جو اپنی والدہ کی سنت کے بغیر ایک قدم نہیں پیٹے۔ تو سزا میں بکھڑت کو غریب نے کے لیے تمہارے پاس لوگ آئیں گے جو تمہاری قیمت پر بچی کو فروخت نہ کرنا یہ تمہیں مالدار کر دے گا۔

دوسری اسرائیل کو ایسے بچہ کے کی تلاش ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے بیان کردہ نشانیوں پر پورا پڑے پھرتے پھرتے انہیں یہ بچہ مل گیا جس میں بیان کردہ تمام صفات پائی جاتی تھیں۔ جب انہوں نے قیمت پتہ چا پائی تو سورہ بن سہ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ غلو یہ بچہ تو مل گیا ہے۔ مگر اس کا ایک مناسب قیمت پر پیش کر تیار نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو جلد بھیجا اور پھر نہ لینے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے عرض کیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے رسول میں آپ ہی بتائیں۔ جب کہ میں اس کا ایک سوں کیا میں اپنی مرضی کے مطابق اس کو تصرف میں نہ لے گا مجاز نہیں ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حسب تجھے اپنی مرضی کے مطابق خدمت کی جائز ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں اس بچہ کے گے بہت اس کا ہم وزن ہونا ہوں گا۔ اس سے کم قیمت پر نہ منی نہیں ہوتا بعض دوسری روزنوں میں کہتے ہیں کہ اس سے بچہ اس کی ماہ قیمت سے دس تا زیادہ قیمت حسب کی تا بمگر ہم وزن ہونے والی روایت زیادہ مشہور ہے چنانچہ بنی اسرائیل نے وہ بچہ اس کے وزن کے برابر ہونے کو حاصل کیا اور چھڑے لے کر اس کے حملہ کے مطابق وزن کیا۔

افرض! بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں فوری طور پر کوئی کام نہ کیا تو اس کے لئے

ذبح نہ کیا۔ بلکہ اس کے متعلق سوالات کرنے شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں سوال و جواب کی تفصیل بتائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ تو کہنے لگے قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّنَا يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں تفصیل سے بتائے کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ کیسی ہو۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَارِئَةٌ وَلَا بِكَرٌ وہ گائے نہ تو بڑھی ہے۔ اور نہ نو عمر بلکہ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ دونوں عمروں کے درمیان ہو۔ فَانْفَكُوا مانتو مڑو! پس کر ڈالو جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ بمعصیہ تھا کہ اب بھی زیادہ سوال و جواب کے چکر میں نہ پڑو۔ بلکہ درمیان عمر کی کوئی گائے نہ کہ گائے ذبح کر دو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کی فوری تعمیل ہونی چاہیے۔ مگر وہ بہ بھکتی قرعہ پڑھیں بھی تعمیل عمر پر آمادہ نہ ہوں۔ بلکہ دوسرا سوال کر دیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّنَا یعنی اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں اپنے رب سے یہ پوچھ دیں يُبَيِّنْ لَنَا وہ ہمیں واضح طور پر بتائے مَا كُونَتْ کہ اس گائے کا رنگ کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے انہیں بتایا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقْ کوٹھکا وہ گائے نہ درہم کی صفت ہے۔ کہ وہ زرد بھی ہو اور گہرے بھی ہو۔ یہ رنگوں کے مختلف نام ہیں۔ اور پھر گائے ان کی صفات ہیں۔ صَفِيَّةٌ رنگ کو بیض اور سرخ کو گہرے کہتے ہیں تو اس گائے کے رنگ کے متعلق فرمایا کہ نہ گہرا نہ دھوا۔ تَكُونُ الشَّظِيرَتَانِ جو لوگوں کا دل بھرنے والی ہو۔ جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جائیں۔

بنی اسرائیل کے دل و دماغ میں تعین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے قیصر سوال کر دیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّنَا اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے دعا کریں يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ إِنَّ الْبَقَرَ كُتِبَ عَلَيْهِ بیشک گائے پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ یعنی ہم ابھی تک اس کی ٹھیک ٹھیک نشانیاں نہیں جان سکے۔ اگر ہمیں اس کی پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا جائے وَأَنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ تو بے شک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم راہ راہیں گے۔ اس دفعہ انہوں نے اپنے مطالبہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ منسلک کیا کہ وہ آغائے حق جو انہوں نے دریافت کی۔ عام قانون بھی ہے کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا يٰ

رَفِئًا عَلٰی ذٰلِكَ عِنْدَ (۳۴) اِنَّ اَنْ يُّشَاءَ اللّٰهُ : یعنی جب بھی کوئی مستقبل میں کام کرنا ہو، تو یوں نہ کہو کہ کل یا پر سوں غمزدہ کر دوں گا۔ بلکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ حلق کر دو۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ کام کر دوں گا۔ مومن کی یہی شان ہے۔ کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا و اس کی توفیق کا طلبگار ہوتا ہے۔

اس آخری سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهَا بَقَرَةٌ ذَا ذُلُوْلٍ تَنْشِيْرُ اَرْزَاقَ ذُلُوْلٍ کے لفظی معنی ہے ہموار کر لینی۔ اس لیے جس اونٹنی کو سواری کے لیے ہموار کیا گیا ہو۔ اسے فَاَقَّةٌ ذُلُوْلٌ کہتے ہیں۔ اور ہموار کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو یہاں ذَا ذُلُوْلٍ کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس سے محنت نہ کرانی گئی ہو۔ کہ تَنْشِيْرُ اَرْزَاقِ ذُلُوْلٍ کو وہ زمین اٹھا دیتی ہو۔ یعنی وہ کبھی ہل میں بھی نہ جوتی گئی ہو۔ وَلَا تَسْقِيْ لِحْمَہَا اور اس نے کبھی کھیتی کو سیراب نہ کیا ہو۔ یعنی کبھی اس سے پانی کھینچنے کی محنت بھی نہ لی گئی ہو۔ بلکہ گائے ایسی ہونی چاہیے۔ مُسَلَّمَةٌ اَجْرًا عَلٰی صَیْحٍ سلامت ہو۔ لَا شِيْئَہٗ فِیْہَا اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ باطل بے داغ ہو۔

یا آخر مجبور
ہو گئے

الغرض! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان کے تمام سوالات کے جوابات دیے۔ کہ مطلوبہ گائے کس عمر کی ہو۔ اس کا رنگ کیا ہونا چاہیے۔ اور پھر وہ ایسی ہونی چاہیے۔ جس سے محنت کا کوئی کام نہ لایا گیا ہو۔ بلکہ صیح سلامت اور بے داغ ہونی چاہیے۔ اب ان کے لیے فرار کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ آخر مجبور ہو کر کہنے لگے۔ قَالُوْا اَلَمْ نَجْعَلْکَ بِالْحَقِّ اَمَّیْنًا موسیٰ علیہ السلام اب آپ نے ٹھیک بات کہی ہے۔ حالانکہ بات تو انہوں نے پہلے بھی درست ہی بتائی تھی۔ مگر ان کے چنے داغ خراب تھے۔ جو علامہ آدم میں ریت و عمل کر رہے تھے اب انہوں نے سوچا کہ تعمیل حکم کرنی ہی پڑے گی۔ فَذَجَّجُوْهَا اَوْ مَطْلَبُہَا کاٹنے تو مش کرنے اور اس کی بھاری قیمت ادا کرنے کے بعد اسے ذبح کر ہی دیا۔ وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ ایسا کرنے پر تیار نہیں تھے۔ مگر اب مجبور ہو گئے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل خود اپنے ڈپر پابندیاں عامہ کر کے مجبور ہو گئے۔ یہ فقر و غصہ آج بھی جاری ہے۔ کہ جو شخص خود اپنے اوپر کوئی پابندی نہ لگے گا۔ وہ خود ہی تنہا ہو گا۔ بھلا کا شائد

فصل رسومات میں کیا ہو۔ دسبے۔ جوں جوں لوگ بڑی رکیں اپنے اوپر عابد کہے ہیں۔ ان میں جڑے جاسے ہیں۔ نہ خدا زنجی اور نہ اس کا رسون رستی اور نہ طوہی رستی۔ وہ سکتے ہیں۔ یہی جہیز کی رقم کو لے لیں۔ اس نے اس سے مکمل طول پر اسے۔ فلاں چیز چاہیے۔ مدوں جہیز چاہیے۔ لڑکے والے خود مطالبہ کرتے ہیں۔ کبھی تیویشن کی ذمہ داری بھی پھر پڑ جاتی ہے۔ یہی کوئی اور کار کا مطالبہ یہ سب کچھ کیسے۔ ایک ایک کر کے اشیاء میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ایک آدمی کی دسترس سے باہر ہو گیا۔ یہ سب اپنی ہی عادت کردہ پابندیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

واقو قتل

فَرِیَا وَذَقْتُمْ نَفَا فِ ذَرْبِ جَنَّةٍ فَبَا جَبْتُمْ لَیْکَ جَانِ کَو قَتْلَیْکَ یَھْرَ اَیْکَ دُوسْتِ
کے سرخو پنے تھے۔ یہ ہے دو اصل واقو جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ اور جسے بظاہر مقدمہ آنا چاہیے تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کو پسے رکھا گیا اور اس واقو کو موثر بنایا گیا۔ یہ واقو بھی میں نے عرض کر دیا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے ایک دو تہ مند علیل نامی آدمی کو اس کے جہیزوں نے۔ ال و دولت اور اس کی بیٹی کے حصول کی خاطر قتل کر دیا۔ اور پھر خود میت وصول کرنے کے لیے قریبی بستی کے لوگوں پر قاتل مت مقدمہ دار کر دیا۔ حردہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قادر مفاہر اور مخفی چیزوں کو جانتا ہے۔ اس پر ہر دغا کرنے والے کا زندقہ کرنا اور یہ عہد بتایا کہ گائے ذبح کر کے اس کے جسم کا ایک حصہ مقتولوں کو لگا دو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا زندہ بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی چیز کو میں بیان فرما رہے ہیں۔ کہ تم تو حقیقت کو چھپاتے تھے۔
وَلَقَدْ مَخْبَرَجَ مَا کُنتُمْ مَخْتَمُونَ مَعِ اللّٰہِ تَعَالٰی ظاہر ہوئے وہاں ہے۔ اس چیز کو جو تم چھپاتے ہو۔

نہ زندہ اور نہ مین کی۔ غور دستور قتل و غارت پر زمانے میں مسوں رہتے اور آج بھی موجود ہے۔ مگر یہ چیز ہر خوشنما و ناز و ناس میں نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ وہ کسی کو کس طرح مہیا کرتا ہے۔ یہاں تو بڑی بڑی مخلوق کے مٹے ہوئے مردہ جاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی سمیٹ اٹھتے ہیں مگر بس حق تعالیٰ زبرد جرات سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ یہ تو خشت کے یزدنی ہے کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

اجلہ موتی
بطور توجہ

الغرض! قاتل کا پتا چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا

فَقُتِلَ هُنْدُ بْنُ بَعْظَنَہ یعنی ہوائے کے گوشت کا ایک حصہ میں مقتول کی ریش پر درود ہے
 فیتچہ ہوہ گزیت یحییٰ اللہ نعوذی اس طریقے سے اللہ تعالیٰ اس ہوائے کو زندہ کرے گا
 اور وہ تمہیں بتائے گا کہ اس کے قاتل کون ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور مردہ زندہ ہو گیا۔

اس چیز میں اختلاف پیدا ہے کہ کائے کا کون سا حصہ تھا جو مردہ پیدا کیا۔ بعض روایات
 میں دم آتا ہے بعض میں قلب اور بعض میں زبان بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ
 تھا۔ اور معجزہ طور پر یہ ہوا تھا۔ کائے کے گوشت میں یہی کوئی تاثیر نہیں تھی۔ جس سے مردہ زندہ ہو
 جاتا ہے۔ اگر یہاں تو قصاب بزدلوں جوازہ ذبح کرتے ہیں۔ وہ تو قاصد ہوائے زندہ کر لیں۔
 اس میں وہ توفیق تعالیٰ کا تھا کہ اس حدیث سے مردہ زندہ ہو کر ان کی پوشیدہ بات کو ظاہر کرے گا۔
 حیائے موتی باہل اس طرت کا معجزہ تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق ہوا فَقُتِلَ
 ضَرْبُ بَعْظَنَہ الْجَحْرَہ کہ اس پتھر پر اپنی راحتی درود اس سے بہرہ پیشے جاری ہوئے، لایا
 ہوائے پاس بھلے ہیں۔ اور پتھر ہی بے شمار ہیں۔ مگر پانی نہیں تھا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے
 پانی میں مارنے کا حکم دیا تو بارہ رستے بن گئے۔ یہ سب جزات تھیں۔

بہر حال ہوائے کا ایک جزہ ہوائے کو جانے سے معجزہ ہو رہا ہو گا کہ مینو کیا۔ اس سے
 پوچھا کہ تمہیں اس نے قتل کیا تھا۔ تو اس نے صاف بتا دیا کہ اس کے قاتل اُس کے جیتے ہیں اور
 یہ رزق جمع عام میں کھد، بوکوں و حقیقت کا حکم ہوا۔ اس کے بعد وہ مرد پھڑپھڑی مردہ حالت میں
 تبدیل ہو گیا۔ اس وقتوں پر کہتی ہیں جاتا ہے کہ جو ایک ملک اپنے حم سے ایک مرد کو زندہ کر
 سکتا ہے۔ وہ قیامت کے روز تمام مردوں کو قبروں سے زندہ نکالتا ہے۔ چہرے اور سر سے قلم
 کے وقعت کا مشاہدہ اس سے کیا جاتا ہے۔ وَتُؤْتِيهِمْ مِنْهُم مَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں
 اپنی نشانیاں دکھائے جس سے تم جنت میں رہو۔ فَتُكْفَرُ عَنْكُمْ وَتُنَزَّلُ الْآفَاتُ الْكَرِيمَةُ
 اللہ تعالیٰ کو نایات کے پیش نظر یہ بات کی یہ مقیم کر سکو۔

قاتل بت
 سے پہلے

مجتہدوں نے چاکر اس سے قتل کیا تھا۔ کہ وہ اس کی درستی میں اس ہوا میں غافل کرنا چاہتا

تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قاتل نہ صرف وراثت سے محروم ہو گئے، بلکہ اسے انہیں مقتول کی ویت ادا کرنا پڑی۔

ہماری شریعت میں بھی قاتل وراثت سے محروم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
 الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ قَاتِلُ وَرَثَتِ كَاخْتَارَ نَفْسِ بَوَاتِ اُس نے جرم ہی ایسا بڑا کیا ہے کہ وہ اپنے
 جائز حصے سے بھی محروم ہو گیا۔ یہ مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر قاتل عداوت ہو تو قاتل مقتول کی وراثت
 سے محروم ہو گا۔ اور اگر غلطاً قتل ہوا ہے، تو وراثت کا حقدار ہے۔ باقی ائمہ اس بات کے قائل
 ہیں کہ قاتل خواہ عمدہ ہو یا غلطی سے، ہر حالت میں قاتل اپنے مقتول محدث کی وراثت سے محروم نہ
 جائے گا۔ اسی طرح مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وراثت نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 فرمان ہے۔ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ مثلاً اگر بیامریائی ہو
 جائے۔ تو وہ عثمان باپ کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ مذہب تبدیل کر
 لے۔ تو وہ بیٹے کی وراثت سے حصہ نہیں پائے گا۔

البقرة

(آیت ۷۴)

ان

دوسری دودو

ثُمَّ قَتَّ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ
قَسْوَةً فَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ أَنْهَارٌ وَإِنْ مِنْهَا
لَمَا يَسْفِكُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنْ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ پتھروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے
بھی زیادہ سخت ہیں اور حیلے بعض پتھروں میں سے بہتہ رہا جس کو جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور خشک
ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں ان سے پانی نکلتا ہے اور خشک ان پتھروں میں
سے بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان

کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۷۴﴾

بنی اسرائیل کی بہت سی برائیوں کا ذکر گذشتہ آیات میں آچکا ہے۔ اور بعض کا ذکر آگے
بھی آئے گا۔ آیت زیر دوسری اللہ تعالیٰ نے ان تمام برائیوں کا نتیجہ بیان فرمایا ہے بنی اسرائیل
کی طرف سے کتمان حق، کھلم کھلا کفر، قاتل، زانی، قتل، انبیاء علیہم السلام وغیرہ
یہ تمام ایسی بیماریاں تھیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کے دل سخت ہو گئے۔ سورۃ مائدہ میں
بنی اسرائیل کی قیامت قیسی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ
لَعَنَهُمْ وَجَعَلْتُ قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً يُحَرِّفُونَ كَلِمًا عَنْ مَوَاضِعِهَا لِيُزَيِّفُوا لَكُمْ
سے ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس
قسم کے کام کرتے تھے کہ ”یُحَرِّفُونَ كَلِمًا عَنْ مَوَاضِعِهَا“ اللہ تعالیٰ کے کام کو
اپنے مقام سے تبدیل کر دیتے۔ گویا آسمانی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے جس کی وجہ
سے قیامت قیسی جیسی لعنت میں گرفتار ہوئے۔ بعد ان کے فریبھی الٹ گئے۔ ان میں ضعف و ہمت
کی بیماری بھی پیدا ہوئی جس کی وجہ سے وہ جہاد کے لیے بھی آمادہ نہ ہوئے۔ بلکہ کہنے لگے کہ اے

موسیٰ علیہ السلام: آپ اور آپ کا خدا جا کر جدا کریں۔ ممتد نہیں سمجھیں گے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتے ہیں: "محمود علیہ السلام کا ارشاد ترمذی ہے لَا تُكَلِّشُ لَكَوَلَهُ بِعَيْنٍ ذِكْرُ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ نہ بدو کا بدو نہ کر دے۔ کیونکہ فاعل بقیں کرنے کی وجہ سے انسان میں قنوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جید ترین واسطہ خمس ہے۔ جس کا دل محنت ہو۔ خدا تعالیٰ سے دوری مسافت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے درمیان پرکے نہ جائیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ ذکر ہی کے علاوہ کثرت کلام سے اجتناب کرو۔

منا محمد اور ترمذی شریف کی روایت میں آتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا حضور! میں اپنے دل میں محنت محسوس کرتا ہوں۔ اس کا علاج بتائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے سر پر ہاتھ رکھو۔ غریبوں اور مسکینوں کی پرورش کرو۔ انسانوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ اللہ تعالیٰ تمہاری قنوت قلبی دور فرمائیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ترمذی ہے کہ رفقہ قلبی چار چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور محمود العین یعنی اس کی آنکھیں منجمد ہو کر رہ جائیں۔ اس سے خشیت الہی کی جڑ سے کبھی آنسو نہ نکلیں۔ ثانیاً قنوت القلب یعنی اس کا دل محنت ہو جائے جو نرم نہ ہو۔ ثالثاً طوالت الاصل لمی مید۔ رابعاً حرص علی الدنیا یعنی اس کے دل میں دنیا کی محبت سے زیادہ ہو۔

پتھروں کا زیدہ بنی اسرائیل میں قنوت قلبی کا نام ہو چکا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: **فَلَوْ كُنْتُمْ فَهْمًا لَفُكْتُ ذَلَّتْ** پھر اس کے بعد تمہارے دل محنت ہو گئے۔ حالانکہ تم خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں یعنی کس کی حروف سے معجزات دیکھ چکے تھے۔ اس کے باوجود تمہارے دلوں میں نرمی نہ ہو۔ ہوئی۔ بہرہ تو ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوتے ہیں۔ **فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً** بہرہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ خدا آبی در معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا معنی بن۔ درجہ کیا جائے تو معصوب ہو گا۔ تمہارے دل پتھروں

کی طرف سخت ہوئے۔ —————۔ جبکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو سکے۔

اور یہ آیتوں کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تمنا سے دل بھڑوں کی طرح سخت ہوئے۔ بے دیکھے۔ گویا بھڑوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "كُلُّوْا حَبْرَةَ وَحَبْدِیْنِ" یعنی پھر یا آدمیوں! یہ کیا تمنا ہے خیال میں اس سے زیادہ سخت چیزیں کھا رہے ہیں پر بھی قنوت قہی کو بھڑوں اور اسے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کے دل بھڑوں کی طرح سخت ہو چکے تھے یہ بھڑوں سے بھی زیادہ قنوت ان میں پیدا ہوئی تھی۔

پتھروں کے
فائدہ

بنی اسرائیل کی قنوت کو مزید اس مثال سے بیان فرمایا کہ دیکھو "وَلَمَّا یَسْتَفْعِرُ مِنْهُ اِنْ نَفْسٌ مِّنْهُمْ یَسْأَلُ عَنْ بَعْضِ بَیِّنَاتِہِمْ" جن سے مخلوق خدا سیراب ہوتی ہے "وَاِنْ مِنْہَا لَمَّا یَسْتَفْعِرُ" اور بعض پتھر ایسے ہیں جو پیٹ مارتے ہیں "فَیَخْرِجُ مِنْہَا الْمَادَّةَ" اور ان سے پانی بہ نکلتا ہے۔ جو کہ انسان کی بنیاد پر درست ہے۔ "وَاِنْ مِنْہَا لَمَّا یَحْبِطُ مِنْ خَشِیۃِ رَبِّہِ" اور بعض ایسے پتھر بھی ہیں جو خوف خدا سے بچے گر پڑتے ہیں۔ مگر یہ بنی اسرائیل ایسی بد بخت قوم ہے کہ ان میں پتھروں والی خصوصیات بھی نہیں پائی جاتیں۔ پتھر جو شہ سخت ہیں۔ مگر پھر بھی ان سے مخلوق خدا فائدہ حاصل کرتی ہے۔ مگر یہ قوم پتھروں سے بھی گئی گزرتی ہے۔ جن سے کچھ حاصل نہیں۔

سجدہ قریب
الی اللہ کی
علامت ہے

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ پتھروں کا ہندوئی سے پستی کی جانب گہرا پڑنا خشیت الہی کی بناء پر ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ پتہ کا اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کی انتہائی شکل سجدہ ہے۔ اور یہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ دینا ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا اتصال پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: "وَاسْتَحْذِرُوا قُرْبَہِ یعنی سجدہ کرو۔ درقرب خداوندی حاصل کرو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "اَقْرَبُ مَا یُکُونُ

الْقَبْدُ مِنْ رَبِّهِ فَهُوَ سَاجِدٌ یعنی جن حالتوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ ان میں حالت سجدہ سب سے اولیٰ ہے، اس حالت میں جس قدر عجز و انکساری ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی اتصال کی بدولت انسان کی حالت درست رہ سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جو شخص پتھروں جیسے اوصاف کا حامل بھی نہیں ہے۔ یعنی نہ تو اس سے مخلوق کو عام فائدہ پہنچتا ہے۔ نہ وہ شخص مکرر دہیاز پر مفید ہے۔ اور نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال ہے۔ تو پھر ایسا انسان بلاشبہ بد بخت لگتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ انہیں قدرت خداوندی کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ بلکہ جو ان کے ساتھ چلنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس نعمت کے محروم نہیں رہتے اور پھر ان کی وجہ سے بڑی بڑی باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

ہم اے بعض ایسے اکابر قریبی زمانہ میں ہوئے ہیں جو یقیناً مقربین الہی میں سے ہیں یہ فریاد بریلوی سادات کے خاندان میں سے حسنی تھے۔ وطن مالوٹ گجرات تھا۔ دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور علم حاصل کیا۔ شاہ صاحبؒ نے مزید تربیت کے لیے اپنے برادر خور و شاہ عبدالقادرؒ کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے تین سال تک یہ احمد شہید بریلویؒ کی تربیت کی۔ یہ وہی شاہ عبدالقادرؒ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا۔ صاحب کشف بزرگ تھے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی شیخ نظروں نے جانچی یا کر تیار احمد شہید بریلویؒ عظیم صلاحیت کے مالک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں سے بہت اہم کام لے لیتا ہے۔ چنانچہ تین سال تربیت مکمل کر لینے کے بعد شاہ صاحبؒ نے یہ احمد شہید کو لوٹ کر باکرہ فوجی تربیت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ اللہ آپ نے چھ سال تک فوجی تربیت بھی حاصل کی۔ گویا یہ احمد شہیدؒ شاہ عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ اور ان کے مجاز تھے۔

خود شاہ عبدالعزیزؒ برصغیر میں اپنے باپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ آپ محدث اور مفسر قرآن تھے۔ آپ کے داماد مولانا عبدالحیؒ بھی بڑے پڑے

ابن کابر
دین

کے بزرگ تھے۔ آپ سیدہ صاحبہ سے زیادہ عالم تھے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ شاہ عبد الغنیؒ کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے تھے قرآن پاک کے علاوہ تفسیر و تراجم حدیث زبانِ یاد تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے اور سورج نکلنے تک ختم کر لیتے اور عصر کے بعد شروع کرتے تو مغرب کی اذان کے ساتھ ختم کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر انعام فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ میں شیخ عبدالحق محدثؒ کا وہ رسالہ آگیا جس میں نماز کی ترکیب لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس طریقے کے مطابق ہی نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ رات کے وقت دو رکعت ایسی نماز پڑھنے کی توفیق میسر آجائے جس کے دوران کوئی دوسرا نہ آئے۔ ایسی کوشش میں رات بھر میں تنویرات نماز آواکی۔ مگر مقصد حاصل نہ ہوا اس بات کا ذکر آپ نے سید احمد شہید بریلویؒ سے کیا کہ شیخ عبدالحق محدثؒ کے رسالہ میں مذکور طریقے سے نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ محض کتاب میں طریقہ پڑھ کر مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ آؤ میرے ساتھ دو رکعت نماز آوا کر لے۔ چنانچہ جب سید صاحب کی اقامت میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے حضور قلب عطا کیا۔ ان مطلوبہ کیفیت حاصل ہو گئی۔ اس واقعہ کا ذکر آپ نے حضرت مولانا عبدالحقؒ کے پاس بھی کیا کہ حضور قلب کے لیے انہوں نے کتنی کوشش کی مگر یہ چیز سید احمد شہیدؒ کے ساتھ نماز پڑھنے سے حاصل ہوئی۔ یہ سن کر مولانا عبدالحقؒ کو بھی اشتیاق پیدا ہوا۔ سید صاحب سے عرض کیا تو انہوں نے نہیں بھی اپنے پیچھے نماز پڑھائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی وہی کیفیت عطا کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں صاحبان یعنی شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحقؒ ہمیشہ سید احمد شہید بریلویؒ کے ہمراہ رہے۔ شاہ اسماعیلؒ کو تو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا مرتبہ عطا کیا۔ مگر مولانا عبدالحقؒ کی عمر کے دوران سر کے علاوہ بیچ ہاتھوں میں جاکر ہاتھوں میں پڑاوی بن کر بیٹھنا ہمارے لوگوں کی تاریخِ جنس میں شاہ اسماعیل شہیدؒ فوت کے سال۔ تھے اور مولانا عبدالحقؒ سید احمد شہیدؒ کے شہر میں سیدہ قضا پر فائز تھے۔ اس اسلامی فوج کے امیر سید احمد شہید بریلویؒ تھے۔ سرحد میں ان کی قائم کردہ اسلامی حکومت تین سال تک چلی۔ اس کے بعد ملتان کی نالافتنی کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اسی دوران مولانا عبدالحقؒ بیمار ہوئے جب ان کی زندگی کو نید باقی نہ رہی تو سیدہ صاحبہ

نے پوچھا کوئی خواہش ہو تو بتائیں کہنے لگے خواہش تو شہادت کی موت کی تھی جو پوری نہیں ہو سکتی۔ اب چاہتا ہوں کہ اس آخری وقت میں آپ کا قدم میرے سینے پر ہو۔ یہ صدمہ سب سے بڑا ہے ان کی خواہش کو پورا کیا۔ اور آپ نے اس کے بعد اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مسلمانوں کی ناکامی کی بڑی وجہ ان کی اپنی غلامی ہے۔ یہ غلامی ابن علی کے دور کے بعد ساتویں صدی میں شروع ہوئی۔ اسی وجہ سے عظمتیں تباہ ہوئیں۔ اور مسلمان مدبر ذوال جبریت پھر یہ اپنے قدموں پر چبھنے لگے۔

تو بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا اتصال نصیب ہوتا ہے۔ جتنا معزوں میں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں پتھروں والی تین سخت جہی نہیں پائی جاتی وہ بہشت اور شہنشاہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں، جگہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت بنی اسرائیل کی مثال واضح ہے۔ یہ پتھروں سے بھی گئے گئے گئے ہیں۔ ان کا وجود غیر معنی ہے۔ انسان کے لیے مفید ہے گریہ یا نہ۔ اسرائیلیوں کی غلامیوں کا ذکر ہے۔

فَرِيًّا وَمَا اللَّهُ بِغَفُورٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ يَا دُرُكْهُمُ لَقَدْ تَعَانَ قَسَائِي كَيْ فَعَلَ غَافِلٌ نِيسَ بَعْدَ تَمَارِي تَمَارِي تَمَارِي اس کی ناکامی میں ہیں۔ ایک وقت آنے والا ہے۔ جس وقت اللہ جل شانہ قسائے اعمال کا انجام قسائے سامنے رکھ دے گا۔ یہ سارا اپنی اسرائیل کو خطا ہے کہ اب جی سمجھ جاؤ اور زہر راست پر آ جاؤ۔ تو اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔ ورنہ تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

انفال

البقرة

دیس میں

آیت ۲۰۰

فَتَصِفُونَ أَلْأَنفُسَ كُفْرًا قَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمُؤْنَ
 كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يَحْزَنُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ
 ④۵ وَرَدُّ نَفْسٍ لِّذِيهَا مَوْتًا وَمَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى
 بَعْضٍ قَاتُوا خِذْلَانَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ
 عِنْدَ رَبِّكُمْ فَلَا تَعْلَمُونَ ④۶ أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
 مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ④۷ وَمِنْهُمْ أَقْسَاؤُنَ لَا يَعْلَمُونَ
 لِكِتَابِ رَبِّكَ مَا بِي وَذُنُ هُمْ وَلَا يَحْشَوْنَ ④۸ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ
 لِكِتَابِ بَايِدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشَارَكُوا
 بِهِ ثَمَّ قُلِيذٌ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
 وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ④۹

ترجمہ: (۴۵) اہل ایمان کیا تم توقع رکھتے ہو کہ اہل کتاب ایمان لائیں گے تمہاری

بات پر جاننا ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سننے سے بچتا تھا۔ پھر اس کو

جس ڈالتے تھے۔ بعد اس کے کہ انہوں نے اسے سمجھ لیا تھا۔ اور وہ جانتے بھی یہی

④۵ اور جب وہ اہل ایمان سے ملنے میں تو کہتے ہیں، ہم بھی ایمان لائے۔ اور جب

اللہ ہر گز میں ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں کیا تم ان رسولوں

کے پاس ایسی چیزیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر ظاہر کی ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعے

تمہارے ساتھ تمہارے رب کے ہاں قبول کریں کیا تم سمجھتے نہیں ④۶ کیا یہ

اول اس بات کو نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو یہ بیچا ہے

اور جس کو ظاہر کرتے ہیں ④۷ اور ان میں سے بعض ان پر عمل نہیں کرتے جو نہیں جانتے

کتاب کو سونپنا بھی ان کی آرزو نہیں اور ان میں سے وہ لوگ ان کے ④۸ پس ہاں

ایسے لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے پھر کتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تاکہ خریدیں اس کے ذریعے عظیمی قیمت۔ پس ہلاکت ہے ان کے لیے جو نکلتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں نے۔ اور جنت ہے ان کے لیے جو کھاتے ہیں۔ انہوں نے (۴۹)

گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی بہت سی باتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سی نشانیاں دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل کے دل سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ منہ دیا بعض پتھر بھی مضیہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ قوم تو ان پتھروں سے بھی بہتر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ ان کے سب کام اس کے علم میں ہیں۔ آیات زبور میں بھی یہودیوں کی بعض دوسری خرابیوں کا ذکر ہے۔ مگر یہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔

ربوبیت

ارشاد ہوتا ہے اَفْطَحُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ یعنی اے اہل ایمان! کیا تم توقع کرتے ہو کہ یہود مذہب سے کہنے پر ایمان لے آئیں گے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ یہ بڑی بد بخت قوم ہے۔ یہ تباہی بات کی ہرگز تصدیق نہیں کریں گے۔ یہ لوگ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ بات سمجھادی کہ گمان مت کر دو یہ تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ کیونکہ شرکت دو وجوہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ یا تو کوئی شخص دوسرے کا معتاد بن کر ساتھ چلے یا اس کا تابع ہو جائے۔ جب تک ان دونوں سے کوئی ایک چیز شامل نہ ہو۔ بل کر چنا محال ہوتا ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہودیوں میں نہ معتاد بننے کی اہلیت ہے اور نہ تابع بننے کی صلاحیت یہ لوگ معتاد اس لیے نہیں بن سکتے کہ ان کی فوج خراب ہو چکی ہے ذہنیت بگڑ چکی ہے۔ ان کا دین تبدیل ہو چکا ہے اسی طرح تابع وہ شخص ہو سکتا ہے جو منفعت مزاج اور بے لوث ہو۔ مگر یہودی ان تمام صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ اس لیے ان کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اے ایمان والو! تم ان کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ ان کو ذرا راست پر لانے کی اگر کوئی امید تمہارے دل میں ابھی تک موجود ہے۔ تو اسے منقطع کر دو۔ یہ لوگ انتہائی درجے کے متعصب۔ غلامی اور غلامی میں۔ جیلہ ساز اور فریب رسدہ لوگ ہیں۔ دنیا کی خاطر دین کو بنا دینا ان کا ہمارا مشغلہ ہے۔ لہذا ان سے کسی بھی عہدنی کی توقع نہ رکھو۔

یہود کی طرف سے
نا اُمیدی

فرمایا ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ اِنْ
میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ ثُمَّ يُخْبِرُونَكَ مِنْ بَيْنِ عَمَلِهِمْ
پھر اُسے سمجھنے کے باوجود بدل دیتے تھے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی کہ کیا کرتوت
کر رہے ہیں۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب توراہ میں جان بوجھ کر تحریف کرتے تھے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر تحریف سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مراد
ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور پر گئے تھے۔
تاکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں۔ کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا
کی۔ مگر ان لوگوں نے تحریف یہ کی کہ کما بیشک یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ مگر اس کے
احکام پر سختی سے عمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ کہا ہے کہ جب قدر آسانی سے عمل ہو سکے کرینا۔ باقی
کو چھوڑ دینا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستر آدمیوں کو بجلی کے ذریعے خاکستر کر دیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی دعا سے انہیں پھر زندگی عطا کی۔ مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے دیدہ و دانستہ تحریف
کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے اہل کتاب خصوصاً یہود کی تحریف کی بھی
واضح مثالیں موجود ہیں۔ آگے آئے گا کہ یہود کا دلیروہ یہ تھا کہ لَا يَعْلَمُونَ اَنَّ اللَّهَ الْخَلْقُ وَهُوَ جَانِبُ
تھے۔ کہ نبی آخر الزمان کا دین سچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو پیشین گوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے متعلق توراہ میں بیان کی ہیں۔ وہ سب کی سب آپ پر پورا اترتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود لوگوں
کو صحیح بات بتانے کے لیے تیار نہ تھے۔ جبکہ توراہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کر دہ
نشانیوں کو چھپاتے تھے۔ اور لوگوں کو انہی سیدھی باتیں بتا کر آپ پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔
سورہ مائدہ میں آئے گا کہ ان لوگوں نے توراہ کے احکام میں بھی تحریف کی۔ توراہ میں
برجم کا حکم موجود تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ مگر یہودیوں نے یہ حکم چھپایا۔ توراہ میں
حضور علیہ السلام کا علیہ مبارکہ موجود تھا کہ آپ خوش شکل ہوں گے۔ آپ کے بال گھنٹریہ لے لے اور

آنکھیں میاں ہوں گی۔ قدر میاں اور رنگ گندمی ہو گا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے۔ اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمادیا۔ تو یہودیوں نے قرآن میں آپ کے بیان کردہ عیسے کو بدل دیا۔ اور لوگوں سے یہ کہنے لگے۔ کہ بنی اسرائیل (علیہ السلام) جسے قدر دے ہوں گے آپ کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اور بال سیاہی ہوں گے۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو آپ پر ایمان لانے سے روکنے کی کوشش کی۔

یہودی بددھرمی

الغرض! اہل ایمان کو گھایا جا رہا ہے۔ کہ یہود سے یہ توقع نہ رکھو۔ کہ تمہاری تبلیغ سے یہ لوگ ایمان سے آئیں گے۔ یہ کوسخت قسم کے ہٹ دھرم لوگ ہیں۔ جانتے بوجھتے ہوئے بھی یہ باہرست سے دور ہی رہیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت یہودیوں کے دس بڑے عالم موجود ہیں۔ اگر یہ دس آدمی ایمان قبول کر لیں تو کوئی بھی یہودی باقی نہیں رہے گا۔ سب ایمان سے آئیں گے۔ مگر یہ عالم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔ ان میں سے صرف ایک آدمی نے ایمان قبول کیا۔ باقی سب اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ نصاریٰ کا بھی یہی حال ہے۔ حضور علیہ السلام کو چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ مگر انہوں نے آج تک انہیں تسلیم نہیں کیا۔ آپ ارشاد ہے کہ نصاریٰ اسی طرح دنیا میں موجود رہیں گے۔ جتنی کہ جب مسیح علیہ السلام قرب قیامت میں نازل ہوں، تو اس وقت ان کی سرکوبی ہوگی۔ اور پھر یہ دنیا سے ختم ہو جائیں گے۔

یہود کے ساتھ
موافقت اور
ان کی مخالفت

ابتداء سے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ساتھ موافقت کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ انہیں ترغیب ہو۔ اور یہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس قسم کے احکام ملتے ہیں آگے دیکھیں۔ اے میں قرآن پاک میں بھی آئے گا۔ کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم یہودیوں کی ترغیب کے لیے ہی تھا۔ خود حضور علیہ السلام نے سر کے بالوں کے بنانے میں اہل کتاب کا طریقہ اختیار کیا۔ اس زمانے میں سر میں ہلک نکالا کرتے تھے۔ مگر یہود مانگہ نہیں نکالتے تھے۔ بلکہ ویسے ہی بالوں کو پیچھے کی طرف ڈال دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے موافقت کی خاطر ان کا طریقہ اپنایا۔ لہذا آپ انہیں نہیں نکالا کرتے تھے۔

یہودی سخت متعصب تھے۔ ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لہذا بعد میں آپ نے انہیں نہانا شروع کر دیا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ کسی طرح راجہ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے بعد آپ نے دوسری طریقہ اختیار فرمایا۔ اور ان کے اہل کتاب کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ ایسے کسی ایک مائل ہیں۔ جن میں اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کی مخالفت حکم ہے۔ یہودی محکمہ خدام کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”میں ان کی مخالفت کرو اور دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھ کر وہ اسی طرح یہودی جیسا والی عورت کو گھر میں نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ بیٹھ کر بیٹھتے تھے۔“ آپ نے فرمایا: ”تم عورت کو ہر حالت میں اپنے گھر میں رکھو۔“ فرمایا: ”جیسا والی عورت گھر کے سامنے کار انجام دے سکتی ہے۔“ ہوانے اس کے کراؤ کے ساتھ مباشرت جائز نہیں۔ میاں بیوی اکٹھے بیٹھ سکتے ہیں ایک برتن میں کھانا کھا سکتے ہیں تاہم مباشرت نہیں کر سکتے۔

اہل کتاب بالوں کو زخا باندھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس کام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ”یہ ان سے مخالفت کی بنا پر تھا۔ اسی طرح یہودی تہ بند نہیں باندھتے تھے۔ آپ نے شور پھینے اور تہ بند باندھنے کا حکم دیا۔ مقصد یہ کہ شروع شروع میں مدینہ کے یہودیوں کی خاطر ان کی مخالفت میں بعض امور انجام دیے۔ مگر جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ بڑے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں۔ تو آپ نے ان کے بعض امور کی مخالفت کا حکم دیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔“

کہ اے اہل ایمان! تم اہل کتاب سے کسی مخالفت کی امید نہ رکھو۔ بلکہ تو سخت عداوت لوگ ہیں۔ یہ کبھی تمہاری بات ماننے پر تیار نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کا دھیرہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بعد اس پر عمل نہ کیا۔ بلکہ اس میں تحریف شروع کر دی۔

اہل کتاب میں سے قریب گروہ ایسا تھا۔ جو عذیرہ علیہ السلام کے ساتھ نہا کرتا تھا۔

اور آپ کی مخالفت کرتا تھا۔ البتہ ایک مختصر گروہ ایسا بھی تھا۔ جو بظاہر تو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ مگر درپردہ ان کی ہمہ دریاں یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ غرض آیت میں ایسے ہی لوگوں کی درجہ

مذہب کی
چالاکیاں

کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ایسے لوگ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاپے کئے ہیں وَإِذَا أَخَذْنَا مِنْهُمُ الْوَثَاقَ بعض اور جب یہ الگ ہوتے ہیں اہل ایمان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ تو کہتے ہیں لَعَنَّاهُمْ وَمِنْهُمْ فَتَنَّا اللہ علیہم کھڑکتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو ایسی باتیں بتاتے ہو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ لِيُصَاحِبْكُمْ رَبُّكُمْ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات میں تمہارے ساتھ مجبور کریں گے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تم مسلمانوں کو تورات کے احکام سے کیوں آگاہ کرتے ہو۔ جن میں یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزمان کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور یہ کہ تورات قرآن پاک کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ایسی باتیں اہل ایمان کو نہ بتاؤ۔ یہ آخرت میں اسی سے تمہارے خلاف دلیل قائم کریں گے۔ کہتے تھے کہ یہ ایسی گہری بات ہے۔ جو ہماری خلاف جاتی ہے أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم نہیں سمجھتے۔ یعنی تمہیں اس نکتہ کی کیوں سمجھ نہیں آتی کہ یہ چیزیں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔

اہل کتاب کی ان تمام تر چالوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان کی ہوشیاری کسی کام نہیں آئے گی۔ أُولَٰئِكَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُكْسِرُونَ وَمَا يَحْتِشِبُونَ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر اس بات کو جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ منافقت کا یہ چکر چلا کر وہ اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں کے ساتھ تصفیات برقرار رکھ سکیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ جو بے ایمانی کر رہے ہیں۔ احکام کی غلط ترمیم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ان کی کوئی چال کامیاب نہیں ہوگی۔

یہودیوں کی
موجوم آندہ نہیں

فرمایا تم صرف خود اور منافقت۔ تو ہمارے لوگوں کی بیماریاں تھیں۔ یعنی یہ خصائل ان لوگوں کے تھے۔ جو حق پرست علم رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض لوگ ایسے بھی تھے وَمِنْهُمْ أَقْمِشُونَ لَا يَدْعُونَ الْحِكْمَةَ جو بالکل ان پر مرتے انہیں کتاب کا بالکل علم نہیں تھا۔ فرمایا ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتے اہل ایمانی سوائے چند خود ساختہ آندہ دوز کے جن کا ذکر آئے ہیں یعنی بڑے بڑے صوفیوں کے یہ وقت ہے۔ یا یہ کہ سخت ابراہیم علیہ السلام

دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے، اور قیامت کے دن کسی یودی کو جس نے غنہ کی ہوگی اس میں نہیں گرنے دیں گے۔ یا اگر بنی اسرائیل دوزخ میں پہلے جی گئے، محمدؐ اسے سننے ایام کے لیے جتنے دن ان کے آباؤ اجداد نے پکھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد خیر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے جہل اور ان پر اس قسم کی آزدوئیں لیے بیٹے تھے، مگر ان کا عقیدہ یہاں تک تھا کہ عربوں کا دل بخیر کرنے میں کوئی کنہ نہیں ہے۔ سودا کو سودی کرنے کے لیے طرح طرح کی تاویلیں کئے تھے، تیرت کو بائز قرار دیتے تھے، وَإِنْ فَعِمَ إِلَّا بَصُطًا اور زمین پر کھروہ لگانا کرتے۔

تورہ میں
تحریریت

تحریریت فی الکتاب کے تعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حال یہ ہے کہ اس جرم کی بنا پر نوید لکھنے والے يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ قیامت ہے۔ ان لوگوں کے لیے دینے والے تحریریت کتاب یعنی تورہ لکھتے ہیں ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ گویا اپنی تحریر کو اللہ تعالیٰ کی تحریر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس قدر غلط لوگ ہیں۔ اللہ یہ تحریریت اس لیے کرتے ہیں لیکن تورات پر ثُمَّ قِيلَ لَهُ تاکہ اس کے ذریعے تم پر معاوضہ وصول کریں۔ مثلاً جب کسی زانی کو جہم کی سزا سے بچنا مقصود ہوتا تو کہہ دیتے تھے کہ تورہ کا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کا منہ کالا کرو اور گوسے پر سوار کر کے شہر پھر دو یا زیادہ سے زیادہ کوئی جہم نہ کرو۔ اس طرح زانی کی جان بچا لیتے۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی بے شمار من گھڑت مسائل تھے جنہیں تورہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ تحریریت کی دونوں صورتیں ان میں پائی جاتی تھیں۔ یا تو الفاظ ہی بدل دیتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ یا پھر الفاظ تو نہیں بدلتے تھے۔ مگر ان کی تاویل غلط کر کے اپنا مقصد پورا کر لیتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی یہ قیامت بھی بیان کر دی کہ وہ کتاب الہی میں تحریریت جیسی قبیح حرکت کے مرتکب ہوتے تھے۔

تحریریت کا دائرہ شمالوں تک وسیع ہو چکا ہے آج کے دور میں انصاف کی نظر سے دیکھیں گے۔ تو پتا چلے گا کہ اکثریت کے عقیدے خراب ہو چکے ہیں۔ کتنے خود ساختہ اور جھوٹے عقیدے ہیں جنہیں آج کل کے نام نہاد علماء قرآن و سنت کی جہت منسوب کرتے ہیں۔ یہ تحریریت فی الکتاب و سنت نہیں تو اور کیا ہے آج کے داعی قہر پرستی رسومات و رواج

ہات سے متعلق کتنی بنیادی مدیشیں لوگوں کو سناتے ہیں۔ یہ بالکل یودیوں کا طریقہ ہے۔ جو سمجھانوں نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ اس دور میں نیکی کا وہ معیار کہاں رہ گیا ہے۔ جو کتاب اللہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال صحابہ کا تھا۔ اصل دین کہاں چل گیا۔ دور حاضر میں دین چند رسومات اور مجھوٹے ختم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ قرآن و سنت کی طرف کون رجوع کرتا ہے۔ نہ نئے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نہ نہ عمل کرنے کی، شرک و بدعت پر دین کا دار و مدار ہے۔ اس کی تبلیغ کرنے والے وہ لوگ ہیں۔ جو مجھوٹے قہقہے کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ یہی چیزیں فتنوں میں ہیں اور غمخیزوں میں ہیں اور انہیں یہ عمل ہو رہا ہے۔ بڑے دکھ سے کنا پڑتا ہے۔ کہ آج چند رسوم کو دین کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور لوگ حقیقت سے بہت دور جا چکے ہیں۔ دین کو سمجھنے والے لوگ بالکل قلیل تعداد میں ہیں۔ آج کتنے لوگ ہیں جو مغسورین، فقہاء اور ائمہ دین کی ٹرین پر دیسرج کا بیڑا اٹھائیں۔ اور دین کو اس کا صحیح مقام و دائرہ نہ سمجھیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ "قرب قیامت میں فتنوں کا دور آئے گا۔ اس وقت دین کو ہاتھ میں پکڑنا اس قدر مشکل ہو جائے گا۔ جیسے جلتے ہوئے کوٹوں کو پکڑنا۔ آج آپ کی بقیہ دھم کی تردید کر کے دیکھیں، ساری بڑائی اور خاندانِ ناصی ہو جائے گا۔ شادی بیاہ کی رسمیں دیکھ لیں۔ یہ انش اور فتویٰ کی رسوم کی طرف نگاہ ڈالیں۔ میلوں اور جلسوں کی طرف دیکھیں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھانی جا رہی ہیں۔ میلے لگانے جا رہے ہیں۔ قواہاں ہو رہی ہیں۔ خواجہ نظام الدین دویا زکی قبر پر دو جزاء روپے کی چادر سے کر ایک آدمی گیا، یہ کون سا دین ہے؟ مسٹر جناح کی قبر پر ہمیشہ قیمت گنبد کی تعمیر کون سی شریعت ہے؟ ہر جگہ عسروں کی مجرہ رہا ہے۔ قبروں کو غسل دیا جا رہا ہے۔ یہ کس شریعت کی باتیں ہیں؟ کیا یہ یود کا طریقہ نہیں ہے؟

دین کی بعض چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہلنے کے لیے لوگ غلام کو مجبور کرتے ہیں اور پھر دین فروش بن کر اس کو خربش کو خربش کے ذریعے پورا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں نکاح و طلاق کے معاملہ کی مثال واضح ہے۔ جلد بازی میں طلاق دے دیتے ہیں جب اپنے کیے پر نہ اامت ہوتی ہے تو اس کے لیے راستہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ طلاق کے کتنے ہی ایسے معاملات ہیں جن میں لوگ غلط فہمی حاصل کر رہے ہیں۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ طلاق جیسی اجمہ اور دوہیں چیز کو عائد کرنے سے پہلے اس پر

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتُخَذُ تُوعِيدُ
اللَّهُ عَهْدًا فَلَنْ يَخْلُفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ قُلُوبُكُمْ عَلَى اللَّهِ مَا رَا
تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ
فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

تَعْلَمُونَ

﴿٨٢﴾

ترجمہ: اور (یہودی) کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو (دوزخ کی) آگ
مگر چند دن کے لیے۔ (اے پیغمبر) آپ فرمادیجئے کیا تم نے پچھا ہے اللہ تعالیٰ کے
پاس کوئی عہد پس ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا۔ بلکہ تم اللہ تعالیٰ
پر دروغ بات کہتے ہو، جو تم نہیں جانتے ﴿۸۰﴾ کیوں نہیں جس شخص نے بُرائی کائی اور گویا
اس کو اس کے گناہوں نے، وہی لوگ دوزخ واسے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ وہی لوگ جنت واسے

ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۸۲﴾

یہودیوں کے
باطل عقائد

اس رکوع میں اہل کتاب کی خرابیوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ
نے کافروں سے امید قطع کرنے کا حکم دیا۔ کہ یہ بڑے متعصب لوگ ہیں۔ آپ ان سے
ایمان لانے کی امید نہ رکھیں۔ اس کے بعد ان کے دو طبقوں یعنی اہل علم اور ان پرستار
لوگوں کا ذکر ہوا۔ کہ ان جابلوؤں کے پاس دین نہیں۔ بلکہ چند معمولی آرزوئیں ہیں مثال کے طور
پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ایک معمولی آرزو یہ ہے کہ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ
وہ کہتے ہیں کہ ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً مگر چند دن کے لیے
جنت تو ہمارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ دوسری جگہ ان کی بات کو یوں بیان فرمایا لَنْ يَدْخُلَ

فَلَنْ يَخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ اور اللہ تعالیٰ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ تم سے نہیں کر رکھا ہے۔ اَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا يَفْعَلُونَ بلکہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ البتہ ایمانداروں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سکھایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کا کر دے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْقَدُ لَیْسَ فِیْ هَذِهِ الْحَیْوَةِ لَدُنَّیْ اَمِّنٌ اَمِّنٌ تِیرے سامنے اس دنیا کی زندگی میں عہد کرتا ہوں۔ بِاَنَّكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ یہ کہ تو ایک ہے۔ اور تیرا کوئی شریک نہیں دَنْ مُّحَمَّدٌ عَبْدُكَ ورسولؐ تُوں اور بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول میں وَ اَلَا تَرٰ اَنَّیْ اَبْرَحْتُكَ اور مجھے مروت تیری رحمت پر ہی بھر دے ہے۔ اِنْ یَّکَلِّفْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ اِکْرِتْ لِّمَجْہِیْرِیْ نَفْسِیْ کی طرف سوئپ دے گا۔ تَقْتَرِبْنِیْ مِنَ الشَّیْءِ تُوں مجھے شر سے قریب کر دے گا۔ وَ یُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَ یُنِیْ اَوْ یُبْعِدْنِیْ سے دور کر دے گا۔ فَلَجَعَلَ فِیْ عِیْنِکَ عَهْدًا تَوْفِیْقِیْدَ یَوْمِ الْقِیَمَةِ پس تُوں میرے عہد بنا دے گا اس کو قیامت والے دن پر اگر سے۔ اِنَّکَ لَا تَخْلِفُ اَمِیْنًا دے شک تو وعدے کو خلاف نہیں کرتا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس دعا کو دنیا میں پڑھے گا۔ تو اس کو قیامت والے دن اس کا بدلہ ملے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عہد کرنا ہو تو وہ ایمان کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے ایمان کے بغیر کوئی عہد نہیں ہو سکتا۔ جو ان کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ بن سکے۔ مگر اے بنی اسرائیل تم سب سے پاس تو ایمان موجود نہیں۔ لہذا تم یہ دعوے کیسے کر سکتے ہو کہ ہم اذل تو دوزخ میں جائیں گے نہیں۔ اور اگر گئے بھی تو چند روز سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ بلکہ جنت میں آجائیں گے۔ یہ تو تمہارا عقیدہ بالکل فاسد ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں بنی اسرائیل کے عقائد باطلہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے جنت میں پہنچنے اور دوزخ سے نجات کا قانون تو آگے آ رہا ہے۔ جس چیز کو بنی اسرائیل

باطل عقائد
کی بنیاد

بیان کر رہے ہیں۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب امت کا رشتہ علم و عمل نبی سے منقطع ہو جاتا ہے۔ تو آزدیوں اور خواہشات عقیہ سے بن جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کا تھا۔ ان کے تمام افعال نبی سے قطع تعلقی پر دلالت کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کے عقیہ سے وضع کئے ہوئے ہیں۔ اور انہیں من گھڑت عقیہوں جگہ خواہشات کی بنا پر وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دوزخ سے بچالیں گے۔

سناڑوں کے
باعل عقیہ

اس قسم کے غلط عقیہوں کا دائرہ یہودیوں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ مسلمانوں تک وسیع ہو چکا ہے۔ شفاعت کا مسئلہ ہی لے لیں۔ یہاں پر يَا شَيْفِيَ الْمَذْنِبِينَ کے نعرے ملتے جاتے ہیں۔ کہ ہم جو چاہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ہماری شفاعت کر دیں گے اور ہم نجات پا جائیں گے۔ حالانکہ شفاعت کا مسئلہ قرآن پاک نے باطل واضح کر دیا ہے کہ شفاعت لوگوں کی خواہش پر نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ تو اللہ جل جلالہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ لَا يَتَفَعَّلُونَ وَلَا لِمَنْ أَرَادُوا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر تو کسی بھی سفارش نہیں کر سکتا۔ تم کس زعم میں مبتلا ہو۔ یہ عقیہ کہ خدا ضرور ہماری سفارش کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہی قبول فرمائے گا۔ یہ تو یہودیوں والا عقیہ ہے محض میلاد منقہ کرنا۔ جلدوس نکال لینا یا گیارہویں مہینہ کافی سمجھ رکھا ہے۔ بس شفاعت کے حق دار ہو گئے۔ شیعوں بھی یہی کہتے ہیں حضرت حسین کا نام لے لو۔ ماتم پر پا کر لو۔ بس نخشے جاؤ گے کسی نماز روزے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے باطل عقیہات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب علم و عمل کا تعلق نبی سے کٹ جاتا ہے۔ پھر خواہشات عقیہ سے بن جاتے ہیں۔ اور ساری عمر لوگ اسی اصول کو پیٹتے بستے ہیں۔ یہ یہودیوں دسے عقائد ہیں۔ سفارش کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ خدا چاہے۔ منی ہو یا نہ منی۔ جی۔ ولی۔ جبری سفارش کریں گے۔ اور ہمیں بچالیں گے یہودیوں نے بھی یہی ٹھکر کر رکھا ہے۔ اور ہم بھی اسی راستے پر چل نکلتے ہیں۔ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے

قانون نجات

فرمایا ہے بنی اسرائیل! نجات کا قانون وہ نہیں ہے۔ جو تم نے بنا رکھا ہے۔ کہ جنت میں پہنچنے کے لیے صرف یہودی ہونا کافی ہے۔ سبکی بلکہ قانون نجات یہ ہے کہ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ جس شخص نے بھی گناہ کیا۔ اور اس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا۔ فَأُولَٰئِكَ مَتَّعْتُ الشَّارِثِي لوگ دوزخی ہیں۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ جو

بیشتر اس میں رہیں گے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہی گناہ انسان کو گھیرے گا جو سب سے بڑا ہوگا۔ اور چاروں طرف چھایا ہوگا۔ اور یہ گناہ کفر و شرک کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ آدمی بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ مگر وہ گناہوں سے گھرا ہوا نہیں ہوتا۔ جب تک کفر و شرک کا ارتکاب نہ کرے۔ قرآن پاک میں آتا ہے: **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ**۔ سب سے بڑے ظالم کافر ہیں۔ نیز فرمایا: **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ**۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ**۔ شرک کے لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ **وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف فرمائے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ کے بھی کسی کو معاف فرمائے۔ وہ مالک ہے مگر شرک اور کفر جیسے عظیم گناہوں کو معاف نہیں کریگا۔ یہ اس کا اہل فیصلہ ہے۔ ہاں اگر سزا موت طاری ہونے سے پہلے پستے اُس نے توبہ کر لی۔ تو وہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہے۔ جب تک کسی پر موت کے آثار ظاہر نہ ہو جائیں۔ فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْغَائِبِ مَا لَمْ يُعْزِزْهُ**۔ انسان کی توبہ غرضہ طاری ہونے سے پہلے مقبول ہے اس کے بعد نہیں۔

کافر و شرک
داعی حسنی ہیں

اسی لیے فرمایا: **وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَحَبْلِكَتِهِ وَكُتَيْبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ**۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا **فَقَدْ ضَلَّ صُلَاً**۔ کھینچا۔ ایسا شخص گمراہ ہو کر دوڑ جا پڑا۔ اور ابدی حسنی ہے اس کے لیے دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ ایسے شخص کی مثال ہے۔ جسے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ کلمہ ٹھلا کر پھاڑا رہا۔ البتہ ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر اور دوسری چیزوں پر ایمان لائے۔ اور ساتھ ساتھ شرک کا ارتکاب بھی کرتا جائے۔ یعنی اُس نے اپنے ایمان کو ٹھکڑا کر دیا ہے۔ اور اپنے ایمان کو خراب کر دیا ہے۔ قرآن پاک نے اس معنوں کو بڑی تاکید کے ساتھ

بیان کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام منادی کرتے تھے۔ اے لوگو! خوب اچھی طرح سن لو۔ اَعْبُدُوْهُ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اللّٰهَ تَعَالٰی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی رب ہے۔ اپنی حاجتوں میں غیر اللہ کو مت پکارو، اور نہ ان کی ایسی تعظیم کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کو نہاد ہے۔ ورنہ شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور نجات سے محروم ہو جاؤ گے۔ اِنَّهُ مِنْ يُّشْرِكُ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَذَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے۔ وَمَا وَدَّ لَكَ اَنْ تَكُوْنُ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا۔

اسی طرح کافروں کے متعلق فرمایا کہ ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ لَا تَقُوْمُ لَهُمْ كُتُوْبُ السَّمٰوٰتِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی يَكُوْلُوْا لِحْمَلٍ فِيْ سُوْرِ الْجَنَّةِ۔ انہیں تک کہ اونٹ سوئی کے نمک میں گزر جائے نہ دھت سوئی کے نمک میں گزرے اور نہ کفار کے لیے جنت کے دروازے کھلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنت حرام کر دی ہے۔

جس طرح کفر اور شرک عظیم گناہ میں۔ اسی طرح ایمان عظیم ترین نیکی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا اِنِّیْ اَزْعَمَ اِلَیْ اَفْضَلٍ۔ حضور! کون عمل افضل ترین ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ یہ تمام اعمال کی جڑ اور بنیاد ہے۔ سی لیے فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا حَتّٰی مَلَکَتْ اٰیْمَانُہُمْ لَیْسَ وَتَصَلُّوْا الصَّلٰتَ اور نیک اعمال کئے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ادا کیا۔ اس کے بعد جہاد اور نیکی کے دیگر کام انجام دیے۔ ان کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ۔ یہی لوگ جنت والے ہیں۔ جنت کی چابی ان کے پاس ہے۔ اور یہ کوئی عارضی مقام نہیں ہو گا، بَلْ هُمْ فِيْہَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے کبھی بھی نکالے نہیں جائیں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا قانونِ نجات ہمارے پاس ہے۔ تم کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہو۔ دنیا کی دیگر برائیوں میں غوث ہوتے ہو۔ اس کے باوجود اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہیں دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے۔ یہ باطل باطل خیال ہے۔

الہ

البقرة ۲

درس سی و پنج ۳۵

(آیت ۸۳)

وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَنَقَّبُوا لَیْلَیْنِ
 رِجْسَانًا وَذَی الْقُرْبَىٰ وَالْیَتَمَىٰ وَالْمَسْکِیْنَ وَقَوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَ
 أَقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ
 وَأنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عمل یا کرتے ہوئے
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اور ان باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور قرابت و رشتہ
 کے ساتھ، اور یتیموں کے ساتھ اور مسکین کے ساتھ، یہ کہو لوگوں کے لیے نیک بات
 اور نماز کو قائم رکھو، اور زکوٰۃ دیتے ہو، پھر چہ جگہ تے تم نے بنی اسرائیل کو بہت معذرتیں

تم میں سے اور تم اعراض کرنے والے ہو ﴿۸۳﴾

ربط آیت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی مختلف خطریاں بیان ہو رہی ہیں، پہلے وہ میں ان کے ان
 غلط عقائد کا رد تھا کہ یہودیوں اور نصاریٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جاسکتا، یہ اللہ تعالیٰ
 پر افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کوئی عہد نہیں کیا، البتہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو عہد
 بنی اسرائیل سے لیا تھا، اس کا ذکر ہے، اللہ وہ ایسا عہد تھا، جو کہ نہ صرف قرآن میں تھا، بلکہ مت و انجیل
 انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی موجود تھا اور اس کی تمام باتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت
 میں بھی آئی ہیں۔

ترجمہ کے
دو پہلو

اس آیت میں جس عہد کا ذکر ہے وہ عہد ترمیم ہے، ارتداد ہوتا ہے، رِیَاضًا تَأْخُذْنَ
 مِثْقَاتِ بَنِي إِسْرَءِيلَ اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عمل یا کرتے ہوئے
 پختہ عہد کو کئے ہیں، جو بڑا مضبوط اور پکا ہو، اور وہ عہد یہ تھا کہ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَنَقَّبُوا لَیْلَیْنِ
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، لَا تَعْبُدُونَ کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ تم عبادت نہیں کرو گے
 اور یہ خبر کی صورت ہے، مگر حقیقت میں یہ حکم ہے، یعنی لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ، اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ایسی بات کو خبر کی شکل میں ذکر کرنے کا مقصد اس میں زور پیدا کرنا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دو پہلو ہیں۔ مثبت پہلو تو پہلے گزرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے
 کہ اَعْبُدُوا رَبَّكُمْ یعنی رب کی عبادت کرو۔ اس کی توحید کو تسلیم کرو۔ وحدانیت کا دوسرا
 پہلو منفی ہے۔ یعنی لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ جہاں تک
 پہلے حصے کا تعلق ہے۔ وہ تو واضح ہے۔ اور اس میں اختلاف بھی یہ نہیں ہوتا کہ بھی پہلے رب
 کی عبادت کرو۔ مگر توحید کے دوسرے حصے میں جا کر اکثر بڑبڑیاتی ہے۔ اور لوگ شرک یا مبتدا
 ہو جاتے ہیں۔ اور یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب لوگ حقیقی رب کی عبادت کے
 ساتھ ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بائبل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی
 ہے مگر توحید کا مسئلہ آج بھی اس میں موجود ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین
 کے اوپر خدا کے غیر کی عبادت نہ کرو۔ بحدہ نہ کرو۔ صرف خداوند جو بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اس کی
 عبادت کرو۔ مقصد یہ کہ توحید ایک مسئلہ ہے۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائط میں قدر مشترک کے
 طور پر موجود ہے۔ آیت زیر در اس میں بھی یہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مختلف اوقات میں مختلف عہد لیے۔ بمجملہ ان کے تورات
 میں یہ عہد تھا۔ جسے قرآن پاک نے بیان کیا وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا ذُرِّيَّتَكُمْ
 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی اے بنی اسرائیل اس بات کو یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اور تم سے
 مردوں پر کورہ طور کو معلق کر دیا تھا۔ نیز یہ بھی کہ اخذنا مَآ أَنبِئُكُمْ بِتُورَةٍ جو کچھ ہم نے عطا کیا
 ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور اس کے مطابق عمل کرو۔

اور پھر یہ بھی لکھا تھا وَ ذُكِّرُوا مَا فِيْهِ جَوَاحِدٌ جَمْعٌ ہم نے تورات میں نازل کیا ہے اس کو یاد کرو
 تورات میں یہ عہد بھی لیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گی چھپاؤ
 کے نہیں۔ یہ لوگ اصل احکام کو چھپا بیٹھے تھے۔ اور ان کی جگہ خود ساختہ مائل لوگوں کو بٹلتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ کے حکم لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا كُنْتُمْ مُؤْمِنًا بِهِ نہ پتہ چلتا تھا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہی ہے۔

الغرض! اس مقام پر جس عہد کا ذکر ہے وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
 نہ کرنا۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنا۔ عبادت کے لیے ضروری ہے۔

ہے کہ جسکی عبارت کرتا ہے۔ اس کی صحیح پہچان بھی ہو۔ اسی لیے سب سے پہلے رب تعالیٰ کی پہچان کرانی گئی ہے: **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (۱) **الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ** (۲) **مَلِكُ يَوْمِ الدِّينِ** (۳) یہ سب اللہ تعالیٰ کی پہچانی ہی تو ہے۔ یعنی رب وہ ہے جو ان صفات کا مالک ہے: **الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ** وہی تمہارا بھی خالق ہے۔ اور تم سے پہلے آنے والے لوگوں کا بھی وہی مالک ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ علم محیط کا مالک ہے۔ اُسے فتنے فتنے کا علم ہے۔ **اِنَّهُ يَكُلُّ شَيْءٌ مَّحْصُطٌ** اُس صفت کی پہچان ہوگئی تو توحید مجہد میں آجائے گی۔ اسی طرح قادر مطلق ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** وہ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی صفت یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اُس کا وجود اپنی ذات سے ہے۔ باقی تمام چیزوں کا وجود استعار ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ وہ خالق ہے۔ کسی چیز کا حکم دینا یا کسی چیز سے منع کرنا بھی اس کی صفت ہے۔

اس کے علاوہ ان چیزوں کی پہچان بھی ضروری ہے۔ جن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ عاجزی اور جہالت سے پاک ہے۔ رافضیوں کا عقیدہ باطل ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جا بھی ہوتا ہے۔ یعنی پہلے وہ کام کر لیتا ہے۔ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یا جس طرح یہودیوں کا باطل عقیدہ ہے کہ بعض کام کر کے اللہ تعالیٰ نادم بھی ہوتا ہے۔ قرآن کے پہلے باب میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پتہ آکر کے خود پکھٹایا۔ تو ایسی یہودہ باتوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا۔ نو دستہ بھائی اس سے پہلے ان لوگوں کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا فایذا **اعوذوا باللہ** تدرجاً جب وہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح سے پہچان لیں۔ تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی **امانة**۔ **ورزق**

ذکوٰۃ اور حج وغیرہ کے احکام بتلانا کہ اس خدا تعالیٰ نے تم پر یہ فرائض عائد کیے ہیں۔ انہیں انجام دینا لازم ہے۔

والدین سے
حسن سلوک

بہر حال عہد کا پہلا حصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اس کے سوا کسی دوست نہ کی عبادت نہ کرو۔ عہد کا دوسرا حصہ فرمایا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا صرف بنی اسرائیل کی شریعت میں ہی ضروری نہیں تھا۔ بعد یہ تو شریعت محمدیہ کا بھی ایک لازمی جزو ہے: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا یعنی خدا تعالیٰ کا یہ اہل فیصلہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حق کا ذکر کیا۔ اور پھر ساری مخلوق میں والدین کو سب سے اول نمبر پر شمار کیا۔ یہ احکام تمام انبیاء علیہم السلام کے شرائع میں موجود رہے ہیں۔ توراۃ اور قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کے سلسلے میں والدین کو کیوں مقدم رکھا ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خالق اور حقیقی مربی ہے اسی طرح والدین بھی اس آدمی دنیا میں اولاد کی پرورش میں حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حق مقدم رکھا ہے۔ والدین جو احسان اولاد کے ساتھ کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی پر مہربانی فرما کر اس سے معاوضہ طلب نہیں کرتا اسی طرح والدین کے اپنی اولاد پر بے مثال احسان ہوتے ہیں۔ لہٰذا ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فوقیت دی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ماں اور باپ میں سے کون مقدم ہے۔ تو اس کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔ آپ نے فرمایا هَاتَكَ یعنی اپنی ماں کے ساتھ۔ اس شخص کے تین بار کے سوال کے جواب میں آپ نے ماں کا ذکر کیا۔ حتیٰ کہ چوتھی دفعہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا

اَبَاكَ یعنی اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ گویا خدمت کے سلسلے میں ماں کو باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی پیدائش اور پرورش میں ماں زیادہ تکلیف برداشت کرتی ہے۔ لہذا خدمت کی زیادہ عہدہ بھی دی ہے۔ قرآن پاک نے اس کے متعلق فرمایا: **حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ** یعنی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر بچے کو پیٹ میں رکھا۔ اسی لیے محدثین عظام فرماتے ہیں: اگر ماں اور باپ دونوں کو یہاں تک پوچھا جائے کہ باپ کی پادشاہی کی خدمت میں اس کا حق فائق ہے۔ مگر جہاں ادب و احترام مقصود ہوگا تو وہاں باپ مقدم ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی ایک صورت ترک ایند ہے۔ ماں باپ کو قول سے یا فعل سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ کیونکہ یہ احسان کے خلاف ہے۔ بلکہ اولاد کا فرض ہے کہ اپنے جسم اور مال کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کرے۔ اگر والدین الی طور پر ضرر مند ہیں تو ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ وہ نہ جسمانی طور پر تو لانا ان کو راحت پہنچائیں۔ مثلاً ان کی کھٹی چائی کریں۔ ان کو کھلائیں پلائیں۔ ان کو نسلانی دھلاؤں وغیرہ سے ان باپ کی فریادگی کے بعد ان کے لیے بخشش کی دعا کرنا بھی ان کی خدمت کے مترادف ہے۔ ان کے لیے استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو۔ تاکہ ان کے لیے آخرت میں راحت کا سبب بنے۔ حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے: اگر ماں باپ نے کوئی وصیت کی ہے۔ تو اولاد کو چاہیے کہ اسے پورا کریں۔ حتیٰ کہ ماں باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک بھی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سمجھا جائے گا۔

مسلم اور ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بڑا دھلا۔ آپ نے اپنا گدھا اس بڑے کو کھڑے دیا۔ آپ کے سر پر چڑھ گئی۔ وہ بھی بڑے گدھے پر کھڑی رہی۔ ساتھیوں نے عرض کیا: حضرت! آپ کے پاس یہ ایک گدھا تھا۔ جو سواری کے کام آتا تھا۔ مگر آپ نے اس کو دیاتل کو کھڑے دیا۔ دیاتل لوگ

۱۔ کرب الدردی ص ۲۱۱ ۲۔ تفسیر عزیزی غازی ص ۲۱۳

۳۔ ابو داؤد ص ۲۲۲ ۴۔ ابن ماجہ ص ۲۶ ۵۔ مسلم ص ۲۱۱ ۶۔ مجمع الفوائد ص ۱۹۹ ۷۔ بحوالہ مسلم ترمذی، ابو داؤد

تو معمولی چیز پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی قیمتی سواری تک مٹے دی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بھائی! اس کا باپ میرے والد کا دستِ چپا اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا باپ کے ساتھ نیکی میں شریک ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بعض حدود بھی متعین ہیں۔ سورۃ لقمان میں واضح ہے: **وَرَبُّكَ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تَشْرِكَ بِإِلَهِكَ بِإِلَهِكَ يَكْفُرُ لَكَ بِهِ يَلْعَنُ فَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُمَا وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا**۔ اگر ماں باپ تمہیں شرک پر آمادہ کریں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کرنی البتہ دنیا میں ان سے اچھا سلوک کرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر والدین ترکِ فرض پر مجبور کریں، تو ان کی بات نہیں ماننی چاہیئے۔ مثلاً کسی پر حج فرض ہو گیا ہے۔ مگر ماں باپ روکتے ہیں۔ تو ان کی بات کی پروا نہیں کی جائے گی۔ قربانی واجب ہے۔ اگر والدین اس سے روکیں تو نہیں رکن۔ البتہ اگر سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالیں۔ تو ان کے کئے پر ایک درود فغانا لا جا سکتا ہے تاہم سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی کرنی ہوگی بغلِ عبادت کے تعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر ماں باپ روکتے ہیں۔ تو قطعی طور پر رک جاؤ۔ ماں باپ کی بات مانو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد میں جا کر نفل پڑھنا چاہتا ہے۔ اور والدین کہتے ہیں کہ ان کو تنہائی میں وحشت ہوتی ہے۔ لہذا نوافل کے لیے مسجد میں نہ جاؤ۔ تو ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔ کفر و شرک پر آمادگی تو کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہیں۔ اس کے علاوہ اگر ماں باپ بدعات پر آمادہ کریں۔ تو ان کی اطاعت نہیں کرنا ہوگی۔ مثلاً وہ کہیں کہ قبر پر بجدہ کرو۔ یا داتا صاحب بچا چڑھاؤ۔ فلاں جگہ نیانہ مٹے کر آؤ۔ تو ایسی باتوں کو نہیں ماننا۔ بلکہ ایسی چیزوں کی مخالفت ضروری ہو جاتی ہے۔ تاہم ان تمام تر حدود و حدود کے باوجود والدین سے حسن سلوک ہر حالت میں لازم ہے۔ **وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا** کو یہی مطلب ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد فرمایا **وَذِي الْقُرْبَىٰ** یعنی قرابتداروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ قرابتداروں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم محرم قرابتداروں کی ہے۔ یعنی دو قرابتدار۔

ذاتِ ان کے
محقق

جو آپس میں محرم ہوں اور جن کو آپس میں نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ مثلاً بھائی بہن چچا بھتیجی بھوچھی بھتیجی وغیرہ۔ قرابتہ اردوں کی دوسری قسم غیر محرموں کی جیسے اموں زاد، خالہ زاد، چچا زاد وغیرہ۔ فرمایا ان سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ رضاعی ماں کی خدمت کرو۔ دودھ واسے رشتہ داروں کی مال خدمت زیادہ کمزور ہے۔ ایک مالدار شخص اپنے محتاج غریزوں کی خبر گیری نہیں کرے گا۔ تو مجرم ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ** قرابتہ اردوں کو ان کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تو فیق دی ہے۔ تو ان کی امداد کرو۔ یہ ان کا حق ہے اس کے بعد فرمایا **وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ** یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کے سرپر والدین کا سایہ نہ ہو۔ اس کی پرورش کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

یتیم، مسکین
اور فقیر

کہتے ہیں کہ جانوروں میں یتیم وہ سمجھا جاتا ہے جس کی ماں موجود نہ ہو۔ باقی چیزوں میں یتیم وہ چیز ہے جس کی نظیر نہ ہو۔ اور وہ نادار چیز ہو۔ جیسے گڑ یتیم۔ نادر قسم کا عمدہ ہیشمال ہوتی۔ مسکینوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کا خرچ اس کی آمدنی سے پورا نہ ہوتا ہو۔ بیچارہ کثیر العیال، محنت، مشقت کرتا ہے مگر جو کچھ کاتا ہے۔ اس میں گزراوقات نہیں ہوتی۔ ایسا شخص بھی حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ محتاجوں میں ایک قسم فقیر کی بھی ہے۔ اور فقیر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بالکل ہی ہلکا ہوا اور جس کے پاس دو وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔ ایسا شخص بھی محتاج ہے۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لے بنی اسرائیل!** اس وقت کو یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ماں باپ کے حسن سلوک سے ہمیشہ آؤ۔ قرابتہ اردوں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

الْعَمَّ

البقرة

درس ہیڈنگ

آیت ۱۲۴

وَإِذَا خَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَمَا
 وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا
 لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
 إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿١٢٤﴾

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد کیا کہ تم اللہ تعالیٰ
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اور قرابتداروں
 کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ۔ اور لوگوں سے نیک بات
 اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر چہرے کے قدام بنی اسرائیل مٹا دیے
 تھوڑے تم میں سے۔ اور تم اعراض کرنے والے ہو ﴿۱۲۴﴾

ان آیات میں بنی اسرائیل کی خرابیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے ان کی جلد سازی
 کے ذریعے احکام شریعت سے اعراض کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی مصلحت باتوں اور انبیاء علیہم السلام
 کی ایذا رسانی کا ذکر بھی آیا ہے۔ بنی اسرائیل نے آزادی حاصل کرنے کے بعد غاۃ شریعت کا مطالبہ کیا
 تو اللہ تعالیٰ نے تورات عنایت فرمائی۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ تم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ
 نے ان سے عہد کیا تھا۔ جب انہوں نے عہد حاصل کیا۔ تو ان کے سروں پر وہ طوبیٰ کر کے انہیں
 ڈرایا گیا۔ اس عہد کی تفصیلات سورۃ اسراف میں آئی ہیں۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ یہ دوسرا عہد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تورات کے
 ذریعے بنی اسرائیل سے کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا
 کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ اور قرابتداروں یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک سے پیش
 آنا۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت!

كَثْرَةُ عَمَلٍ أَفْضَلُ زِيَادَةً مِمَّا كُنْتَ تَعْمَلُ لَوْ قُتِلْتَ
یعنی نمازیں دیتے پر ادا کرتا۔ اس شخص نے دوبارہ عرض کیا۔ حضور! اس کے بعد کون سا عمل افضل
ہے۔ تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بِشَأْنِ الْوَالِدَيْنِ یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔
کہ یہ بنیادی چیز ہے۔ اُس شخص نے دوبارہ پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔ تو آپ نے
فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔

تہذیب اخلاق

اصل بات یہ ہے کہ علم سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ تہذیب اخلاق اور اجتماعی حقوق۔
اخلاق میں آگے دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اصلاح عقیدہ اور اعمال صالحہ، جب تک عقیدہ کی
اصلاح نہیں ہوگی کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوگا۔ لہذا سب سے پہلے اصلاح عقیدہ ضروری ہے۔ اور
اس میں بنیادی چیز توحید ہے۔ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ لَا تَقْبُلُوا دِينَ إِلَّا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى
کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو۔ جب عقیدہ درست ہو جائے تو پھر اعمال صالحہ بھی مقبول ہوں گے۔
تہذیب اخلاق کا دوسرا جزو اجتماعی حقوق ہیں۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور اس میں
والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت حاصل ہے۔ ماں باپ کو پنے بچوں کی اچھی تربیت کا صلہ
منا چاہیے۔ اولاد کی پرورش کے لیے والدین کو بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس کی کفالت
یہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ قرآن پاک کی بیشتر سورتوں میں والدین کے ساتھ
حسن سلوک کے احکام موجود ہیں۔

اجتماعی حقوق میں قربتداروں کا حق بھی ہے۔ اس کے بعد یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ
حسن سلوک کی ہدایت ہے۔ یہ لوگ اپنے گھر کے مومن، ملکی محلے یا شہر یا ملک کے۔ سب کے سب
اجتماعی حقوق میں آتے ہیں۔ چونکہ یہ بھی انسان کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ اس لیے اجتماعی طور
پر اس کا بدلہ دینا بھی ضروری ہے۔ اس کو عدل کہتے ہیں۔ عدل اور احسان لغوی کے دراجزا ہیں
لہذا یہ سب چیزیں تہذیب اخلاق میں آجاتی ہیں۔ یہ ایک بنیادی تعلیم ہے۔ جو محض بنی اسرائیل
کے لیے خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہماری امت کے لیے بھی یکساں طور پر قابل عمل ہے۔

حسن کلام

الغرض! آیت ذیل میں کے پہلے حصے کی تشریح گزشتہ درس میں پیش کر دی گئی جس میں
دو چیزوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ والدین، قربتداروں

یقینوں و یسینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اُن آیت کے دوسرے حصہ کا ذکر ہے۔ **وَقُولُوا**
لِلنَّاسِ حَسَنًا اور کہو لوگوں کے لیے اچھی بات، مفسرین کرام فرماتے ہیں: کہ کوئی فرد و امہ عام
 لوگوں کے ساتھ نہ بدنی نیکی کر سکتا ہے۔ اور نہ مالی نیکی کر سکتا ہے۔ ایسے افعال و دعوے لوگوں کے
 ساتھ ہی انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً والدین کی خدمت، مالی اور بدنی دونوں طریقوں سے کر سکتا ہے۔
 اس طرح قربتہاروں اور دوستوں کی مالی اعانت کر سکتا ہے۔ مگر یہ دونوں چیزیں عوام اناس کے
 لیے انجام دنیا ممکن نہیں ہوتے۔ چنانچہ اجتماعی نیکی حاصل کرنے کے لیے **قُولُوا لِلنَّاسِ حَسَنًا**
 کا حکم دیا۔ کہ اگر تم بدنی اور مالی خدمت نہیں کر سکتے۔ تو عام لوگوں کو اچھی بات ہی کہہ دو۔

اچھی بات کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: جب آپس میں
 جھگڑا ہو۔ تو ایک دوسرے کو سلام کرو۔ اور پھر اچھا کمان دو ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔ **عَلَى**
مَنْ عَرَفَتْ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ جس کو پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کرو۔ اور جس کو نہیں پہچانتے
 اس کو بھی سلام کرو۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایتوں میں آتا ہے۔ کہ سلام جو ہے۔ یہ مِنْ
خَيْرِ خَصَالٍ اَوْ يُعَايَنُ اَوْ قَالَ اِسْتَدْرَأَ اِيْمَانُ کی بہترین خصلتوں میں سے ہے۔ یا فرمایا اسلام
 کی بہترین خصلتوں میں سے۔ سلام کرنے کی حکمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ ایسا
 کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں مقام عطا کرے گا
 جب کوئی سلام کرے تو اس کو اچھے طریقے سے جواب دو۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ **رُدُّوْهُ**
 سلام کا جواب ایسے ہی لوٹا دو یا اُس سے بہتر لوٹاؤ۔ فرمایا **اِرْأَيْتُمْ شَخْصًا تَمِيں السَّلَامُ عَلَيْكُمْ**
 کہتا ہے۔ تو تم سے ستر لوٹاؤ اور کو **وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ** صرف
السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے والے کو دس نیکیاں ملیں گی اور **وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ**
وَبَرَكَاتُهُ کہنے والے کو تیس نیکیاں حاصل ہوں گی۔

کسی کی نیکی کی طرف راہنمائی کرنا اور بڑائی سے روکنا یہ بھی حسن کلام میں داخل ہے جب

۱۔ تفسیر غزالی غازی ص ۳۱۱ پر ۲۔ ترمذی ص ۲۸۵ ۳۔ ابو داؤد ص ۲۸۵ ۴۔ منہ احمد ص ۱۶۸ ۵۔ بخاری ص ۹۲ ۶۔ مسلم ص ۳۸

۷۔ بخاری ص ۹۲ ۸۔ مسلم ص ۳۸ ۹۔ ترمذی ص ۳۸۵ ۱۰۔ ابو داؤد ص ۲۵۰

دو ٹھکان آپس میں تو نرمی کے ساتھ نیکی کی دعوت دیں۔ آپس میں دوستی کا اظہار کریں۔ اور ایک کی خیر و مافیت دریافت کریں۔ جب ایک مسلمان دوسرے کو پکارتے، تو اچھے لقب سے پکارے قرآن پاک میں موجود ہے: وَلَا تَسْمُرُوا بِاللَّعَابِ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے مت پکارو۔ یہ سب باتیں قول اللہ میں حُسنِ داخل میں۔

اسی طرح فرمایا کسی غیر حاضر بھائی کا ذکر کر دو تو اچھے طریقے سے کرو۔ اس کو برائی کیساتھ یاد نہ کرو۔ اگر کوئی مسلمان تم سے مشورہ طلب کرے۔ تو اس کو صحیح صحیح مشورہ دو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے: الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ جس سے مشورہ طلب کیا جائے اُسے امین سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ غلط مشورہ دے گا۔ تو خائن متصور ہو گا۔ اگر کسی کو دیکھو کہ وہ نادانستہ طور پر شکرات میں پڑا ہوا ہے۔ تو اُسے حُسنِ اخلاق کے ساتھ روکنے کی کوشش کرو۔ مگر اس سلسلے میں سختی نہیں کرنی چاہیے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سختی اور نرمی دونوں پُنے پُنے مقام پر روا ہیں تبلیغ و تعلیم کرتے وقت ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیجئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا۔ تو فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا اس سے نرم بھیجے میں بات کرنا۔ لَعَلَّهُ يَاسْتَذِکُّرًا اور بخشنے والا کہ وہ نصیحت پکڑے یا اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو جائے۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک نے بیان کیا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لَئِن لَّبِثْتَ لَبِثْتَ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نرم مزاجی میں رہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا لَّيْلَطَ الْقَلْبُ اگر آپ سخت مزاج ہوتے تو لافضول ہوں۔ حَوْلَيْتُ لو لوگ آپ کے ارد گرد سے پھر جاتے۔ کیونکہ سخت مزاج شخص سے لوگ دور رہنا پسند کرتے ہیں مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آپ کو نرم مزاج بنایا۔ آپ کو حُسنِ کلام کی توفیق بخشی اور اس طرح لوگوں کو آپ کے گرد جمع کیا۔

جب کسی کے ساتھ بحث و تمیص کی نوبت آجائے۔ تو فرمایا: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ حُسنِ تو اپنے طریقے سے دفاع کرو۔ مناظرے کے وقت بھی اخلاق کا دامن نہ چھوڑو۔ اخلاق سے کڑی

ہوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ نہ ہی کالی کھوج تیسرے نوبت پہنچی چاہیے۔ بلکہ نہایت احسن طریقے سے گفتگو ہونی چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد کرامی ملے مَا دَخَلَ الرَّفِيقُ فِي مُشَىءٍ إِلَّا دَانَهُ جِسْمُ جِزْرِ نَزَمِي آمَبَسَ لِي. دوسرے زینت نختے کی۔ "جس چیز میں شق آئے گی۔ وہ سب سے غیب وار کر دیگی۔ (مَا دَخَلَ الْحَرَقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ)

فرمایا سر جگہ نرمی سے ہر نہیں چلے گا۔ بلکہ بعض مقامات پر سختی کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے طور پر منظر مطلوب ہو یا جہاد میں کفار سے مقابلہ ہو تو دہاں پر سختی کرنا پڑے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ آپ کافروں کے ساتھ جہاد کریں۔ وَخُلُوفٌ عَلَيْهِمْ اور ان پر سختی کریں۔ کفار کے ساتھ جہاد ظوار سے نہ یہ ہوگا اور منافقوں کے ساتھ نہ انی طور پر۔ یعنی ان کے نفاق کو کھول کر بیان کریں تاکہ دوسرے مسلمان ان سے بچ سکیں۔ یہ دروں طریقے سختی کے ہیں۔

بیاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نرمی ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت کی حدود کا بھی خیال رکھا جائے۔ نرمی بھی اس وقت تک ہی گوارا ہے جب تک شریعت کی حدود کے اندر ہو۔ اگر ایسی نرمی برتنے سے شریعت کے اتباع میں فرق آتا ہو۔ تو ایسی نرمی جائز نہیں۔ اگر ایسا کرنے تک جائیں گے۔ تو شریعت کے احکام پر عمل ناممکن ہو جائے گا۔ ایسی نرمی جس سے دین میں مہنت پیدا ہوتی ہو تو وہ حرام ہے

ام محمد باقرؑ قَوْلُكَ اللَّهُ اس حُسنًا کا معنی یہ کہتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی اچھی بات کہو۔ جو تمہیں خود بھی پسند ہے۔ جو خود اپنے نہیں کرتے وہ بات دوسروں کو کیوں کہتے ہو۔ فہمے ہیں کہ اچھی بات میں دعوت الی اللہ۔ دعوت الی التوحید۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد الہی ہے: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ خود نیک عمل کرتا ہے اور زبان سے یوں کہتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ گویا یہ سب باتیں ہی کو فرمایا: قُولُوا لِلّٰہِ حُسْنًا
 جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں مجنّد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں
 دیا تو فرمایا: قُولُوا لِلّٰہِ لَآ اَنْ یَّہْدِیَ اللّٰہُ بَیْنَ رَجُلًا وَاحِدًا خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ
 خُمْرُ النَّعَسِ۔ یعنی اے علی! اگر تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے
 تو یہ بات تمہارے لیے عمدہ قسم کے اونٹوں سے بہتر ہے۔ مقصد یہ کہ لڑائی اصل مقصود نہیں بلکہ
 اس کے ذریعے اسلام کے راستے میں روپیش رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ یعنی "وَقَتْلُوهُمْ
 حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِیْہُمْ فِتْنَةٌ" تمہارے اس وقت تک جنگ کرو جب تک تمام فتنے فتنہ زبرجائے
 گویا لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا بھی قُولُوا لِلّٰہِ حُسْنًا میں داخل ہے۔

نماز اور زکوٰۃ

بنی اسرائیل کے عمدہ کاموں میں نماز اور زکوٰۃ قِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَتِلُوا الزَّکٰوۃَ میں
 نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ نماز بنی عبادت ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نماز اُقر العبادات
 تُعْقِرُ بَیْئَہُ ہے۔ یعنی جو عبادات انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب تر کرنے والی ہیں، ان
 کی بنیاد اور جڑ نماز ہے۔ نماز کے ذریعے تعلق باللہ استوار ہوتا ہے۔ انسان دن میں پانچ مرتبہ اپنا
 تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ نماز کو قائم کرو اس میں کوتاہی نہیں لی جائے
 مالی عبادتوں میں زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں پاکیزگی اور عبادت کا مفہوم
 پایا جاتا ہے۔ زکوٰۃ بخل کو دور کر کے غریب اور مسکین سے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ جو کہ
 تہذیب اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت قرآن پاک کی اس آیت
 سے واضح ہوتی ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی تم اُس
 وقت تک نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔ اور یہ مقصد زکوٰۃ سے
 بھی حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مال کمانے اور اس کے خرچ کرنے میں حلال و حرام کی تمیز رہا
 رکھی جائے۔ اگر یہ تمیز اٹھ جائے تو روحانیت کیسے اُٹے گی۔ ہمارے ملک میں سارا معاشی نظام
 سرمایہ دارانہ ہے۔ جس میں سود کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سود کی موجودگی میں تقویٰ کیسے حاصل

ہوگا۔ اور پاکیزگی کیسے پیدا ہوگی۔

دوسری طرف کفر والحا ہے جس کی بنیاد انحراف پر ہے۔ ہر دو نظم ہائے معاش کا مقصد حصول دولت، عیاشی اور فحاشی ہے۔ سب کی سوچی دنیائے مہرہ ہے۔ مسفت و حضرت بائش اور ٹیکنالوجی غرض ہادی ترقی منتہی مقصود ہے۔ لہذا انیس انیسیت کی ترقی کا کوئی علم نہیں کہ وہ کیسے حاصل کی جاسکتی ہے جس پر آئندہ اور دائمی زندگی کا دار و مدار ہے۔

بہر حال یہاں پر نماز اور زکوٰۃ دونوں عبادت کا ذکر ہے۔ ایک جسمانی عبادت ہے اور دوسری مادی عبادت۔ قرآن پاک میں ان دونوں کا اکٹھا ذکر نہیں ملتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی تاکید تھی کہ ہر حالت میں نماز پڑھو اور اگر مال نصب تک پہنچ جائے۔ تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرو۔ نماز کی اس قدر تاکید ہے کہ کسی حالت میں بھی محاف نہیں ہے۔ "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَاجًا" اور "کِنَانًا" پس اگر کسی قسم کا خوف ہو تو بھی نماز محاف نہیں ہے۔ تم پیدل ہو یا سواری پر ہو۔ نماز بہر حال پڑھنی پڑے گی۔ سورہ مدہ میں بنی اسرائیل سے یہی فرمایا "لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَهَرَزْتُمُوهُمْ" یعنی اگر تم نماز قائم کرتے رہو گے، زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے۔ اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔ تو میری مہربانیاں تمہارے شامل حال رہیں گی مگر بنی اسرائیل نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی۔ بکہ "فَلَمَّا كَذَبْتُمْ نُفُوسَ بَنِي إِسْرَءِيلَ" اتم پھر گئے اور قلیلہ منکم مگر تم میں سے بہت ٹھوٹے ایسے تھے جو اس علم پر قائم ہے۔ "وَأَنْتُمْ قَعْرِضُونَ" اور تم اعراض کرنے لگے ہو۔ تم نے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے اسر ض کیا۔ اور آج بھی ایسا ہی کر رہے ہو۔ تمہیں علم نہیں کہ اس کا نتیجہ کتنا برا نکلتے گا۔ اور تم را حشر کن بہر تانک ہوگا۔

وَلَا تَأْخُذْ بَاِمْثَالِكُمْ لَا تَنْفِكُونَ بِمَاءِكُمْ وَلَا تَخْرِجُونَ
 اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرُرْكُمْ وَاَنْتُمْ تَتُهَدُّونَ
 ۸۶ ثُمَّ اَنْتُمْ مَوْلَا، تَقْتُلُونَ اَنْفُسَكُمْ وَتُحِبُّونَ
 فِرْيَتَ مَنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
 وَالْعُدْوَانِ رَاٰنِ يَاۤلُوْكُمْ اُسْرٰى تَقْدُوْهُمْ وَهُمْ مُحَرَّمٌ
 عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ
 بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ
 فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ
 وَمَا لِلّٰهِ بِمَنَافِلِ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۸۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَدَّ
 الْحَيْنُ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
 وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ۸۸

ج

تس جبرہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو، جب ہم نے تم سے پختہ عمل لیا تھا، کہ آپس
 میں خونریزی نہ کر دے گے۔ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے شروں سے نکال دے۔ پھر تم
 نے اقرار کیا۔ اور تم میں یہ گواہ ہو ۸۶ پھر تم وہی ہو، جو ایک دوسرے
 کو قتل کرتے ہو، اور نکالتے ہو تم ان کو وطنوں سے، تم چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور
 زیادتی کے ساتھ، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں، تو نہ یہ دیکھو ان کو پھر لیتے
 ہو، حالانکہ ان کا ملنا بھی تم پر حرام ہے، کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے
 ہو، اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو، پس جو کوئی ایسا کرتا ہے تم میں سے، تو
 اس کا بدلہ سوائے اس کے نہیں ہے، کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں سوائی ہے
 اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف روانے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان باتوں

سے بے خبر نہیں ہے۔ جو تم کرتے ہو (۸۵) یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ پس ان سے عذاب بٹانیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی (۸۶)

بنی اسرائیل کی غمہ شکنیوں کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پیشتر اس عہد کا بیان ہو چکا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی حقوق اور انسانی حقوق سے متعلق بنی اسرائیل سے بذریعہ توراۃ لیا تھا۔ مگر انہوں نے اس عہد کو پورا بھی نہ کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پھر چند آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے۔ اور تم تو اس احسن کرنے والے ہی ہو

خون ناحق اور جلا وطنی بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ ان دو باتوں سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توراۃ میں عہد لیا تھا۔ کہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ مگر یہ قوم اس عہد پر بھی قائم نہ رہی۔ ارشاد ہوتا ہے فَہَا خَذْنَا مِيثَاقًا کہ جب ہم نے تم سے پیمانہ عہد لیا لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَ كُومٍ کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے۔ یعنی اپنے ہی بھائی بندوں اور اپنے ہم مذہب اور اپنی ہی ملت والوں کا قتل ناحق نہیں کرو گے۔ جس طرح یہ حکم آج تک بائبل میں موجود ہے۔ یہی حکم قرآن پاک میں موجود ہے۔ آگے سورۃ نساء سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ فرقان میں آئے گا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ یہ قطعاً حرام ہے اور اکبر الکبار یعنی سب سے بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

توراۃ میں دوسرا حکم یہ تھا وَلَا تَحْبِرْ جُورَ الْفَاسِقِ كَمَا قَرَدِيَارِ كُومٍ یعنی تم اپنے ہم سنگ لوگوں کو ان کے گھروں سے نہیں نکالو گے۔ مگر تم نے اس عہد کا بھی پاس نہ کیا۔ فرمایا أَقْرَبُ قَوْمٍ یہ الفاظ توراۃ میں موجود ہیں کہ اے بنی اسرائیل! تم نے اقرار کیا کہ دمدہ کو ایذا کریں گے۔ اور توراۃ کے حکم کی پابندی کریں گے۔ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ اور تم خود اس بات کے گواہ ہو کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ تم اپنے بھائیو کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ ہی انہیں جلا وطن کر دو گے۔

بنی اسرائیل نے ارشاد فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم ان تمام تردیدوں کے باوجود أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ الْفُوسِقَ تم میں ہی ہوا جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو

ناحق خون بہاتے ہو۔ وَتَحْرِجُوْنَ فَبَرِّئْنَا مِنْكَ فَمِنْ دِيَارِهِمْ اَوَّلَ اَیْمٍ مَّرُوْهُ كُوْنِ كَے
 گھروں سے بھی نکالتے ہو۔ یہی نہیں بلکہ ظہر و کف علیہم بِالْاَشْمِ وَالْعُدُوْا اِنْ تَمَّ
 پھر چڑھائی کرتے ہو گناہ اور تعدی کے ساتھ کسی پر حملہ کرنا انہیں جالی اور مال نقصان پہنچانا گناہ بھی
 ہے۔ اور مظلوموں کے ساتھ زیادتی بھی سب۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے گناہ کے مرتکب
 ہوئے۔ اور خلق خدا کے حقوق ضائع کر کے زیادتی کا ارتکاب کیا۔ یہ ائمہ اور ان میں آتا ہے۔

فرمایا تمہاری عجیب ذہنیت ہے کہ جن لوگوں کو تم جلا وطن کرتے ہو اِنْ یَّا تَوُکُّوْ
 اُسٹوی حب یہی لوگ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں فَتَدُوْهُمْ تَمَّ اَنْیَسَ فَدِیہ دیکر
 چھڑا دیتے ہو۔ پہلے خود ہی انہیں گھروں سے نکال کر اور پھر ان کا معاوضہ دیکر انہیں واپس لیا۔
 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ مُحَرَّرٌ عَلَیْكُمْ اَخْرَاجُهُمْ اِنْ کَا جَلَا وِطْنِ کَرْنَا بِی تَمَّ بِحُرْمِ
 تھا تمہیں ایسا کام کرنا ہی نہ چاہیے تھا جس کی وجہ سے تمہیں فدیہ کا مالی بوجھ بھی برداشت کرنا پڑا۔
 دراصل بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے نہیں
 قیدیوں کی رہائی کی قطعیت کی تھی۔ اور یہ اچھی بات تھی مگر جہاں یہ لوگ اس حکم پر عمل کرتے تھے وہاں
 دوسرے در احکم یعنی قتل ناحق اور جلا وطنی کے معاملہ میں عمل نہیں کرتے تھے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ
 نے ارشاد فرمایا اَفْتَوْهُمُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِہٖ کَیَا تَمَّ کِتٰبِ کَے
 بعض احکم پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو!

فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرتے ہیں کہ جس حصے پر چاہا عمل
 کر لیا۔ اور جس کو چاہا چھوڑ دیا۔ فَمَا جَزَاءُ مَنْ یَفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ تَمَّ مِّنْ سَیِّئِ
 کرنے والوں کا جزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اِنْ اَخْرَجْتُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی اُنْکِ
 جزا ذلت ہوگی۔ وَلَیُّوْهُنَّ نٰفِیْحَةٌ یُّرْدُوْنَ اِلَیْہِ اَشَدَّ الْعَذَابِ اِنَّ قِیَامَتِ کَے
 روز سخت عذاب کی طرف لوٹے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا
 ہی ہوا۔ یہود۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور خیبر واسے سب ذیل و غار ہو کر مغلوب ہوئے۔ بنو قریظہ
 سخت سازشی قسم کے لوگ تھے۔ ان کا شر بہت بُرا ہوا۔ بعض قتل ہوئے اور بعض کو جلا وطن کیا
 گیا۔ اسی طرح قبیلہ بنو قینقاع والوں نے بھی ذلت و رسوائی کا منہ دیکھا۔ اس کا ذکر سورۃ حشر میں

تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ یہ تو ان کی زندگی میں عذاب ہوا، فرمایا آخرت کا عذاب تو سخت ترین ہو گا۔ اور یہ لوگ اس میں بھی مبتلا ہو گئے۔

یہودیوں کی
بامی لڑائیاں

ان آیات میں یہودیوں کی جس بامی جنگ و جدل اور جلا وطنی کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ الحدیث حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ جو اکثر آپس میں دستہ گردیاں بستے تھے۔ ان کی آبادی ہزاروں کی تعداد میں پہنچی تھی۔ جب مدینہ میں اسلام کی شمع روشن ہوئی تو انصار مدینہ کی اکثریت بھی انہیں دو قبائل میں سے تھی۔ اب بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حامی تھے۔ اور بنو نضیر قبیلہ خزرج کے طرفدار تھے۔ گویا یہودی اس طریقے سے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان میں اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جب ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آتا، تو وہ مغلوب کو جلا وطن کر دیتا یا ان کو قتل کر دیتا اور ان کے مکانوں کو گرا دیتا۔ یہ سب مجہذب تھے۔ مگر دوسرے قبیلے کے ساتھ فتنہ بونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے بانی دشمن تھے۔ پھر یہی لوگ جنہوں نے انہیں جلا وطن کیا تھا، الگ کٹھاکرتے اور ان کا معاوضہ ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلاتے۔ یہ لوگ قیدی کو چھڑانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مگر کشت و خون اور جلا وطنی کے احکام کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مفسرین کرام مشرکین کی ایک دوسری لڑائی کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ جسے حرب بعاث کہا جاتا ہے۔ یہ لڑائی چالیس سال تک جاری رہی۔ اس لڑائی میں بھی یہودی مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ ایک فرقہ جنگ کے ساتھ تھا۔ جب کہ دوسرا قبیلہ دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس جنگ میں بھی یہودیوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ اگر کوئی مجہذب بھی سامنے آگیا تو اسے بھی مار ڈالتے تھے۔

امام ابن کثیرؒ نے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مکہ ایران کی طرف کسی جہاد میں مصروف تھے۔ اسلامی فوج میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی شامل تھے۔ جو ایک یہودی عالم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مشرف کیا تھا۔ جب جہاد میں کمانوں

کو فتح حاصل ہوئی۔ نوبت سے قیدی بھی ہاتھ آئے۔ جن میں دو یودی بھی شامل تھے۔ جو کہ مجوسیوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں ایک یودی عورت لڑائی میں گرفتار ہوئی۔ جسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فوراً وہ ہم میں خرید لیا۔ جب آپؐ کو فریادیں واپس آئے۔ تو وہاں کے ایک مشہور و معروف یودی اس الجالوت سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے یودی کو وہ لڑائی فرحت کرنے کی پیشکش کی۔ وہ رضامند ہو گیا۔ اور قیمت دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اسے فوراً ہم میں خرید لیا ہے۔ مگر اب میں چار ہزار دینار سے کم پر نہیں دوں گا۔ پہلے تو اس الجالوت اتنی بڑی رقم لینے پر تیار نہ ہوا۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کے کان میں توراۃ کی وہی آیت پڑھی **وَإِنْ يَأْتِوكُمُ اسْرٰی تَعْلَمُوْنَ اَنَّہُمْ عَمِلُوْا سَیِّئًا** کوئی ہم مسلک قیدی بن کر آئے تو اسے چھڑاؤ۔ یہ سن کر یودی مجبور ہو گیا۔ اور اس نے چار ہزار کے بدلے میں ہی خریدنا منظور کر لیا۔ مگر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے دو ہزار دینار سے لے کر باقی دو ہزار واپس کر دیے۔ اور اس طرح لڑائی اس کے پاس فرحت کر۔ ن۔ معتقد کہ یودی قیدیوں کو چھڑانے والے حکم پر سختی سے کاربند تھے۔ اگرچہ در سکر احکام کی پروا نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کی
حالتِ ذل

یودیوں کے جزوی ایمان کا جو نقشہ قرآن پاکؐ نے ان آیات میں کھینچا ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو آج کل مسلمانوں کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے۔ کہ قرآن پاکؐ کے کسی حصہ پر میان لاتے ہیں۔ اور بعض احکام کو نہیں مانتے۔ اسی لیے تو دنیا میں رسوا ہوئے ہیں۔ غلامی سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے تہذیبِ مٹ جانے ہے۔ دیکھیے کابل والوں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ افغانستان پر غیر کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہی حال اس سے پہلے کم قند اور بنگا کو راقی فلسطین میں کیا سو رہا ہے۔ بکالیوں کو کون سی عزت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ سب ذلت و سوانح ہیں تو اور کیا ہے۔

وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے بھی یودیوں کا طریقہ اختیار کیا۔ جو حکم ان کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ معاملہ نکاح و طلاق کا ہو یا کسی نوعیت کا ہو۔ اپنی مرضی کے مطابق عمل کر لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے قانون کی پروا نہیں کرتے۔ حال احسان اور تقویٰ کو فراموش کر دیا ہے۔

محض نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو شرابیوں سے مختلف نہیں ہے۔
 جب انگریزوں نے ہندوستان میں تسلط قائم کیا، تو انہوں نے مسلمانوں سے بھی پوچھا تھا کہ
 تم اپنے ذاتی معاملات میں شرعی قوانین کا اطلاق چاہو گے۔ یا مقامی رواج کے مطابق اپنے مسائل کا حل
 کرنا چاہو گے؟ یہی مسلمان ہیں جنہوں نے لکھ کر دے دیا تھا کہ ہمیں شریعت کا قانون وراثت منظور نہیں
 ہے۔ ہمارا فیصلہ رواج کے مطابق کیا جائے۔ حالت آج بھی یہی ہے۔ دعویٰ یہی ہے کہ بسم
 قرآن و حدیث کو برحق مانتے ہیں۔ مگر ان کے احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ عبادت
 تو تھوڑی بہت کر لیتے ہیں۔ مگر تعزیرات کے قانون پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ جہاد جیسی اہم
 چیز کو نہیں اپناتے۔ جس کے لیے قرآن و حدیث کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ حقیقت
 یہ ہے کہ اس معاملہ میں یہودی اور مسلمان برابر ہیں۔ نہ ان کا اپنی شریعت پر عمل ہے۔ اور نہ مسلمانوں
 کو احکام کا پاس ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دروغی کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے اور کیا ہو گا۔
 فرمایا وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس سے
 غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ وہ تمہارے دلوں میں مخفی
 ارادوں تک سے واقف ہے۔ پس یہ وہ اسی کے مطابق جزائے گا۔ جب خدا تعالیٰ کی
 گرفت آئے گی۔ تو سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ
 الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ سِوِی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ان کرتوتوں کی وجہ سے آخرت کی دائمی زندگی کے
 بدلے دنیا کی عارضی اور حقیر زندگی کو خرید لیا ہے۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہو گا کہ جب وہ عذاب میں
 جکڑے جائیں گے فَلَا يَخَفُّ عَنْهُمْ الْعَذَابُ تو پھر ان کے عذاب میں تخفیف
 بھی نہیں ہو گی وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ ہی کسی طرف سے انہیں امداد پہنچ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ
 عالم غیب ہے

الْعَم

درستی و درشتی

بقرة ۲

(آیت ۹۰-۸۸)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَعَلْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا
 عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ
 رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا كَذِبُكُمْ
 وَفَرِقْنَا تَقْتُلُونَ ۝ (۸۸) وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ أَبَلْ لَهُمُ اللَّهُ
 بِكَفٍّ هُمْ تَقْلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۸۹) وَلَمَّا جَاءَهُمْ
 كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
 يَسْتَفْهِتُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ هُمْ مَعَرَفُوا
 كَذَّبُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۹۰) بِئْسَ مَا شَرُّ مَا بِهِ
 أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَعِثْنَا أَنْ يُنْزَلَ اللَّهُ
 مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى
 غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (۹۱)

ترجمہ: اور اب اسے تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ اور ہم نے ان کے
 پیچھے بہت سے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو حینات و واضح اور کھلی باتیں
 دیں۔ اور ہم نے ان کو پاک روح کے ساتھ تائید کی۔ کیا جب بھی تمہارے پاس رسول
 کوئی ایسی چیز لے کر آیا، جسے تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے۔ تو تم نے ٹھکر لیا پس
 ایک فرقہ کو تمہارے بھلا دیا، اور ایک کو قتل کر دیا ۝ (۸۸) اور انہوں نے کہا، ہمارے
 دل غلافوں میں ہیں۔ ہمیں اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ان کے کفر کی وجہ سے
 پس بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں ۝ (۸۹) اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ
 کی کتاب آئی، اس چیز کی تصدیق کرنے والی، جو ان کے پاس ہے۔ اور اس سے
 پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ اور جب ان کے پاس وہ چیز آئی، جسے

وَتَسْمِعًا عَلِيًّا ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَاتِ اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں عطا
کیں۔ اور ان سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کئے۔ اور جو قرآن پاک میں مذکور
ہیں مثلاً مڑوں کو زندہ کرنا، کوڑی کو تہہ بست کر دینا، اور مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور
اُسے ہوائیں اڑا دینا، وغیرہ وغیرہ۔ قیامت سے احکام اور دلائل بھی مراد لیا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ
نے نہت عیسیٰ علیہ السلام کو کام میں دیے تھے اور دلائل بھی دیے تھے۔

عیسیٰ خبری زبان کا لفظ ہے۔ عیسیٰ۔ یسوع یا یسوع کا معنی مبارک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی والدہ کا نام مریم بنی اللہ عنہا تھا۔ آپ کی نالی نے تدریجاً یہی ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے بٹا عطا
کر لیا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کر دیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اُس نے
بیٹے کی بجائے بیٹی عطا کی۔ آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں بیٹی
عطا کی ہے۔ ہم نے اُسے بہت برگزیدہ اور پاکیزہ بنادیا ہے۔ بیٹا اس کی برابری نہیں کر سکتا۔
حضرت مریمؑ کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے: **يٰۤاَيُّهَا مَرْيَمُ
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ** یعنی اے
مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا۔ اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔
یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن پاک میں جہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوگا۔ عموماً عیسیٰ ابن
مریم کا نام ہوگا۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ آپ کے خواری بھی آپ کو عیسیٰ ابن مریم کے
نام سے جانتے تھے، اور اسی نام سے خطاب کرتے تھے۔ وہ ابن اللہ کے نام سے یاد نہیں
کرتے۔ نہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا تصور کرتے تھے۔ بلکہ یہ غلط عقیدہ تو بعد میں ایک
عیسائی پادری پولس کا پیدا کر دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود خدا، خدا کے بیٹے یا تینوں
میں سے تیسرے ہیں۔ یہ بالکل کفریہ عقیدہ ہے۔

روح القدس

فرمایا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں عنایت کیں۔ اور اس کے ساتھ
وَاٰتَيْنَاهُ الْبُحْرٰی الْاَمْنٰی اس کو تائیہ ہم نے پاک روح سے کی۔ مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یعنی ہم نے جبرائیلؑ کے ذریعے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ اس بات کی تائیہ قرآن پاک کے دوسرے مقام پر بھی ملتی ہے۔

ذکر تاسہ۔ جنہیں اسرائیلیوں نے قتل کیا۔ کیونکہ وہ ان کی مرضی کے خلاف اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے تھے۔ جو بنی اسرائیل کے نواقض نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک دُکِ غفائی خواہشات کی اتباع اور عذائی قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں گے، انہیں علاجِ نسیب نہیں ہو سکتی۔ الغرض! اسرائیلیوں میں یہ دو بیماریاں یعنی اتباعِ خواہشات اور تکبرِ دلی باقی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے بعض نبیوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

یہودیوں کا
ذمہ باطل

یہودیوں کو ایک اور غلط ذمہ تھا۔ کہ وہ صاحبِ علم ہیں۔ ان پر کسی بیرونی تبلیغ کا اثر نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں ان کا دعوئے تھا وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں۔ یہ ان کی خود ساختہ نشی عتیٰ کہ صاحبِ کتاب ہونے کی وجہ سے وہ ہر قسم کے اثرات سے محفوظ ہیں۔ لہذا وہ اپنے دین پر پختہ ہیں۔ اس میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ کہ جس طرح غلاف میں بند کوئی چیز بیرونی اثرات اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے دل بھی غلاف میں بند ہیں۔ اور ان کے اعتقاد میں کہ وہ دین میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہیں کیا جو حق ان کا یہ نظریہ واقعی جہدِ پائیدار تھا۔ بشرطیکہ ان کے پاس صحیح علم ہوتا، ان کے عقائد درست ہوتے اور وہ اپنے صحیح دین کو محفوظ کر سکتے۔ مگر حقیقت اس کے برخلاف تھی۔ وہ تو خود اپنا دین بگاڑ پٹے تھے۔ غلط عقائد اختیار کر چکے تھے اور پھر ان پر الزام کرتے تھے۔ جب بھی ان کے پاس حق بات ملے کہ انبیاء علیہم السلام آتے۔ وہ اسیں جھٹلا دیتے یا قتل کر دیتے۔

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ
کی لعنت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ان کے دل محفوظ ہیں۔ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے بَلَّ لَعْنَهُمُ اللّٰهُ حَقًّا۔ جسو ان کے گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اور انہیں اپنی راست سے دور کر دیا ہے۔ ان کے قلب مٹ چکے ہیں اور فہم الٹ گئے ہیں۔ یہ حق بات کو نہ سمجھتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں: وَبِهِ فَقِيلَ مَا يَكُونُ مَسْئُورًا لَّنَا فِي بَتِّ قَيْلٍ تَعْدَا اِيْمَانًا۔ سورۃ مائدہ میں ہے: اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ كِتَابٌ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا لَا تَكُنْ فِيْهِ رَاٰی۔ اگرچہ سب کے سامنے تافران نہیں تھے۔ تاہم انہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ لَيْسُوْا سَوَآءٌ مَّا كُنْتُمْ اِيْمَانًا۔ ایاں کی روایت چن و ڈس کے پاس

یہودیوں اور
ذول قرآن

یہ تذکرہ تو یہودیوں کی اپنی کتاب تورات کا تھا کہ انہوں نے اس کے احکام کی منہ نہ منب پابندی کی۔ اب اس بات کا بیان ہے کہ جب قرآن پاک کا نزول ہوا تو اس کے سارے مومنوں نے کیا رویہ اختیار کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ مُبَشِّرٌ لِكُلِّ طَرَفٍ مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ يَدْرِي مَا كُنْ يَكْتُمُ لَكُمْ يَوْمَ تَأْتِي سَائِرُكُمْ مِنْهُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَنْتُمْ فِيهَا كَالْعِجَافِ يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَنْتُمْ فِيهَا كَالْعِجَافِ يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَنْتُمْ فِيهَا كَالْعِجَافِ

غفلت کرو آپہ بعد میں آئے۔ بت کے درمیان میں یہودیوں کی ایک در بات کا ذکر ہے۔ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی نزول قرآن سے پہلے وہ کفار پر فتوح مانگتے تھے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ کَفَرُوا کے در معنی کیے ہیں۔ فتح کے معنی کھولنے کے ہوتے ہیں۔ تو اس کا معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کفار پر اس بات کو کھولتے تھے۔ یعنی بیان کرتے تھے کہ تمہاری ہی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب آئے والی ہے۔ اس پر ایمان نہ۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي تَوْرَةٍ وَإِنْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْهُنَّ أَكْثَرُ يَأْتِيهِمْ يَوْمَئِذٍ مَكْتُوبًا يَوْمَئِذٍ مَكْتُوبًا يَوْمَئِذٍ مَكْتُوبًا

يَسْتَفْتِحُونَ کا دوسرا معنی فتح یا کامیابی ہے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کافروں کے مقابلے میں فتح کا کامیابی طلب کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے۔ یا اللہ ہمیں اس آئے والے نبی کی برکت سے کافروں کے مقابلے میں فتح نصیب فرما۔ تاکہ جب وہ نبی آئے تو ہم اس کی اتباع کر سکیں۔ گویا بنی اسرائیل کے رسول سے مانگتے تھے

نظریہ توسل

نظریہ توسل جمائے مذہب میں بھی روا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے کی برکت سے یا اس کے طفیل سے کوئی دعا مانگی جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مانجی تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔ صاحب وسیلہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے اس نے ہمیں راہ راست کی تعلیم دی ہے۔ ہمیں اس سے محبت ہے۔ لہٰذا اس کے طفیل یا اس کی برکت سے خدا تعالیٰ ہماری دعا قبول کرے۔ ہاں شرک اس وقت ہوگا جب اس کے توسل کی بجائے خود اسی سے مانگنے لگے یا اس کو مشرکوں کی طرح منع سمجھے یا اس کو فخر مطلق سمجھے کہ اسے دعا کے قبول کرنے یا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

بہر حال پہلے تو یہ لوگ اس قسم کی دعائیں مانگتے تھے۔ اور وعدہ کرتے تھے کہ انہوں نے نبی پر ایمان لائیں گے۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ رَأَوْا فِيهِ آيَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي تَدْعُونَ فَاذْكُرُوا أَنَّهُ كَانَ مُخْلَصٌ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْكَاذِبِينَ اور اس کے باوجود اس کا انکار کر دیا ان کی اس مٹ و صرمی اور کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَعَنَ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ ایسے منکرین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

نبی آخر الزمان
صلی اللہ علیہ وسلم
سے نہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان ظالموں نے ایسی بڑی حرکات کر کے کیا کھائی۔ بِشْمَا اسْتَقُوا بِهِ أَنْفُسَهُمْ انہوں نے نہایت ہی بڑی چیز کے بدلے اپنی جانوں کو بیچا وہ کون سی چیز ہے جو انہوں نے جان کے بدلے خریدی اِنْ يَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمُ اللَّهُ فَسُيِّرْهُمْ اللَّهُ فِي ذُرِّيَّتِهِمْ اور یہ شخص اس لیے بغیاً شریعت کرتے ہوئے۔ کہ نبی آخر الزمان دوسری قوم میں کیوں آگیا۔ وہ تو ہماری قوم بنی اسرائیل میں آیا ہے تھا۔ وہ بنو اسماعیل میں کیسے آگیا۔ چنانچہ قرآن پاک نے جگہ جگہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں کہاں کہ ہے کہ آخری نبی ضرور بنی اسرائیل میں آئے گا۔ فَرِيقًا بَعَثْنَا فِي نِصْفِ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَعَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنْ يَدْعُوا إِلَيْكُمْ قُلْ إِنَّمَا أَدْعِيكُمْ إِلَيْكُمْ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُوا لِقَوْلِي إِنَّ يَوْمَ الْفُتُورِ أَنتُمْ كَارِفُونَ اور یہ شخص اس لیے بغیاً شریعت کرتے ہوئے۔ کہ نبی آخر الزمان دوسری قوم میں کیوں آگیا۔ وہ تو ہماری قوم بنی اسرائیل میں آیا ہے تھا۔ وہ بنو اسماعیل میں کیسے آگیا۔ چنانچہ قرآن پاک نے جگہ جگہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں کہاں کہ ہے کہ آخری نبی ضرور بنی اسرائیل میں آئے گا۔ فَرِيقًا بَعَثْنَا فِي نِصْفِ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَعَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنْ يَدْعُوا إِلَيْكُمْ قُلْ إِنَّمَا أَدْعِيكُمْ إِلَيْكُمْ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُوا لِقَوْلِي إِنَّ يَوْمَ الْفُتُورِ أَنتُمْ كَارِفُونَ

فرض تھا کہ وہ اسے سینے سے باغٹ فخر سمجھتے ہوئے اس پر ایمان لائے اور ان کا اتباع کرتے۔ اس کے برخلاف انہوں نے سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے خاندانی تفوق کا دم بھرنے لگے، جو ان کے لیے مناسب نہ تھا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ **فَبَاءَدُ وَبَغَضِبٍ عَلَى غَضِبٍ** وہ غضب پر غضب لے کر روئے۔ ان کا پہلا غضب تو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ بادشاہ نے انہیں سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ منہ پر محو کا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو معاذ اللہ وصال کہا۔ انہیں یہ اپنی پائی کتب کا دیہ میں تحریف کا ارتکاب کیا۔ اور جیسے بانوں سے خدائی احکام کو مٹا دیا۔ اور پھر اس غضب پر دوسرا غضب یہ تھا کہ جب بنی آخر الزمان علیہ السلام تشریف لائے اور آخری کتاب نازل ہوئی تو ان کا انکار کر دیا۔ یہ گویا غضب پر غضب ہو گیا۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **الْيَهُودُ مَغْضُوبٌ وَالنَّصَارَى سَدَلٌ** یعنی یہود مغضوب علیہ ہیں اور نہ ماری گمراہ۔

مغضوب اُسے کہتے ہیں جو دیہ دانستہ احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ آج کا مسلمان بھی جانتا ہے کہ شریعت برحق ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔ یہی خرابی بنی اسرائیل میں بھی پائی جاتی تھی۔ وہ پہچانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ آخری نبی اور آخری کتاب ہے۔ مگر ایمان نہیں لائے۔ علاوہ ازیں ضلال وہ ہے۔ جسکے فہم میں خرابی آجائے۔ اور وہ بھٹک جائے۔ نصاریٰ ضلال ہیں۔ یہ غلطی کرنے والے ہیں۔ فرمایا **وَاللَّكْفَرِيُّ عَذَابٌ مُّهِينٌ** یاد رکھو! انکار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں دردناک عذاب تیار ہے اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو آج بھی راہِ راست پر آجاؤ۔ ورنہ تو تمہارے متہ میں ہرچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کے حالات منکشف کر کے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر رہا ہے۔ کہ تم بھی یہودیوں کی روش اختیار نہ کر لینا۔ بلکہ ان کی خرابیوں کا ذکر سن کر اپنی اصلاح کر لینا۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا تَوْحِيدٌ بِمَا أَنْزَلَ
 عَلَيْنَا وَبِكُفْرُونٍ بِمَا وَرَدَتْهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ
 قَدْ قَبِلْنَا تَقَاتُلُونَ نَبِيَّاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
 ⑨۱ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اخْتَلَفْتُمْ إِلَهُكُمْ مِنْ
 بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ⑨۲ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا
 فَوْقَكُمْ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا
 وَعَصَيْنَا وَأُشْرِكُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلُ بِكُفْرِهِمْ قُلْ
 بِسْمَايَا مُرْكُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ⑨۳ قُلْ
 إِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ
 النَّاسِ فَمَتَمِنُوا الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑨۴ وَلَنْ
 يَتَخَفَتَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ
 ⑨۵ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِ وَمِنْ الَّذِينَ
 أَشْرَكُوا يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ نُوَيْمَرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ
 بِمُرْخِزٍ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يَتَعَفَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا
 يَفْعَلُونَ ⑨۶

مع
 الذکر
 العین
 یزید
 بی

ترجمہ: اور جب ان (اہل کتاب) سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس
 چیز پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اتا رہا ہے۔ (یعنی قرآن) تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس چیز
 پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ (یعنی تورات) اور اس کے سوا
 کائنات کے ہیں۔ حالانکہ یہ برحق ہے۔ اور تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو
 ان کے پاس ہے۔ آپ فرمادیکھئے، پس تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ تعالیٰ

کے خیال کو اس سے پہلے اگر تم ایمان دے ہو (۹۱) البتہ تحقیق تمہارے پاس
 موسیٰ و علیہ السلام اکھٹی نشانیاں لائے۔ پھر اس کے بعد تم نے کچھ بڑے کو معبود بنالیا۔
 اور تم ظلم کرنے والے تھے (۹۲) اور جب ہم نے تم سے بختہ طلب کیا۔ اللہ ہم نے
 تمہارے زور کو دور کر اٹھایا۔ غرض جو ہم نے دیا ہے تم کو مضبوطی کے ساتھ اور سنو۔
 سنو! نے کہا کہ ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور ان سے دو چیز کچھ بڑے کی محبت چڑادی
 گئی ان کے کفر کی وجہ سے۔ آپ نہ دیکھئے کہ وہ بڑی بات ہے جس کے لیے تمہارا
 ایمان تمہیں حکم دیتا ہے۔ اگر تم ایمان دے ہو (۹۳) آپ نہ دیکھئے کہ اگر اللہ
 کے نزدیک موت کا ٹھکانہ ہو تو لوگوں کے سوا صرف تمہارے لیے خالص ہے
 میں تم موت کا سردار اگر تم چاہتے ہو (۹۴) اور وہ اس موت کی ہرگز تمنا نہیں
 لیں گے کبھی بھی۔ اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ
 تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو (۹۵) اور البتہ تم ان لوگوں کو زندگی پر
 زیادہ عرصے پانے لوگوں سے بھی اور ان سے بھی زیادہ عرصے جنہوں نے شرک
 کیا ان میں سے مرنے کو پسند کرتا ہے کہ اسے ہزار سال عمر دے دی جائے۔ حالانکہ
 عمر اسے خدا کے غضب سے دور کرنے والی نہیں ہے اگر اس کو اتنی عمر دے
 دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ یہ کام کرتے ہیں (۹۶)

گزشتہ پر

یودیوں کی قباحتیں اور ان کی سزائیں بیان ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلی آیات میں
 یودیوں کی بازیوں اور ان کے کفر پر اصرار کا ذکر تھا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ غلام البیتین صلی اللہ علیہ وسلم
 کی آمد سے پہلے یودی ان کے منتظر تھے کہ جب وہ نبی آخر الزمان آئے گا۔ تو اس کا ساتھ دیں
 گے۔ یودی لوگ آپ کی بکرت سے مشرکین پر غلبہ حاصل کرنے کی تم بھی کرتے تھے۔ اور اس کے
 لیے دعائیں بھی کرتے تھے۔ مگر جب وہ رسول آیا جس کا انتظار تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت
 بھی آگئی۔ وہ ان لوگوں نے پہچان بھی لیا تو پھر انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے دہرے غضب
 میں مبتلا ہونے۔

ان آیات میں بھی یودیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ البتہ یہاں ان کو قرآن پاک دعوت ایمان

اور ایمان کی دعوت دے گا۔ ارشاد مولا سب وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
 جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز پر ایمان لاؤ۔ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن پاک
 کو اللہ تعالیٰ کی فرستادہ کتاب تسلیم کرو۔ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا اِنْ كُنَّا عَرٰبٍ
 بَرْتَنّٰسٍ اَمْ نَمْنُ بِمَا نَحْنُ اَوْ اَمْ نَمْنُ بِمَا نَحْنُ اَوْ اَمْ نَمْنُ بِمَا نَحْنُ اَوْ اَمْ نَمْنُ بِمَا نَحْنُ اَوْ اَمْ نَمْنُ بِمَا نَحْنُ
 تو صرف توراہ کو ماننے میں دیکھو کہ اُن کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر رہے ہیں۔
 حالانکہ وہ حق قرآن پاک برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور مُصَدِّقًا لِّمَا
 مَعَهُمْ جو کچھ ان کے پاس ہے۔ یعنی توراہ۔ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا
 توراہ پر ایمان لانے کا دعوے بھی مجھوتا ہے۔ اگر ان بدبختوں کا توراہ پر ایمان ہوتا تو یہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ لہذا
 یہ اپنے دعوے میں سمجھوتے ہیں۔

یہ ایک اصولی بات ہے کہ جب تک کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں
 پر ایمان نہیں دے گی اور مومن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام کتب کا وہیہ کی بنیادی تعلیم تو ایک ہی ہے
 یعنی ایمانیات اور عبادت کے معاملہ میں تمام کتابیں مادی ہیں شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ
 مَا وَصَّی بِہٖ نُوْحًا یعنی تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا گیا ہے۔ جو حضرت نوح علیہ السلام
 اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ہاں ایسے مختلف زمان و مکان کے
 لحاظ سے شریعت میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے۔ جیسے فرمایا: بِکُلِّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ
 شَرْعًا وَ مِیثَاقًا

قتل انبیاء
 علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے چھوٹے ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی ہے۔
 ان سے پوچھے کہ اگر توراہ پر تمہارا ایمان ہے قُلْ فَلِمَ قَتَلُوْا اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ
 قَبْلَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ تو تم نے اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا
 ہے۔ قبل انبیاء علیہم السلام تمہاری کون سی کتاب جائز قرار دیتی ہے۔ یہ تو میری کتاب ہے
 اظہار کی بات یہ ہے کہ بعد میں آنے والے بنی اسرائیل قتل انبیاء اپنے باوجود پر فخر
 کرتے تھے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ اپنے نبیوں کے

حرم میں تم بھی شریک ہو۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت یہودی بھی سینے
ابو اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے رد میں تھے۔
اس سلسلہ میں مدینہ کے یہودیوں نے کتنی سازشیں کیں۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کو زہر بھی دیا گیا۔ اسی
سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایتھامتا: دعویٰ ہے کہ تورہ پر تم ایمان ہے۔ لہٰذا پھر یہ بتاؤ کہ قتل
انبیاء علیہم السلام تورہ میں کیا ہے۔ تمہارا دعویٰ ایمان باطل ہے۔ اگر تم ایمان دالے ہو
تو قتل انبیاء علیہم السلام میں کیوں موٹا ہوتا ہے۔

فرمایا تمہارا یہ دعویٰ درست نہیں کہ تورہ پر ایمان رکھتے ہو اس کا ثبوت یہ ہے کہ وَلَقَدْ
جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ حِينَ مَوَدَّكُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ كَرِيمٌ
تَقَرُّمُ ان پر ایمان لائے کہ مجھے۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ
پکھڑے کو معبود بنایا۔ یہ صریح شرک تھا۔ جو تمام آسمانی کتابوں کے مطابق گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے
وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ اور تم یا تمہارے ابو اجداد ظلم کرنے والے تھے۔

دیکھو! تم نے بار بار وعدہ کیا کہ تورہ، ان خود شریعت کا مطالبہ کیا اور پھر جب قانون تمہارے پاس آیا۔ تو جیسے ممانے گئے
ممانہ پاؤ اور کہو کہ اس پر عمل ممکن نہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ
اور جب ہم نے تم سے پختہ ہو گیا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ اور تمہارے سر پر کوہ طور
کو معلق کر دیا۔ اور حکم دیا خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا جو کچھ ہم عطا کر رہے ہیں
اُسے مضبوطی سے ختم لو اور سنو۔ یعنی اس پر کما حقہ عمل کرو۔ مگر تم نے اٹا ہی جواب دیا فَالْوَا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا بظاہر تو عمل کا وعدہ کیا۔ مگر باطن میں کہا کہ ہم نے سن لیا مگر ہم نے
اُسے تسلیم نہیں کیا۔ یعنی زبان سے اقرار تو کرتے ہیں۔ مگر ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی
وجہ یہ بھی وَأَشْرِكُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ان کے دلوں میں پکھڑے کی
محبت کھڑی تھی۔ یہ ان کے کفر کی وجہ تھی کہ وہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کا
یہ دعویٰ کہ تورہ کو مانتے ہیں۔ غلط ہے۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمائیے بِشْمَا يَا مُرْكُمُ سَبَّ
بُصَانُكُمْ دوست ہی بڑی چیز ہے۔ جس کے لیے تمہارا ایمان تمہیں حکم دیتا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ
 اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ
 ⑨⑥ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ
 فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ⑨⑦ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
 وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ⑨⑧ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَاهِدًا نَبَذَهُ
 فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑨⑨ وَلَمَّا جَاءَهُمْ
 رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ ⑩

تسجیم : آپ کہ دیجئے جو شخص جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔ پس بے شک یہ
 (قرآن پاک) اُسی نے آپ کے دل پر نازل کیا، اللہ کے حکم سے یہ نصیحت کرنے
 والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت
 اور خوشخبری ہے ⑨⑥ جو شخص دشمن ہو، اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے
 رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ
 دشمنی رکھنے والا ہے ⑨⑦ اور اب یہ تحقیق ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں
 کیں۔ اور اس کے ساتھ نہیں کفر کرتے مگر افران لول ⑨⑧ کیا جب بھی انہوں نے
 کوئی عہد کیا۔ اس کو ان میں سے ایک گروہ نے عیناً دیا۔ بلکہ ان میں سے اکثر
 ایمان نہیں لائے ⑨⑨ اور جب ان کی طرف اللہ کی طرف سے رسول آیا۔ جو
 تصدیق کرتا ہے۔ اُس چیز کی جو ان کے پاس ہے۔ ثواب یافتہ لوگوں میں سے
 ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ⑩

یہودیوں کی خرابیوں کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔ آیات زیر درجہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت نبی علیہ السلام کی ہجرت مدینہ کے وقت مدینہ کے گرد و نواح میں بہت سے یہودی آباد تھے۔ یہودی علماء میں سے صرف ایک عالمہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لائے باقی سب کفر میں ہی رہے۔ ان میں سے ابن صوریہ ایک چشم تھا۔ وہ بعض دوسرے یہودیوں کے ہمراہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے آیا۔ اور آپ سے مختلف سوال کیے۔ اُس نے کہا کہ آخری نبی کے خواب سے متعلق ہماری کتابوں میں بعض نشانیاں موجود ہیں۔ آپ اپنے خواب کی کیفیت بیان فرمائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اِنَّ عَيْنِي تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي یعنی میری آنکھیں تو میٹک سوتی ہیں۔ مگر دل کبھی نہیں سوتا۔ اس کی اُس نے تفسیق کی کہ آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ ہماری کتابوں میں بھی نبی آخر الزمان کی یہی نشانی بتائی گئی ہے۔

اس شخص نے دوسرے سوال کیا کہ رحمہ در میں جنس کی تفریق کیسے ہوتی ہے۔ یعنی بچے اور بچی کی پیدائش میں کون سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مرد کا مادہ منویہ سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ اور عورت کے رحم کی رطوبت زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ فرمایا با شربت کی بات جس مادہ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ بچے کی شکل و صورت اس کے موافق ہوتی ہے۔ باقی یہی بہت کہ بچے سے کیا مراد ہے۔ مقدار میں غلبہ ہوتا ہے یا فروغ میں سبقت ہوتی ہے۔ یا کسی وقت میں غلبہ ہوتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتایا کہ مرد اور عورت میں سے جس کے مادہ میں غلبہ ہوتا ہے۔ وہ مشابہت میں بچے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ یہ بھی آپ نے درست جواب دیا۔ ہماری کتابوں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

حضور علیہ السلام نے ان یہودیوں سے فرمایا کہ جب تم میرے جوابات سے مطمئن ہو تو پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ کہنے لگے۔ ہم ایک اور سوال پر چلیں گے۔ حضرت! یہ فرمائیے۔

کہ جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، انہیں سب سے پہلے کوئی خوراک پیش کی جائیگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنتیوں کی اولین خوراک مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہوگا۔ اور پھر دوسرے نمبر پر ان کو بیل کا گوشت پیش کیا جائے گا۔ جو جنت کے اطراف میں چرتا ہے۔ یہودیوں نے کہا: کہ یہ بھی آپ نے درست فرمایا ہے۔

اب حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب تم نے آخری نبی کی تمام علامتیں سچان لی ہیں۔ تو پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ انہوں نے کہا: کہ اچھا ایک بات اور بتائیے۔ کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھ پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں۔ وہ کہنے لگے جبرائیل تو ہمارا دشمن ہے۔ اگر وہ وحی لاتا ہے تو ہم اس کو نہیں مانتے ہاں اگر میکائیل وحی لاتا تو ہم مان لیتے۔ کہنے لگے جبرائیل کو دو دو بات کی بنا پر ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اول یہ کہ یہ قومیں پہلے عذاب لاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس نے ہمارے دشمن بخت نصر کی حمایت کی تھی۔ اس کی تائید انہوں نے یوں بیان کی۔ کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں بتایا تھا۔ کہ بخت نصر نامی بادشاہ ہمیں تباہ و برباد کرے گا۔ لہذا اُسے ہمچین میں جی قتل کر دینا۔ پیغمبروں نے اس کی نشانیں بتائیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ اس عمر میں فلاں جگہ پر ملے گا۔ اور فلاں کام کرتا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے سرور نے بخت نصر کی تلاش میں چاروں طرف آدمی بھیج دیے۔ اور انہوں نے شہر بابل میں انہی نشانوں کے ساتھ بخت نصر کو تلاش کر لیا۔ جب اُسے جگہ کرنے لگے تو جبرائیل علیہ السلام سامنے آکھڑے ہوئے اور کہنے لگے تم اس کو کیوں مانتے ہو۔ ہم نے کہا کہ یہ ہمارا قاتل ہے۔ اور ہماری تباہی کا باعث بنے گا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر یہ واقعی قاتل ہے۔ تو تم اُسے ہلاک نہیں کر سکو گے۔ اور اگر یہ تمہارا قاتل نہیں ہے۔ تو خداوند خواہ مخواہ خون ناحق کے متکب ہوتے ہو۔ اس طرح جبرائیل علیہ السلام نے بخت نصر کو ہلاک ہونے سے بچا لیا۔ وہی بخت نصر جب بڑا ہوا۔ تو اس نے شام اور فلسطین کے علاقوں میں بڑی تباہی مچائی۔ اور بیت المقدس کو گرا دیا۔ توراۃ کو جلا کر بیودیوں کو قتل کیا اور ان کو غلام اور لونڈیاں بنایا۔ چنانچہ یہ لوگ سو سال تک غلامی میں مبتلا رہے اور بڑی ذلت و رسوائی اٹھائی۔

یہودیوں نے کہا: کہ جبرائیل علیہ السلام پر ہمارا اور اعتراض یہ ہے۔ کہ یہ آپ کے

ہم ہماری جفیاں کھاتے ہیں۔ ہماری ساری باتیں آپ کو بتا دیتا ہے۔ لہذا اس کے ذریعے نازل ہونے والی وحی کو ہم ماننے کے لیے تیار نہیں۔ یہودیوں کے ان اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اور ان کی گندمی ذہنیت کا رد فرمایا۔ اور بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ دشمنی رکھنا کفر کے مترادف ہے۔

جبرائیل، اسراف ان تینوں لفظوں کا معنی عبد، بندہ یا مردِ خدا ہے۔ اور ایل عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ مگر اردو میں لفظ ایل کو عبد اللہ کا معنی دیتے ہیں۔ اس طرح جبرائیل میکائیل اور اسرافیل کا معنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوا۔ ان میں عزرائیل کا نام شامل نہیں ہے۔ بعض کتابوں میں ذکر ہے کہ عزرائیل ملک الموت کا لقب ہے۔

الغرض! جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دیا۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِیْلَ کہ کہہ دیجئے جو کوئی جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔ فَإِنَّهُ مَرْکُزٌ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ اس نے تو قرآن پاک آپ کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کی دشمنی کا کیا جواز ہے۔

نندل وحی کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام صورت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کے قلب کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج کل شیعوں کا کنکشن مل جاتا ہے۔ یہ خاص قسم کی رو ہوتی ہے جس کے ذریعے پیغمبر علیہ السلام اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ اور اُسے خوب سمجھتے تھے۔ اور اس کے الفاظ کو جانتے تھے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خواب بتا دی جاتی تھی یا بعض دفعہ فرشتہ کسی شکل میں متشکل ہو کر آتا تھا۔ اور کلام الہی پیش کرتا تھا۔ تاہم عام طور پر پہلی صورت میں یعنی قلب مبارک سے رابطہ قائم ہوتا تھا۔

نندل وحی کی
مختلف صورتیں

ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: کہ مجھ آپ کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ آپ کثرت سے کیوں نہیں آتے تو جبرائیل علیہ السلام نے وہاں سے نازل ہوا: لَا بَأْسَ بِكَ تَمَّ تَوْسُفُ آپ کے رجب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، مجھ حاضر ہو جاتے ہیں ہم اپنی مرضی سے نہیں آسکتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: کہ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ کو بتایا کہ اب کی دفعہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب پہنچ گیا، آپ نے دریافت کیا کہ جبرائیل یہ تو بتاؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کے کس قدر قریب پہنچ گئے عرض کیا کہ میرے اور اللہ کے درمیان صرف ستر ہزار پردوں کا حجاب رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب پہنچ گیا، اسی لیے ان کو اللہ تعالیٰ کے مقربین فرشتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو ہر روز اجازت ہوتی ہے کہ جنت کی سرکوں میں غوطہ کھائیں۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام ہر روز ایسا ہی کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیر محدود درجائیت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے مختلف الغائب میں ناموس عظیم، روح عظمہ، روح القدس اور روح الامیں وغیرہ شامل ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رجب مقرب فرشتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام پر ان حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے ہی آتی رہی ہے۔

جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو سکر تکوینی امور کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جیسے بنی نوع انسان کی روزی رسانی اور بارش کا نزول وغیرہ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام عالم کے فتنے کے لیے بھل بجانے کی تیاری کر رہے ہیں اور عزرائیل علیہ السلام جن کا لقب مک الموت ہے وہ جانداروں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں قُلْ يَسُوْفُكُمْ مَّلَكٌ مِّنَ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اُسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

۱۔ بخاری ص ۶۹۱، ۲۔ زجاجة الصالحین ص ۲۵۹، مشکوٰۃ ص ۲۵۹، تفسیر عزیزی ندوی ص ۲۵۹

۳۔ تفسیر عزیزی ندوی ص ۲۵۹، ص ۲۵۹، مجموعہ رحمان، حضرت شاہ رفیع الدین ص ۳

حدیث میں جن چار مہینوں فرشتوں کا ذکر ہے۔ وہی فرشتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر شے الٰہی کو
تھلنے والے آٹھ فرشتے ہوں گے۔ ان چار کے ساتھ چار اور معاون ہو جائیں گے۔

حضرت جبریل علیہ السلام
سے دشمنی

الغرض فرمایا۔ سید بنی اسرائیل، جبریل علیہ السلام کے ساتھ تمہاری دشمنی جلا وطن ہے
قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِیْلَ فَقَدْ بَرَّاهُ فَقَدْ بَرَّاهُ فَقَدْ بَرَّاهُ فَقَدْ بَرَّاهُ
عَلَى قَوْلِكَ يَا ذَا الْقُدْرَةِ اُس نے قریہ کلام الٰہی تمہارے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل
کیا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتا ہے۔ خواہ وہ چیز تمہاری موافقت میں جائے یا مخالفت
میں جائے۔ اور پھر یہ لازم بھی ایسا ہے۔ جو قطعاً تمہاری مخالفت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ تو مصدقاً
لِعَمَلِ بَيْنِ مَیْدَیْنِہ پنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ سببت
تسبب کی تعلیمات کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ دوسرے مقام پر مَقْبُحَاتِہ کا غلط آنا ہے۔
قرآن پاک سابقہ کتب کا مصدق ہے۔ ان کا جوڑ اس آخری کتاب میں آگیا ہے۔ اسی طرح
پہلی کتابوں میں جو مروت جوچتی ہے۔ ان کی نشاندہی کرتا ہے۔ لہذا ایسی پاک کتاب کا کار
اور اس کے لئے اسے سے دشمنی رکھنا کیسے جائز ہے۔ بلکہ یہ تو نہایت ہی قیمتی فصل ہے۔
یہ تو ایسی عظیم الشان کتاب لانا ہے۔ جس کے لیے نوح ان ہمیشہ دعا گو رہا ہے۔ کہ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے اللہ! ہم کو راہِ راست دکھا دے اور اس پر چلا دے
فرمایا یہ کلام ایسا ہے۔ جو کہ وَهْدِی وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ہے اس کے ذریعے
اللہ نوح انسان کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور پھر اس ہدایت کی روشنی میں جو لوگ ایمان قبول کر

اہل ایمان کے
لیے بشارت

لیتے ہیں۔ ان کے لیے دائمی کامیابی کی بشارت بھی سناتا ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے
بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ اٰہل ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والوں
کو خوشخبری دے دیں۔ مگر کن نعمتوں کی؟ شہری اس کا ذکر قرآن پاک نے بار بار کیا ہے۔ کہیں
فرمایا اَنْ لَّكُمْ جَنَّاتُ جَبْرِیْطٍ مِّنْ جَنَّتِہَا لَا تَقْرٰنُ ان کے لیے باغات ہیں جن
کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔ کہیں فرمایا فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ
مُقَرَّرٍ وہ اللہ رب العزت کی جنت میں اس کے حضور میں بیٹھے ہوں گے، دوسری
جگہ بشارت اس طرح ہے "فَاِنْ تَطِيعُوا اٰیٰتِکُمْ اللّٰهُ اَجْرٌ حَسَنًا" اگر اطاعت

کر دے گا تو اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ بہر حال اپنی ایمان کو اصلاح اور کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اب بتادو ایسا پاک کلام لائے دے جس پر انیل علیہ السلام سے دشمنی کا کیا معنی ہے۔

فرشتوں سے
دشمنی اللہ تعالیٰ
سے دشمنی ہے

فَرِيَا مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ
فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتوں جبرائیل، میکائیل وغیرہ سے
دشمنی رکھنا تو خود اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ گویا یہ لوگ فرشتوں کے دشمن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
کے دشمن ہیں۔ فرمایا اگر ایسی بات ہے۔ تو پھر سن لو کہ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ
بھی کافروں کا دشمن ہے۔ ظاہر ہے کہ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام تو عالم بالا یعنی خلیفۃ العرش
کے ترجمان ہیں۔ ان کے ساتھ دشمنی بڑی منہ پڑے گی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کے مترادف ہے۔
لفظ ملائکہ ملوک یا لوگوں سے مشتق ہے۔ اور ملوک عربی میں پیغام کو کہتے ہیں۔ اس کا اثر
عرب کے قدیم شاہ عدی بن زید عبادی کے کلام سے ثابت ہے۔ اُسے نعمان شاہ عبادی نے کسی
بات پر خفا ہو کر قید میں ڈال دیا۔ بادشاہ اس کا رشتہ دار بھی تھا۔ بہر حال اس نے اپنے شعروں
میں نعمان کو پیغام بھیجا تھا۔

أَبْلَغُ النُّعْمَانِ نَبِيٍّ مَا لَمْ يَكُنْ يَنْدَقْدَقُ حَبِيبِي وَأَبْلَغُ رِيٍّ

نعمان کو میرا پیغام پہنچا دو۔ اس نے بلاوجہ مجھے اپنی قید میں ڈال رکھا ہے۔ میں اس کے
حکم کا منتظر ہوں۔ کہ کب رہائی ملتی ہے۔ یہ کافی لمبا قصیدہ ہے۔

عرب کے ایک شاہ کے کلام میں بھی ایسا ہی ملتا ہے۔ عربوں میں بہت مشہور محار
اور اُسے عربوں کا باپ کہا جاتا تھا۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا شعر بہت شہرت حاصل کرتا تھا۔ اور
پورے عرب میں غور و خجیل جاتا تھا۔ اُس نے حضور علیہ السلام کا زمانہ نبیاً ہے۔ وہ شخص ایمانی
نے کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں آ رہا تھا۔ کہ کفار نے مدائن کے ذریعے اُسے راستے
میں ہی روک لیا۔ وہ اپنے گاؤں میں بھی واپس نہ پہنچ سکا۔ بلکہ دورانِ سفر ہی دہشت سے گر کر
جاگ ہو گیا۔ وہ بھی کتبہ ہے۔

أَبْلَغُ يُزَيْدُ بْنُ شَيْبَانَ مَا لَمْ يَكُنْ يَنْدَقْدَقُ حَبِيبِي وَأَبْلَغُ رِيٍّ

کتاب اللہ
صحیح بخاری

فرمایا ان کعبتوں کی فطرت: نہ بن چکی ہے کہ اَوَّلَ مَا عَمِلَ اِنَّمَا ان میں سے جب
بھی کسی نے کوئی عہد کیا ثَبَّتَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ
دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ان کی اکثریت ایمان لانے سے
قاصر رہی ہے۔ حقیقہ کہ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ جب ان کے پاس
رسول عظیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ جو
اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے یعنی زبور، توراۃ، انجیل۔ دیگر تمام
صحف سماویہ۔ شرائع الہیہ وغیرہ۔ تو پھر یہ ہوا کہ ثَبَّتَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اٰتَوْا الْكِتٰبَ
بل کتاب میں سے ایک گروہ نے پھینک دیا۔ کَتَبَ اللّٰہُ اللہ کی کتاب کو وَدَاۤءَ ظَہُوْرِهِمْ
پس پشت۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب توراۃ سے رد و مردانی اختیار کر لی۔ اگر یہ لوگ
اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کسی درجے میں بھی تسلیم کرتے۔ تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کتنے
مور قرآن پاک کو بھی مان لیتے۔ مگر انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس میں تحریر
کے مرتب ہوئے۔ اس کے الفاظ کو تبدیل کر دیا یا الفاظ کے معنی الٹائے اور یہ سب کچھ
انہوں نے اس طرح کیا كَانَ لَہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ گروہ جانتے ہی نہیں کہ کتاب اللہ میں کیا
پیش گوئیاں ہیں۔ اور کون سی علامتیں بتائی گئی ہیں۔ جن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب
اور آخری رسول علیہ السلام کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اگر ان میں کوئی بھی منصف مزاج آدمی ہوتا؛ تو وہ
مدنوں چیزوں کو بلا شک و شبہ پہچان لیتے۔ اس کے بعد یہودیوں کے حکم وغیرہ کا ذکر آئے گا۔

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَةَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَ إِنَّمَا أَخْزَنُ فِتْنَةً فَلَا تَكْفُرْ فَيَعْلَمُونَ مِنْهُمَا مَا يَفْتَرِقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَعْلَمُونَ مَا يُضْرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلَّمُوا الْمَنْ شَرَّهُ مَا نَدَىٰ إِلَّا خِرَّةً مِنْ خَدَقٍ بَشَرٍ وَمَا شَرَّ رَايَةٍ أُنْفُسُهُمْ كُودًا لَوْ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَقُوا لِمَثُوبَةٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْكَالَوْ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

فتحہ ہذا اور انہوں نے اُس چیز کا نیا کیا، جو شیاطین سیمان دعبہ السلام کی بادشاہی میں پڑھتے تھے۔ اور سیمان دعبہ السلام نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین کفر کرتے تھے۔ اور لوگوں کو جادو دکھاتے تھے۔ اور وہ چیز جو اندری گئی تھی بابل کے مقام پر دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر۔ اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں کہتے تھے۔ بیشک ہم تو آزمائش ہیں۔ پس تم کفر نہ کرنا۔ پس لوگ ان دونوں سے ایسی چیزیں سیکھتے تھے، جس کے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان مہائی ڈالتے تھے۔ اور وہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مگر اللہ کے حکم سے۔ اور وہ ان سے ایسی چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ورنہ وہیں پہنچتی رہتے۔ البتہ تحقیق انہوں نے جان یا اس شخص کو جس نے اس رسم کو خریدیا ہے۔ اُس کے لیے آفت میں کچھ حصہ نہیں اور وہ بڑی چیز ہے۔ جس کے بارے میں سنوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ اگر ان کو سمجھ جوتی ﴿۱۰۲﴾ اگر یہ لوگ ایمان لاتے

اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب اور بہتر اجر تھا۔ اگر

یہ سمجھتے (۱۰۳)

شیطان کا
اتباع

ان آیات میں بنی اسرائیل کی انتہائی پستی اور ان کے انحطاط کا ذکر ہو رہا ہے۔ گزشتہ آیت میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اس طور پر پشت ڈال دیا کہ اُس سے بالکل لاتعلقی ہو گئے۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کتاب اللہ کی تلاوت اور اس پر عمل درآمد کی بجائے وَاشْفَوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ مُّسْتَمَرٍّ اِنسوں نے اس چیز کی پیروی کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنوں اور انسانوں کا اختلاط ہوتا تھا۔ کیونکہ جن بھی آپ کے ماتحت تھے۔ لہذا اس دور میں جو کلام یا دنیوی چیزیں جن پڑھتے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان کا اتباع کیا۔ اس طرح کھریا جادو انسانوں تک پہنچ گیا۔ اسی بات کو اس آیت میں یوں بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل شیاطین یا جنوں کی تلاوت کی۔ وہ چیزوں کی پیروی کرنے لگے۔ گویا جادو میں ملوث ہو گئے اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام
پہ جادوگر بن گیا الزام

جادو کو شیعیان کھیل جان کر کھیتے بہتے تو اور بات تھی مگر بنی اسرائیل نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اس جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ سحر پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا صریحاً کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنٌ سَلَمٰنٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے کفر نہیں کیا۔ یعنی انسوں نے یہ جادو وغیرہ تمہیں نہیں سکھایا۔ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِیْنَ كَفَرُوْا بَلْیٰہِ تَرِیْطَانُوْنَ نے کفر کا ارتکاب کیا۔ جنہوں نے لوگوں کو جادو سکھایا ہے۔

سحر کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا بنی اسرائیل کو قبیح فعل ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور صاحب طہریت رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن اور شیاطین کو آپ کے مصلح کر دیا تھا۔ اور ہوا کو آپ کے سحر کر دیا تھا۔ فَسَحَرْنَاْہُمْ سِحْرَہُمْ آپ ان چیزوں سے سب فشا کام لیتے تھے۔ وہ کیسے جادو سکھا سکتے تھے۔ اور بن جریر نے ایک روایت

لے تفسیر طبری ص ۲۵۴

بیان کی سہ۔ قَالَ بَعْضُ اخْبَارِ الْيَهُودِ يَسُودِيوں کے بعض علماء نے کہا اَلَا تَعَجِبُونَ مَنْ
مُحَمَّدٌ سَلَّمَ لَوْ كَانَتْ اَتَمُّ مَجْمُوعٍ تَعَجُّبٍ نَفْسٍ كَرْتُمْ۔ يَزْعُمُ اَنَّ ابْنَ دَاوُدَ كَانَ نَبِيًّا جَرِي سَكْتِے
ہیں۔ کہ ابن داؤد (سیمان علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ حالانکہ مَا كَانَ اِلَّا سَاحِرًا
وہ توجادگر تھے۔ گویا یسودیوں کا حضرت سیمان علیہ السلام کے متعلق یہ اعتقاد تھا۔ اس لیے
فرمایا کہ سیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔ جو کہ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ الْخَيْرَ
لوگوں کا جادو کا علم سکھاتے تھے۔ اس بات کو حضرت سیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا
صریح کفر ہے۔

جادو کے
ذرائع

مفسرین کرم فرماتے ہیں۔ کہ جادو دو ذرائع سے دنیا میں آیا۔ اس کا پہلا ذریعہ توجنات
ہیں۔ یعنی حضرت سیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادو شیاطین سے انسانوں میں رائج ہوا۔
جادو کا دوسرا ذریعہ ہاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے
دنیا پر بھیجا۔ اسی کے متعلق فرمایا وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْمَلٰٓئِكِیْنِ جَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ
عام مفسرین نے یہی لکھا ہے۔ کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ
نے آزمائش کے لیے بابل کے مقام پر اتار دیا۔ یہ بابل شروہی ہے۔ جو کلدانیوں کا دارالسلطنت اور
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جہنم پیدائش ہے۔ وہاں سے ہجرت کر کے آپ شام اور فلسطین
پہنچے۔ اور پھر حمّاز میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بہر حال لفظ مَلٰٓئِكِیْنِ سے مراد دو فرشتے ہی ہیں
کیونکہ مَلٰٓئِكٌ فرشتے کو کہتے ہیں۔

ہاروت اور
ماروت کون تھے

تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کسی اور نبی کے زمانہ میں دنیا
پر مصیبت عام تھی۔ لوگ فسق و فجور میں مبتلا تھے، تو آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت
کی کہ مولا کریم! تو نے یہ کیسی مخلوق پیدا کی ہے جو اس قدر گناہ میں طوط ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ کہ میں نے انسان میں مختلف قوتیں پیدا کی ہیں جیسے قوت شجاعت، قوت بہیمیت اور
قوت غضب و غیرہ اور ان کے ساتھ ساتھ نیکی کرنے کی طاقت بھی عطا کی ہے اس لیے

تم دیکھتے ہو کہ کچھ رگ اگر گناہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو کچھ نیکو کار بھی ہیں۔ کیونکہ ان کے اندہ ساری
 قوتیں موجود ہیں۔ برخلاف اس کے فرشتوں کو میں نے قوتِ حلوئی سے نوازا ہے۔ اگر تم تجربہ
 کرنا چاہتے ہو تو میں تم کو زمین پر بھیجتا ہوں۔ تم اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کرو۔ پھر دیکھیں گے
 کہ وہ کس طرح گناہ سے بچتے ہیں۔ ان غرض فرشتوں نے اس آزمائش کے لیے ہر وقت اور
 امدت کو منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں قوتِ شہوانیہ بھی رکھ دی۔ اور پھر انہیں باہل کے
 مقام پر اتار دیا۔ انہیں خاص طور پر نصیحت کی گئی کہ بُرائی سے باز رہنا۔ زنا اور دیگر معصیت سے
 اجتناب کرنا اور عدل و انصاف سے وقت گزارنا۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ ایک خوبصورت عورت ایک چکارے پر سوار جا رہی
 تھی۔ اُس نے کسی ضرورت کے تحت منہ سے کپڑا بٹایا۔ تو اُسے دیکھ کر فرشتے تباہ
 ہو گئے۔ یہ ان کی آزمائش کا مرحلہ تھا۔ انہوں نے اُس عورت سے فرصت میں ملاقات کی
 خواہش کی۔ جسے اُس نے منظور کر لیا۔ بوقت ملاقات فرشتوں نے اُس سے لفظی خواہش
 کی تکمیل کی درخواست کی۔ اُس عورت نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے یہ شرط پیش کی کہ
 مجھے وہ اسمِ عظمیٰ دو جسے پڑھ کر تم آسمانوں پر چلے جاتے ہو اور پھر واپس آجائے ہو۔
 فرشتوں نے اسمِ عظمیٰ اُس عورت کو سکھایا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے ساتھ یہ لڑکا ہے۔ اس کو قتل
 کر دو۔ ورنہ یہ ہمارا زنا فاش کر دے گا۔ فرشتوں نے ایسا کرنے سے معذرت کی۔ عورت نے
 کہا۔ اچھا یہ شراب ہی پی لو۔ یہ بڑی لذیذ چیز ہے۔ فرشتوں نے شراب پی لی۔ پھر نئے میں آکر
 انہوں نے لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور زنا کے مرتکب بھی ہوئے۔ گویا سب سے معاصی میں مبتلا ہو گئے۔
 عورت تو اسمِ عظمیٰ پڑھ کر اوپر چلی گئی کہتے ہیں کہ زبردتاً سے میں جا کر باور ہو گئی اور فرشتے سزا میں
 مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ان گناہوں کی سزا دنیا میں بھگتنا چاہتے ہو۔ یا آخرت میں
 انہوں نے دنیا کی سزا کو پسند کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں مسخ کر کے انہیں کسی تاریک
 اور عینِ کنوئیں میں ڈال ڈالا۔ آج تک وہ اُسی میں لٹکے ہوئے ہیں ان کے نیچے سے دھواں
 اُٹھ رہا ہے۔ اور وہ سخت اذیت پہنہ رہے ہیں۔ جب قیامت آئے گی۔ تو اس وقت وہ اس
 عذاب سے نجات پائیں گے۔ دیگر اسرائیلی رشتہ داروں کی طرح یہ بھی ایک اسرائیلی مدیت ہے

تاجم اس کی سچائی پر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ماروت اور روت
کی معنی شادیت

امام ابن منذر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر ایک بوڑھا آدمی عبدالملک بن مروان کے ساتھ تھکے پر بیٹھا تھا۔ نووار دسے تعجب کیا کہ یہ کون آدمی ہے۔ جو غلیضہ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ آدمی ماروت اور روت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے۔ لہذا اس کی عربت افزائی کی گئی ہے۔ اُس شخص نے آگے بڑھ کر بزرگ آدمی کو سلام کیا اور عرض کیا حضرت ماروت اور روت سے ملاقات کا کچھ حال مجھے بھی سناؤ۔ اس پر اس شخص کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور اُس نے واقعہ یوں سننا شروع کیا کہ بھائی! میں ابھی بچہ تھا۔ گھر میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ جسے میں فراخ دلی سے خرچ کرتا۔ جب باپ فوت ہو گیا۔ تو ماں سے دولت حاصل کرتا اور خوب اُڑاتا۔ ایک دن میں نے ماں سے دریافت کیا کہ ماں یہ قربانیں کہہ سہے پاس یہ مال و دولت کہاں سے آیا تھا۔ جو اتنا خرچ کرنے سے بھی کم نہیں ہوتا۔ ماں نے کہا بیٹا تم جتنی چاہو دولت لٹاؤ یہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ پھر اُس نے مجھے دولت سے بھرے ہوئے گھرے دکھائے۔ لڑکے میں شور پیدا ہو چکا تھا۔ اُس نے دوسرے سوال کیا کہ میرے باپ نے یہ مال کس طریقے سے کمایا تھا۔ ماں نے بتایا کہ تیرا باپ ساحر تھا اور اس نے یہ ساری دولت سحر کی وجہ سے کمائی۔ لڑکے کو خیال آیا کیوں نہ میں بھی وہی چیز سیکھ لوں جس کی وجہ سے میرے باپ نے اتنا مال پیدا کیا۔ اُس نے سوچا کہ سحر کا علم اس کے باپ نے اپنے کسی شاگرد کو بھی سکھایا تھا۔ اس کا پتہ کر کے اُس سے یہ علم سکھانے چاہیے۔ چنانچہ تلاش کرنے پر اُسے ایک شخص مل گیا۔ جو اُس کے باپ کا شاگرد تھا۔ لڑکے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ تو وہ کہنے لگا یہ بڑا خطرناک علم ہے۔ اسے نہ ہی سیکھو تو بہتر ہے لڑکے نے اصرار کیا تو اُس نے کہا کہ اچھا اگر تم ضرور ہی یہ علم سیکھنا چاہتے ہو۔ تو میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ بٹکر یاد رکھو۔ جہاں ہم جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر خدا کا نام نہ لینا۔ لڑکا بیان کرتا ہے کہ میں اپنے باپ کے شاگرد کے پیچھے ہوں۔ حتیٰ کہ ہم ایک غار پر پہنچے اور اس میں اتر گئے۔ ہم تین سو بیڑیاں نیچے اترے تو وہاں ایک کنواں نظر آیا۔

کونہیں کے اندر دو شخص نظر آئے۔ جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اُسے ٹک رہے تھے، ان کی شکلیں عجیب و غریب تھیں، ان کی آنکھیں ڈھال کی طرح بڑی بڑی اور بڑی چمکدار تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر میرے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اور میری زبان سے بے ساختہ کلمہ **اللہ اَرَّ اللہُ عَلَیْکَ** یہ کلمہ سن کر وہ شخص اور زیادہ مضطرب ہوئے۔ میں پھر گھبرایا اور میرے منہ سے پھر وہی کلمہ نکلا۔ دو تین دفعہ ایسا ہی ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے ان سے اپنا تعارف کیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور اس حال میں کس وجہ سے ہو؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ ہم ہر دوت در ہر دوت ہیں۔ اور یہاں سزا جگت ہے ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تم کس امت میں ہو۔ تو میں نے بتایا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا آخری نبی کا ظہور ہو گیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے کچھ علامتیں بھی دریافت کیں۔ جو میں نے ان کو بتائیں۔ وہ دونوں بعض علامات پر خوش ہوئے۔ اور بعض پر ناراض ہوئے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہم ان علامات پر خوش ہوئے ہیں۔ جو قرب قیامت سے متعلق ہیں۔ کیونکہ قیامت ہر پابوسنے پر ہم اس عذاب سے رہائی پالیں گے۔

الغرض! وہ لڑکا اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے سحر سے تو محروم ہو گیا۔ تاہم اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور وہ ہر دوت ہر دوت کا یہی شاہد بن گیا۔

ہر دوت ہر دوت
کے دوقوعے ٹکڑے

بعض مفسرین کرم فرماتے ہیں۔ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلٰٓئِکِیْنِ بِبَابِلَ مَا نَزَّلَتْ وَمَا رُوَّتْ میں لفظ **ہا**، **نہ** ہے۔ یعنی بابل کے مقام پر ہر دوت ہر دوت پر کوئی چیز نہیں اتری گئی۔ یہ سب جھوٹے قعے ہیں۔ جو بیان یکے جاتے ہیں۔ یہ ان مفسرین کی ذاتی تخیل ہے۔ بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ہر دوت ہر دوت کا سارا قصہ کہانی محض ہے چنانچہ بشار ابن برد شاعر سے کسی نے پوچھا کیا آپ نے آل سیمان سادات خاندان کے متعلق بھی کوئی قصیدہ لکھا ہے؟ یہ اپنے رب سے شاعر تھا۔ کہنے لگا۔ اُس خاندان کے متعلق کچھ زیادہ

نہیں تھی۔ صرف یہ دو شرکت ہیں:

وَيْتَارُ آلَ سُلَيْمَانَ وَدِرْهُمْ هَهُنَا كَبَا بَلِيَّتَيْنِ حَفَا بِالْعَفَا رِيَّتْ
لَا يُرْجِيَانِ وَلَا يُدْرِي لَوْ أَلْفَعَا كَمَا سَمِعْتَ بِهَارُوتَ وَصَارُوتَ
آلِ سُلَيْمَانَ بڑے کنجوس لوگ ہیں۔ ان کے درہم و دنیا ریالے ہیں۔ جیسے دو بایوں کے درہم و
بست سے بھوت جمع ہوں۔ اور وہ کسی کو نظر بھی نہ آئیں۔ اس طرح آلِ سلیمان کا دل و دولت
بھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ نہ ان سے کسی عیالے کی توقع ہے۔ اور نہ ان کے درہم و دنیا کو دیکھنے
کی امید۔ ان کی دولت ایسے ہی ہے جیسے تم نے ہاروت و ماروت کا نام تو سن رکھا ہے۔
مگر ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ غرضیکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو ہاروت و ماروت کے قصے کو
افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں مانتے۔

سحر کی ہے

آہم اگر مفسرین کہتے ہیں۔ کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے۔ اگرچہ زہرہ والا واقعہ
مصدقہ نہیں ہے۔ مگر ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سحر کا علم دیکر نازل کیا تھا۔ تاکہ سحر اور
موجزے میں فرق قائم کیا جاسکے۔ لغوی اعتبار سے سحر کا معنی لطیف، باریک یا مخفی ٹی ہے۔
سحر میں چونکہ کوئی چیز ظاہری طور پر نظر نہیں آتی۔ اس لحاظ سے اُسے سحر کہتے ہیں۔
سحر کا دوسرا معنی غذا ہے۔ جب انسان کوئی بھی غذا کھاتا ہے تو ہضم ہو کر باریک باریک
لوگوں کے ذریعے جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔ یہ لطیف بھی ہوتی ہے کہ نظر نہیں آتی۔ گویا
اس میں اختار اور پیچیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے ایک مشور شاہ عمار بن العیس کا کہنا ہے
اَرَانَا مُؤَصِّعِينَ لَا مُرْغَبِينَ وَنَحْصِرُ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّرَابِ

ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنی سواریاں دوڑا رہے ہیں۔ مگر کسی ایسی منزل کی طرف۔ جس کا ہمیں علم
نہیں۔ یعنی پردہ غیب میں ہے اور اُدھر ہم پہنچنے کے ذریعے سحر کیا جاتا ہے۔ یعنی
خوداک کھا کر ہم غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ جسم میں تیز رفتاری سے سواریاں دوڑا رہے ہیں۔
جسم کی شیرازی اتنی تیزی سے کام کر رہی ہے گویا ہزاروں میل کی رفتار سے چلنے والے ہوئی جہاز

سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے۔ لیکن یہ سب کچھ پر وہ غیب میں ہے۔
اسی طرح ایک شخص یوں کہتا ہے۔

لَعَنَ قَانُ تَشْيِئَاتِهِمْ عَنْ قَانَا عَصَا فِئْتٍ مِنْ هَذَا الزَّانِمِ الْمُسْتَعْرِ

اگر تو ہم سے پرچھے کہ ہم کس حال میں ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ ہم تو عمر زدہ مخلوق میں سے چڑیوں کی
مانند ہیں جو کھانے پینے کے ذریعے اڑتے پھرتے رہتے ہیں۔

عربی زبان میں شکر کا ایک معنی پھینچنا بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی مخفی ہوتا ہے۔ نظر نہیں آتا۔ لہذا
اس لحاظ سے بھی شکر میں اخفا کا معنی پایا جاتا ہے۔

کیا ہر دور
انسان تھے؟

بعض فرماتے ہیں کہ ہر دور ہر دور فرشتے نہیں۔ بلکہ انسان تھے اور نیک آدمی تھے
ان کے متعلق رَبُّكَ الَّذِينَ صَالِحِينَ کے لفظ آتے ہیں۔ وہ بابل میں بست تھے۔ اور کھوکھ
علم جانتے تھے۔ تاہم جب وہ لوگوں کو یہ علم سکھاتے تھے۔ تو انہیں خبر دے بھی کرتے تھے کہ یہ علم
اچھا نہیں ہے۔ اس سے بچ جاؤ تو بہتر ہے۔ ورنہ ایمان ضائع کر بیٹھو گے۔ کیونکہ کھر پر اعتقاد رکھنا
اور اس پر عمل کرنا کفر میں داخل ہے۔ تاہم اس علم کے نزول میں کوئی خاص قباحت نہیں ہے۔ یہ
ایک علم ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہر دور ہر دور مَلَائِکَہ (فرشتے) نہیں۔ بلکہ مَلَائِکَہ یعنی ہر دور
تھے۔ اور بڑی عظمت کے مالک تھے۔ ان کے پاس یہ علم تھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مَلَائِکَہ
کا اطلاق فرشتوں کے علاوہ نیک آدمیوں پر بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ یوسف میں مَلَائِکَہ کا لفظ
یوسف علیہ السلام کے لیے بھی بولا گیا ہے اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَائِکَہُ کَرِہِمْ 'وہ انسان نہیں
بلکہ بزرگ فرشتہ ہے۔

امام ابو منصور ماتریدیؒ اور ابو الحسن اشعریؒ تیسری چوتھی صدی کے مند پایہ امام گذرے ہیں۔
یہ امام عظیمؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ آپ بڑے حکم ہیں اور علم کلام میں آپ کو بڑا مرتبہ
حاصل ہے۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ شکر کو مطلقاً کھڑکنا درست نہیں۔ کیونکہ اسکی

کیا سارا بار
کھڑکنا ہے

بعض قسمیں کفر ہیں۔ بعض فسق اور بعض بدعت۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ سحر اُسی صورت میں کفر ہے جب کہ اس میں کفر یا شرکیہ کلمات پائے جائیں مثلاً استعانت باشیاطین ہو یا مافوق الاسباب ذرائع سے مدد طلب کی جائے۔ تو ایسا سحر کفر ہوگا۔ کیونکہ غائبانہ استعانت صرف اللہ تعالیٰ سے روا ہے۔ کسی دوسرے سے طلب نہیں کی جاسکتی۔ اَيَّاكَ فَكْبَدُوْا اَيَّاكَ كَسَبُوْا کا یہی مطلب ہے کہ مافوق الاسباب عانت اُسی ذاتِ خداوندی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی استعانت خواہ شیاطین سے ہو۔ کواکب سے ہو۔ اَصْنَام یا بتوں سے مطلوب ہو۔ سب شرک میں داخل ہے۔ اوداع خبیثہ کی تعظیم غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ یہ بھی کفر و شرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا کرے گا۔ تو یقیناً کفر کا مرتکب ہوگا۔

اگر سحر میں پڑے جانے والے کلمات شرکیہ نہ ہوں بلکہ مباح یا جائز کلام ہو۔ تو پھر اس کی حیثیت مختلف ہوگی۔ اگر اس سحر کے ذریعے کوئی خلافِ شرع کام مطلوب ہے۔ کسی کی ایذا رسانی مقصود ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ سحر فسق اور معصیت ہوگا۔ اور اگر سحر کے کلمات بھی مباح ہیں۔ شرکیہ نہیں ہیں۔ اور اس سے غرض بھی فاسد نہیں ہے۔ خلافِ شرع نہیں ہے۔ تو اس صورت میں سحر تو بہر حال ناجائز ہوگا۔ مگر اسے زیادہ سے زیادہ بدعت کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اُسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم یہ کفر و شرک کے زمرہ میں نہیں آئے گا اور اگر کلمات مباح ہیں۔ ایذا رسانی بھی مقصود نہیں اور مطلوبہ کام بھی جائز ہے تو اس کو سحر نہیں کہیں گے۔ بلکہ اس کو عام اصطلاح میں عملیات اور عزیمت کہتے ہیں۔ جھاڑ پھونک، گنڈا ٹھونڈ وغیرہ اسی ضمن میں آتے ہیں۔

فقہاء اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر جادو کے نتیجے میں کسی کی جان ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے میں ساحر کو قتل کر دینا چاہیے۔ اگر سحر کی وجہ سے جان بچ گئی ہے۔ کوئی دوسرا نقصان ہو رہا ہے۔ تو نقصان کی مناسبت سے ساحر کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

جادوگر کی سزا

ساحر کو پکڑنا مشکل کام ہے۔ کیونکہ جب تک مکمل ثبوت نہ ہو کسی پر جادو کرنے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ تاہم اگر ایسا ممکن ہو یا ساحر خود اقرار کر لے تو پھر مذکورہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ بشرطیکہ ثبوت بھی اسلامی ہو۔

اہم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر ساحرہ عورت ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح مردہ عورت کو قتل کی سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اُسے قید میں رکھا جاتا ہے اسی طرح ساحرہ کو بھی قید کر دیا جائے گا۔ البتہ بعض ائمہ عورت کو بھی قتل کرنے کے حق میں ہیں۔ اگر ان فی جان کے تلف سے کم تر نقصان ہو اسے۔ یعنی محض ایذا۔ رسانی کا ارتکاب ہو سبب۔ تو ساحرہ کو ہی سزا دی جائے گی۔ جو ذمہ داری کے مقدمہ میں دی جاتی ہے۔ قرآن پاک نے ڈاکو کے لیے چار قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ یعنی سولی پر شکانا، قتل کرنا، اٹنے سے اٹھنا اور پاؤں کاٹنا، اور جس میں قید میں ڈال دینا۔ لہذا ساحر کو بھی اس کے جرم کے مطابق اسی قسم کی سزا دی جائے گی۔

میاں بڑی
میں جہانی

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا يَكْفُرُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ اِنَّمَا غَنُ فِتْنَةً فَلَا تَكْفُرُ وہ دو فرشتے باروت اور ماروت جب کسی انسان کو جادو کا علم سکھاتے تھے۔ تو اُسے واضح کر دیتے تھے کہ ہم تو آزمائش ہیں۔ تم یہ کفر نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ایمان ضائع کر بیٹھو گے۔ مگر اس کے باوجود لوگ اُن سے جادو کا علم سیکھتے تھے۔ جن میں اہل کتاب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا اور وہ ان فرشتوں سے ایسی چیزیں سیکھتے تھے مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَكْرِ وَالْمَعْرِ وَكَوْجِبَتْ جَنِّ کے ذریعے وہ میاں بڑی میں جہانی ڈال دیتے تھے۔ یہ ایسا برا عمل ہے۔ جس پر شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ تاہم محرمی ایک فن ہے۔ جس طرح دیگر فنون ہیں جیسے سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ وغیرہ وغیرہ۔

نافع اور
ضار علم

فرمایا اگر جادو ایذا رسانی کا ذریعہ ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہل ہے کہ وَمَا هُمْ بِعَسَاةٍ يَنْبَغِي لَهُمْ مِنْ أَحَدٍ اِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ایسا عمل کرنے والے ساحر

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر از خود کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تاہم جادو کرنا، اس پر یقین رکھنا، چونکہ قیامت سے خالی نہیں۔ یہ معزز ہے۔ مفید نہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُنِي اللَّهُ! میں اپنے علم سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو نفع مندرجہ ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ عَلَّمَنِي مَا يَنْفَعُنِي اللَّهُ! مجھے وہ علم عطا کر جو نفع بخش ہو۔ دنیا میں بھی اس سے فائدہ اٹھاؤں اور آخرت میں بھی فائدہ مند ہو۔ اسی بات کو فرمایا وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ یہ لوگ ایسا ہی علم سیکھتے ہیں۔ جو نفع کی بجائے انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔

فَرِثًا وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے اس علم کے ذریعے کیا خریدا ہے۔ یہ لوگ یاد رکھیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے۔ کہ آخرت میں ساحر کو اس علم کا کیا فائدہ ہوگا وہ تو اٹا غذاب میں مبتلا ہوگا۔ خاص طور پر اگر اس نے ایسا جادو کیا ہے۔ جس میں کفر و شرک پایا جاتا ہے۔ تو وہ یقیناً آخرت سے محروم ہے گا۔ اُسے فرمایا وَلِبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ انہوں نے بہت ہی بُری چیز کے بدلے میں اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ ان کا یہ سودا بہت ہی خسارے کا سودا ہے۔ لہذا لَا تَعْلَمُونَ اگر ان میں کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسا کام نہ کرتے۔

یہودیوں کے
موافقت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہودیوں کی بد اعمالیوں کا ذکر فرمایا ہے مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت امت محمدیہ کا حال بھی ان سے زیادہ مختلف نہیں ہے جب لوگ اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل ہو جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تنہی دامن ہو جائیں۔ تو پھر ہستی کی طرف ہی جانا ہوگا۔ آج انڈیا پاک میں دیکھیں۔ دیگر ممالک پر نظر ڈال لیں۔ ہر طرف گنہ گری پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب الہی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور دین کے لیے سچی وجہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ دین کا دار و مدار

عملیات پر رہ گیا ہے۔ اس کام کے لیے یہ عمل کر لو۔ اس کام کے لیے وہ وظیفہ کافی ہے
علم و عمل ختم ہو چکا ہے۔ علمائے حق کا ایک مدہم سادیا ٹھمکا ہوا ہے۔ در نہ ساری دنیا کفر و
ضلالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اہل کتاب کی طرح ہماری امت میں بھی حق و باطل غلط و صحیح ہے۔ صحیح اور غلط
کی پہچان ایک عام شخص کے لیے مشکل ہو چکی ہے۔ دیات میں حالات اور بھی خراب ہیں
جہاں کے اہم کے فرائض میں غناہ پڑنا بھی ہے۔ اور مڑے کو غسل دینا بھی۔ بچے کی پیدائش
پر کان میں اذان بھی دینی کہتے ہیں۔ حقیقت کے لیے جانور ذبح کرنا ہو۔ تو اہم صاحب کو بلا جاتا
ہے۔ اور اگر تعویذ گنڈے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی میاں صاحب دیں گے۔ ان کا علم خطہ
جموہ تھا۔ فی مسائل تک ہوتا ہے۔ دین کے علم سے بچے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ غرض یہ
حالات یہودیت سے مشابہت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت بھی
پیسے لوگوں کے نقش قدم پر بالکل اسی طرح چلے گی۔ جس طرح ایک جو تادوسرے کے مشابہ
ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بعض علاقوں میں چار چار باؤں کا ایک ہی اہم ہے۔ جگہ جگہ نے خود غم میں ملاحظہ کیا۔ کہ
ایک علاقہ میں نہ سات گاؤں کا ایک ہی اہم تھا۔ کہیں نکاح کرنا ہو۔ جنازہ پڑھنا ہو۔ وہی
مولوی صاحب انجاء دیں گے۔ تعویذ گنڈے کا کاروبار چل رہا ہے۔ نقش سیماں والی کتابیں ہیں۔
لکھنؤ والے کی کتاب نفع المخلوق ہے۔ یہ تعویذ گنڈے والی دہلوی کی کتاب۔ فائدہ ہے۔
کسی مسئلہ کا حل غلوب۔ وہ کتاب کھول کر معلوم کر لو۔ حتیٰ کہ چوری تک کی تفتیش عملیات کے
ذریعے ہوتی ہے۔ یہ کالا علم حجاز چٹوٹک وغیرہ منسل عملیات ہیں۔ یہ چیزیں یہودیوں میں لہجہ
تھیں اور آج ہم میں بھی یہی پائی جاتی ہیں جس میں صحیح و غلط بھی ہیں۔ جیسے سورۃ یسین کا ورد
ہے۔ سورہ منزل کی روزانہ تلاوت ہے۔ رزق کی فراوانی کسی جائز چیز کے حصول یا کسی
منیبت سے رہائی کے لیے کسی کو کوئی اچھی بات بتادی۔ مگر عام طور پر یہ گنڈے تعویذ
یہودیوں والے ہیں۔ ذرا کھوم پھر کے دیکھ لیں۔ ماہرین عملیات کے ہاں غورتوں کی جہاد ہے
کوئی نہیں دیکھا کہ مقصد جائز ہے۔ یا ناجائز۔ کھر بے یا شرک۔ سب ایک ہی گاڑی میں

سوار چلے جا رہے ہیں۔ یہی یہودیت کی مرافقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَآتَيْنَهُم مِّنْ لَّدُنَّا فَجْوَا۟
 کی بجائے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے۔ شرک و بدعات سے اجتناب کرتے
 لَعَشُوۡبَةً مِّنْ عِندِ اللّٰهِ خَيْرٌۭ لَّوۡكَانُوۡا يَعْلَمُوۡنَ اگر انہیں علم ہوتا۔
 ہوتے۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر انہیں علم ہوتا۔

البقرة

آیت ۱۰۴

انف

در سبیل و...

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا
وَلِكُفْرَيْنَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰۳ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ
رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصِرُ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ ۝۱۰۴ مَا نَسْخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا
أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۵
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۰۶

تو حیدر: ہائے ایمان والو! است کہو راعن بکہ کہو نظرنا اور سنا اور کفر کہنے

والوں کے لیے دردناک عذاب ہے ۝۱۰۳ اہل کتاب اور مشرکین میں سے

جنہوں نے کفر کیا، وہ نہیں پسند کرتے، کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی

بھلائی اتاری جائے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے تمہیں

کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ۝۱۰۴ جو ہم کسی آیت کو

منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی

آتے ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۝۱۰۵

کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی

ہر شے ہے اور تمہارے لیے اس کے سوا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار ۝۱۰۶

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی پستی اور غلطی کا ذکر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی

کتاب کو پس پشت ڈال دیا، دین کی سر بلندی کے کام کو ترک کر دیا، جہاد سے منہ موڑ گئے

اور ہر جادو کرنے والے جیسے سفلی اعمال کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا، انہوں نے ان برائیوں

ہی اسرار کی
اخلاقی ہستی

خاص طور پر مکر کو انبیاء عظیم السلام کی طرف منسوب کیا جو کہ ان کی ذلت کا انتہائی درجہ تھا۔
ان آیات میں اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کی اخلاقی ہستی کا ذکر فرمایا ہے جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء عظیم السلام کو ذہنی تعینت پہنچاتے تھے۔ یہودیوں نے اپنی اس ذلیل حرکت کا ارتکاب نہ صرف سابقہ انبیاء عظیم السلام کے زمانے میں کیا بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں بھی اس حرکت سے باز نہ آئے۔ اور آپ کو مختلف طریقوں سے ایذا پہنچائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس حرکت کا تذکرہ کر کے اہل اسلام کو خبردار کیا کہ وہ کسی کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے معاذ اللہ نبی علیہ السلام کی تکریم کا پہلو نکلتا ہو۔

اس مقام پر جس خاص بات کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب یہودی آپ کی مجلس میں آتے تھے تو آپ کی توجہ بند دل کرانے کے لیے رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرتے تھے جو کہ اُنْظُرْنَا کا ہم معنی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری رعایت کریں یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ اُنْظُرْنَا کا معنی بھی یہی ہے آپ ہماری طرف نہ دیکھیں، نظر کریں۔ ہماری بات غور سے سنیں۔ بظاہر دونوں الفاظ کا معنی ایک ہی ہے مگر یہودی اپنی گندی ذہنیت کے اظہار کے لیے رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور پھر اس لفظ کو کھینچ کر اور گھما کر رَاعِنَا بولتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: لَيْتَا بَا لِسِنْتِهِمْ زَبَانٌ مِّنْ بِيْرِمْ يَحْمِلُ كَرِّ لَفْظِهِمْ کرتے تھے جس کی وجہ سے رَاعِنَا کہتے یعنی ہمارا چہرہ واہ۔ مزید برآں یہودیوں کی زبان میں یہ لفظ گال کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا جس کا معنی احمق اور بیوقوف ہے۔ گویا اس طرح یہ لوگ اپنی گندی ذہنیت کا اظہار کرتے تھے۔

بندہ نبی شہید علیہ السلام
احقر العباد

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ تم اہل کتاب کی پیروی نہ کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا ۖ اٰيْمَانٌ وَالْوَاٰجِبُ تَمَّ نَبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِي تَرْجِعَ
اپنی طرف مبنی کرنا چاہو۔ تو رَاعِنَا کا لفظ استعمال نہ کرو کیونکہ اس سے لغو ذبا اللہ نبی علیہ السلام

کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اور نبیؐ کی توہین کفر کے مترادف ہے۔

سورۃ مجادلہ میں یہودیوں کی ایک اور قبیح حرکت کو بھی ذکر آتا ہے جب یہ بد بخت حضور علیہ السلام کی مجلس میں آتے تھے تو السلام علیکم کی بجائے السّام علیکم کہتے تھے۔ سام کا معنی موت یا ہلاکت ہے۔ گویا السلام کا لفظ بجا کر اسام کہتے تھے۔ اسی سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب یہودی سلام کریں ان کے سلام کا جواب دے علیکم السلام کی بجائے صرف علیکم دیا کرو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کچھ تمہارے کما۔ وہ تم پر ہی ہو یعنی اگر السلام کی بجائے اسام بولا جائے۔ تو یہ ہلاکت تمہیں نصیب ہو۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی حرکت کے متعلق فرمایا حَتَّىٰ تَوَلَّوْا لَكُمْ مُجِيبًا يَلْعَنُ اللَّهُ يَوْمَ ذَلِكَ طَائِفًا مِّنْهُمْ سِوَا نَبِيِّ ذَٰلِكَ اِنَّ طَائِفًا مِّنْهُمْ كَانُوا لَیْسَ بِاٰیْمَانٍ اِلٰی اللّٰهِ وَرَکِبُوا فِیْ اٰیْمَانٍ کَاذِبًا۔ جو اللہ تعالیٰ نے نہیں دی بھڑال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں۔ جس سے آپ کی شان اقدس میں فرق آنے کا احتمال ہو۔ وَقَوْلُوا اَنْظُرْنَا اَوْ رَاعِنَا کی بجائے اَنْظُرْنَا کہو۔ یعنی ہماری طرف نظر نہ فرمائیں۔

اہل ایمان
کو خطاب

سورۃ بقرہ میں یہ پلا موقع ہے جس میں اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے عام لوگوں کو خطاب ہوتا رہا ہے۔ جیسے یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ۔ اے نوح انسان! اپنے رب کی عبادت کرو۔ یا بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا یٰۤاَيُّهَا بَنیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا اَنْعَمْتُ اِلَیْکُمْ اَلَمْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ یعنی اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی۔ اب یہاں سے اہل ایمان سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور پورے قرآن پاک میں اٹھائی مرتبہ اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سابقہ کتب سماویہ میں اہل ایمان سے براہِ راست خطاب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا تھا۔ جو آئے اپنی امت تک ختم ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ صرف آخری امت کو شرف حاصل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اہل ایمان کو خطاب کیا ہے۔

زود مقرر شدہ میں یہ رویت ہے۔ اور امام بیہقی نے اسے شعب الایمان میں بھی بیان کیا ہے۔
 کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! مجھے کوئی نصیحت
 فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! جب تم قرآن میں یہ خطاب پڑھو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**
 تو پورے دل کے ساتھ توجہ ہو جایا کرو۔ یہ سمجھ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم سے براہ راست خطاب فرماتا
 ہے۔ اس سے بڑی نصیحت اور وصیت کیا ہو سکتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ
 پوری توجہ کے ساتھ ہر تن گوش ہو کر سنا کر کہ اللہ تعالیٰ کیا حکم فرما رہے ہیں۔ کس چیز کے کرنے کا
 حکم ہے۔ اور کس چیز سے رک جانے کی بات ہے۔

مغرض! اس خطاب میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی توجہ بند دل کھٹنے
 کے لیے **رَاعِبًا** کا لفظ استعمال نہ کرو جبکہ **الْخُطُوبَاتُ** سے خطاب کیا کر داس خطاب میں
 امر اور نہی دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تاکید فرمادیا **وَأَسْمَعُوا** یعنی جو حکم ہو
 رہا ہے۔ اُسے خوب غور سے سنو۔ کیونکہ یہ ایک بڑا اہم حکم ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ عام گفتگو میں مشتبہ الفاظ استعمال نہ کرو۔ کوئی شخص اپنے
 غلام یا لونڈی کو عبیدیٰ اور اہلیتی کہہ کر نہ پکارتے۔ لفظ **عَبْدٌ** سے شہرہ بدہم ہوتا ہے۔ کہ
 پکارنے والا شاید اپنے آپ کو موجود مجبور ثابت۔ حالانکہ موجود تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے
عَبْدٌ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر معاملہ بالکل واضح ہونا چاہیے۔ کسی قسم کا شبہ نہیں رہنا
 چاہیے۔ اسی طرح لونڈی کو بندی کہہ کر نہ پکارتے کی بجائے لونڈی کہہ کر پکارو۔ غلام اور لونڈی کو
 فتائی اور فتاة کہہ کر بھی بلایا جاسکتا ہے۔ یعنی اُسے جوان یا بے لونڈی۔ حضور علیہ السلام نے
 فرمایا۔ جبکہ لفظ اس لیے مناسب نہیں کہ **كُلُّكُمْ عَبْدٌ لِلَّهِ** کہ تم اللہ تعالیٰ کے بند
 ہو۔ اسی طرح ساری عورتیں اللہ تعالیٰ کی بنیاں ہیں۔ یہ کسی انسان کے بندے یا بنویں نہیں ہیں۔
 لفظ **مَوْلَى** بھی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کو بلا تخصیص ہر جگہ استعمال کرنا
 اشتباہ پیدا کر سکتا ہے۔ مولا کے کئی معنی ہیں جیسے دوست، صاحب، آقا، غلام، غلام

مشتبہ الفاظ کے
 استعمال کی ممانعت

آزاد کرنے والا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی کہ اس لفظ کو غلط طور
 مت استعمال کرو۔ جس سے شبہ پیدا ہوتا ہو۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے: حضور علیہ السلام
 نے فرمایا: لَا تَقُولُوا لِلْعَنْبِ الْكَرْمِ یعنی انگور کو کرم مت کہو بلکہ عنب کہو۔ یا جلد کہہ سکتے ہو۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم تو مومن کا بڑا ہے۔ جس میں ایمان پایا جاتا ہے۔ اور جس میں اخلاق خرد
 ہوتے ہیں۔ ایسی چیز کو انگور کے معنوں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ انگور سے عام طور پر شراب
 تیار کی جاتی ہے۔ جب لوگ شراب کی تعریف کرتے ہیں۔ تو اس میں جب کرم کا نام آتا ہے
 تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شراب کرم یعنی بخشش اور فیاضی سے کشیدہ کی گئی ہے۔ لہذا اس
 لفظ سے بالواسطہ شراب کی تعریف ہوتی ہے۔ لہذا انگور کے لیے کرم کا لفظ استعمال کرنے
 سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
 کسی لفظ یا
 استعمال سے
 نہیں

یہ لفظ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی راہنمائی کرنے والا ہے۔ بلاشبہ پیغمبر بھی امت
 کی راہنمائی کرتے ہیں۔ مگر یہ ایک ایسا لفظ ہے جو ہر قسم کے راہنما کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
 عام طور پر اس کا اطلاق سیاسی لوگوں پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ اخلاقی اقدار اور دیانہ اری سے بے بہرہ
 ہوں اور خواہ ان کی فکر بھی فاسد ہو۔ اہل اسلام میں سے ہوں یا غیر مسلم۔ متقی ہوں یا فاسق۔ ناجز
 یہ لفظ سب کے ساتھ یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور بین الاقوامی طور پر یہ لفظ چرچل برٹین
 قبائل۔ راجن وغیرہ قسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ لہذا اس قسم کا مشتبہ لفظ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ
 وسلم کے برگزیدگان شان نہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض مفسرین نے اپنی تصانیف میں یہ لفظ
 حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کیا ہے۔ جو قطعاً نامناسب ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
 کہ مشتبہ لفظ کسی عام چیز کے لیے بھی استعمال نہ کیا جائے چہ جائیکہ خود حضور والاصفات علیہ السلام
 کی ذات اقدس کے لیے ایسا لفظ بولا جائے۔ پیغمبر کے لیے انگریزی کے متبب دل الفاظ
 MESSENGER (پیغمبر یا پرافٹ PROPHET) وغیرہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

انفرض فرمایا کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کر۔ جو آپ کی شان کے خلاف ہو۔ مگر
 کوئی ایک کریم تر اور کمزور و لکھنوی عذاب الیم کہہ کر کہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب
 تیار کر رکھا ہے۔

فَرِادَ مَا يَوْعَدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ
 عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ هَا اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ
 نہیں پسند کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بہتری کی چیز اتاری جائے۔ مشرکین کو
 میں ابو جہل، ابوسب، عتبر اور شعیبہ جیسے بڑے بڑے سردار تھے۔ وہ حضور علیہ السلام سے حسد
 کرتے تھے کہ اگر وہ آپ کو نبی تسلیم کر لیتے تو ان کی سرداری حضور علیہ السلام کو منتقل ہو جاتی تھی۔ اور وہ
 بزعیم خویش پائیز ہو کر رہ جاتے تھے۔ دوسری طرف اہل کتاب تھے جو امید لگائے بیٹھے تھے کہ نبی
 آخر الزمان بنی اسرائیل میں آئے گا۔ جب آخری نبی ہونے کا دعویٰ بنو اسماعیل کے قبیلہ قریش
 میں سے ہوا تو وہ بھی حسد کی آگ میں جلنے لگے لہذا انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم
 کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی رکوع میں آگے آئے گا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ
 انہوں نے حسد کیا اور ایمان کی دولت سے محروم رہے اسی لیے فرمایا کہ اہل کتاب اور مشرکین
 نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک آپ پر نازل ہو۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں پر تمہاری خواہشات اور
 توقعات کی بات نہیں بلکہ واللہ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْخَاسِمِ اللہ تعالیٰ
 جسے چاہے اپنی رحمت کیلئے ناس لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اس نے یہ پسند کیا کہ اپنی رحمت
 خاصہ بنو اسماعیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر نازل فرمائے۔ اس سے پہلے
 اللہ تعالیٰ بنو اسماعق پر بے شمار رحمتیں نازل کر چکا ہے۔ اس قوم میں بڑے بڑے بادشاہ اور
 جلیل القدر مول بھیجے۔ اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ
 تفصیل تذکرہ کسی گزشتہ درس میں گزر چکا ہے۔ اس قوم میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نبی
 مبعوث فرمائے۔ اور کتنوں کو بادشاہت بھی عنایت کی۔ ایسی حکومت اور بادشاہت
 جو دنیا میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ تو اب کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کر رکھا ہے۔
 کہ نبوت بنو اسماعق سے باہر نہیں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں ہے کہ سلسلہ نبوت

کو بنو اسماعیل پر ختم کرنا تھا۔ لہذا سن میں بڑا سختی کے لیے سد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے

تفسیر آیات
کہ جہات

بنی اسرائیل اور سترکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جب قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ پہلی کتابوں کا معنی ہی ہے۔ تو پھر یہ سابقہ کتب کے احکام کو منسوخ کر کے نئی تربیت کیوں نافذ کرتا ہے۔ نیز پہلے ہی احکام کو بعض اوقات تبدیل کر دیتا ہے۔ بقول ان کے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ معاذ اللہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو معطلے کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو حکم جاری کر دیتا ہے۔ مگر جب اس کا پوری طرح علم ہو جاتا ہے۔ تو حکم میں ترمیم کر دیتا ہے۔

دیانہ مسرواتی بندہ دوز کی آریہ سماج تنظیم کا مشورہ لیا ہوا ہے۔ اپنی نوعیت کا شرارت پسند آدمی تھا۔ یہی اعتراض — اُس نے اپنی کتاب میں بھی کیا تھا کہ کسی پسند ہی حکم کو منسوخ کر دینا جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیا تھا کہ احکام کی تفسیر جہالت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم و عظیم ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر حکم حالات کے تقاضوں کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ جب حالات متغیر ہوتے ہیں۔ تو پہلا حکم منسوخ کر کے دوسرا جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر یا حکیم کسی مریض کو صبح کے لیے اور دوا دیتا ہے اور شام کے لیے دوسری۔ یا ایک ہفتہ ایک دوا استعمال کراتا ہے تو دوسرے ہفتے کے لیے کوئی اور تجویز کرتا ہے۔ کیا ڈاکٹر یا قوف ہے یا جاہل جو مختلف اوقات کے لیے مختلف دوا تجویز کرتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر مریض کے حالات کے مطابق دوا کو منسوخ کر دیتا ہے یا تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کسی قوم کے حالات کے تقاضے کے مطابق احکام نازل فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ضرورت ہوتی ہے۔ بعض احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں یا اپنی حکمت کی بنا پر احکام میں ترمیم کرتے ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو کہ تمام اقوام کے لیے خیال طور پر نافذ العمل ہے۔ لہذا اس نے

پہلے سترائے کو منسوخ کر کے بعد ہی احکام نافذ کر دیے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ دین تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ یہ کبھی منسوخ نہیں ہوا۔ البتہ مختلف سترائے میں بعض اختلافات رونما ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً کسی شریعت میں اونٹ کا گوشت حرام تھا۔ ہماری شریعت میں حلال ہے۔

_____ کسی شریعت میں درگت نہیں ایک نسخ میں آ سکتی تھیں یہ ہے
ہاں حرام ہے۔ اَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ ذَاتَيْنِ الْبَتَّةِ دین کے بنیادی اصول کبھی منسوخ نہیں کیے
تین صحیح آیات کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ تو کوئی امور میں جوں جوں
حالات بدلتے ہیں۔ احکام بھی بدلتے جاتے ہیں۔ جب انسان بچہ ہوتا ہے۔ تو اس کی ضرورت
اس کی عمر اور اس کے حالات کے مطابق ہوتی ہیں۔ جب جوان ہوتا ہے۔ تو اس پر دوسرے
احکام نافذ ہوتے ہیں۔ پھر جب بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو حالات کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے۔ اسی
طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بھی اقوام عالم کے حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتے
رہے ہیں۔ یہ ایسی اعتراض والی بات نہیں ہے۔

الغرض ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا لَكُمْ كَيْتَ كَسْرٍ
منسوخ نہیں کرتے یا اسے نہیں بھلا دیتے۔ نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا لَكُمْ اس سے بہتر
آیت یا حکم لے آتے ہیں اور ہٹا دیتا ہے یا کم از کم اُس جیسا ہی لے آتے ہیں۔ نیا حکم بہر حال پہلے
سے بہتر ہوتا ہے۔ بکتر نہیں ہوتا۔ بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم پہلے کی نسبت اجر میں بہتر ہوتا
ہے۔ آیت یا حکم بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذہن سے ایسی آیت فراموش کر دی جائے
آیت کا یاد کرنا یا بھلانا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں فرمایا سَنُقَرِّنُكَ
فَلَا تَنسَىٰ ہم عنقریب آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں اِلَّا مَا شَاءَ
اللہ ہاں جس کو اللہ بھلانا چاہیں۔ وہ آپ بھول جائیں گے یہاں یہ بھی نَسِیْنَا کا مطلب
یہی ہے کہ جس حکم کو تبدیل کرنا مقصود ہوتا ہے اسے نکلتا منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ یا اُسے

پھر پیر علیہ السلام کے ذہن سے محو کر دیا جانتے۔ فَرَأَىٰ الْآلُفَ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنی رحمت اور فشار کے مطابق آیت نازل کرتا ہے۔ بعض کو قائم رکھتا ہے۔ اور بعض کو منسوخ کر دیتا ہے پھر ان سے ہتر یا ان جیسی اور نئے آتا ہے۔ ایسا کرنا تحمل و تحمل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس پر اعتراض کرنا حماقت کی نشانی ہے۔

پھر فرمایا الْأَلُفُ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ اے مخاطب! کیا تم جانتے نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جب وہ ایک الملک ہے تو کیسا اُسے یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی حکم کو منسوخ کر دے یا تبدیل کر دے۔ معاذ اللہ کیا وہ مجبور ہے کہ ہر حالت میں ایک ہی حکم کو جاری رکھے۔ اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کی حاکمیت کو ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لہذا وہ تین ہی احکام پر پوری طرح قادر ہے۔ اور یہ اس کا حق بھی ہے۔

فرمایا یاد رکھو! کہیں جبکہ نہ جانا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔ ولی کا معنی عام طور پر سرپرست ہوتا ہے۔ یہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات سرپرست کمزور بھی ہوتا ہے۔ جو کہ مدد کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ مگر نصیر وہ ہوتا ہے جو فی الواقع مدد کے قابل ہو۔ دوست و محافظ میں سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ولی وہ ہوتا ہے جو زبانی طور پر مدد کرتا ہے۔ در نصیر وہ ہے جو عملی طور پر مددگار ثابت ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ ان دونوں صفات کا مالک ہے۔ وہ اپنی مخلوق کا ہر طرح مددگار ہے۔ وہ قادر مطلق بھی ہے اور عظیم کل بھی ہے۔ جو نہ حکم چاہے نافذ کر دے اور جسے چاہے منسوخ کر دے اس کے ارادہ اور قدرت میں کوئی دوسرا تحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ خود ہی احکام جاری کرتا ہے۔ اور اپنی ہی مشیت سے بعض کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اس پر اعتراض نہ من سب ہے۔

الْعَا

درس چہل ورس

البقرة ۲

(آیت ۱۰۱-۱۱۰)

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ
وَمَنْ يَتَّبِعْ ذَلِكَ الْكُفْرَ يَأْذِنُ فَعَدُ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ
⑩ وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ
إِيمَانِكُمْ كَفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ أَفْكَرٍ
مَّا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑪ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَمَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ
إِنْ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑫

ترجمہ: کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ پہلے رسول سے اسی طرح سوال کرو جس
طرح اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔ اور جو شخص ایمان کے بدلے میں کفر
اختیار کرے گا، وہ میدانِ راستے سے گمراہ ہو گیا ⑩ اہل کتاب میں سے بہت
سے پسند کرتے ہیں کہ مومن ہونے کے بعد تمہیں کفر کی طرف پلٹدیں۔ اپنے
نفوس میں حسد کرتے ہوئے۔ بعد اس کے کہ ان کے لیے حق ظاہر ہو گیا ہے۔
پس درگزر کرو اور معاف کر دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ جسکے تحت
ہر چیز پر قادر ہے ⑪ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے ہو اور بھلائی میں سے
جو کچھ تم اپنے نفوس کے لیے اگے بھیجو گے۔ اس کو اللہ کے پاس پارو گے۔
اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کو دیکھنے والا ہے۔ ⑫

بنی اسرائیل کی غزایوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ
نے اہل ایمان کو راعنا کا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس کی بجائے اُنظُرْنَا
استعمال کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ یہودی دید و دانستہ راعنا کا لفظ بولتے تھے۔ جس سے

ربطیات

معاذ اللہ یہ غیر علیہ السلام کی توہین کا سبب نہ تھا۔ گذشتہ درس میں اس بات کو انکشاف دیا گیا تھا کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کوئی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر کوئی بہتر نیز نازل فرمائے۔ یہ لوگ نبی کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ پھر انہوں نے نسخ آیات کا مسئلہ بھی اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم جانی کرے بعد اُسے منسوخ کیوں کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ ایسا کسی لاعلمی یا جہالت کی بنا پر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ جس طریقے پر نوح انسانی کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس کے مطابق شریعت نازل فرماتا ہے۔ اسکی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر کسی مریض کو مختلف اوقات میں مختلف دوائیں دیتا ہے۔ کسی کو منسوخ کر دیتا ہے۔ کسی کو تبدیل کرتا ہے اور کسی کو جاری رکھتا ہے۔ یہ مریض کے حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے حالات کے مطابق شریعت میں تبدل فرماتے ہیں۔ وہ ملک الملک جس طرح چاہتا ہے حکم نازل فرماتا ہے۔ اس کے کسی حکم پر اعتراض کرنا اس کے قادر مطلق ہونے پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔

یہودیوں کے
سوالات

ان آیات میں یہودیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم نبی آخر الزمان سے ایسے سوالات نہ کرتے جو جیسے تمہارے آباء و اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَأَيْتُمُ الَّذِينَ
اَنْ تَسْأَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سَآلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ فَخَرٰهُمْنَ اَنْ يَّخْبُرُوْا
ہیں کہ اس آیت میں روئے سخن اہل کتاب کی طرف ہی ہے۔ یہی لوگ حضور علیہ السلام سے طرح طرح کے یہودہ سوالات کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان سے سوال کرتی ہے۔ اُن کے سورۃ ناریں اس کی تفصیل آئے گی "يَكُفِّرُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ
اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ۚ اِلٰى كِتٰبِ اٰپ ت سوال دیتے ہیں۔
کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب بیک وقت اکھنڈ کیوں نہیں لاتے۔ بسیار توراۃ مکمل طور پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے سوالات کو نامہ میں نہ لائیں۔ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ اَنْ يَّخْبُرُوْا

نے تو نبی علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا۔ کہنے لگے اَرِنَا اللّٰهَ جَهَنَّمَ اَبَشَرْتَعْنِ
سے ہماری بانٹا فحاشات کرانیں۔ تب ہمارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اتاری ہے
سورۃ بقرہ میں بھی اس قسم کے سوالات گزر چکے ہیں۔

مشرکین کے
سوالات

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطبین اہل کتاب کے علاوہ مشرکین
بھی ہیں۔ ان کے یہود و سوالات کا تذکرہ بھی قرآن پاک کے مختلف مقامات میں موجود ہے۔
سورۃ بنی اسرائیل کے مطابق انہوں نے نبی علیہ السلام سے فرشتہ کی کہ آپ یسویٰ لگا کر ان
پر چڑھ جائیں۔ اور پھر وہاں سے کتاب لائیں۔ مکے کی سرزمین کو باغات میں تبدیل کر دیں۔
آپ کے ارد گرد فرشتوں کی جماعت ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ خود ہمارے سامنے آکر
آپ کی رسالت کی تصدیق کرے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام سوالات
کا ایک ہی جواب دیا۔ قَدْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكَ يَعْنِي
میں انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ کہ میں قادر مطلق
ہوں اور جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ وہ جو چاہے کرتا
ہے۔ مقصد یہ کہ یہود کی طرح مشرکین بھی طرح طرح کے سوال کرتے تھے۔ اس قسم کے سوالات
کا مقصد محض ختمہ چینی ہوتا ہے اور کسی بات کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے

صریح کفری

فرمایا اس طرح کے بے معنی سوالات نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہوگا۔
وَمَنْ يَتَّبِعْ اِلَ الْكَفْرِ يَنْصَرِفْ بِاَرْسَالِ الْوَحْيِ اِيْمَانُ كَيْفَ يَكْفُرُ اَقْبَارُ كَرِهًا
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ دوسرے راستے سے ہٹک گیا گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ
اعتراض برائے اعتراض اور وہ بھی ایذا رسانی کے لیے کھلی گمراہی اور کفر ہے۔ یہاں پر
اگر یہ روئے سخن اہل کتاب اور مشرکین کی طرف ہے۔ تاہم بات اہل ایمان کو بھی سمجھانی
جاری ہے کہ جو بھی اس قسم کے یہود و سوالات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو تسلیم نہیں کرے گا۔ وہ بہر حال راستے سے ہٹک جائے گا۔

لَا تَسْأَلُوهُنَّ عَنْ شَيْءٍ اِنْ سَبَدَ لَكُمْ فَسْأَلُكُمْ عَنْهُنَّ فَسْأَلُكُمْ عَنْهُنَّ فَسْأَلُكُمْ
 الْقُرْآنُ تَسْبَدَ لَكُمْ یعنی نزول وحی کے زمانے میں سوال نہ کیا کرو۔ اگر بعض چیزوں
 کے متعلق سوال کرو گے، تو وہ ظاہر کر دیا جائے گا۔ اور تم کو ناگوار گزرتے گا۔ تمہارے لیے
 بنامی کا باعث ہوگا۔ اس لیے صحابہ کرام کثرتِ سوال سے اجتناب کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی قوم نہیں دیکھی۔ وہ مضمحل اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کیا
 کرتے تھے۔ یہاں کرنے سے ڈرتے تھے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ باہر کا کوئی اعرابی سوال
 کرتے تو وہ بھی استفہد ہوں۔ خود سوال کرنے میں بہت محتاط ہوتے تھے۔ قرآن پاک میں کل
 بارہ سوالات کا ذکر آتا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے کیے۔ ان میں یَسْأَلُكَ
 عَنِ الْخَضِرِ اَوْ يَسْأَلُكَ عَنِ الْيَسْمِیْ یَسْأَلُكَ عَنِ الْحَبِیْبِ وَغِیْرَ اِیْہِ
 سوالات شامل ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشا درمی شے۔ اسے لوگوں نے
 اور بے مقصد سوال نہ کیا کرو۔ کیونکہ پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کَثْرَةُ مَا یَسْأَلُوْهُ
 فَخْتَدَتْ فِہُمْ عَلٰی اَنْ یَّسْأَلُوْا کَثْرَتِ سَوَالِہِمْ وَجِبَہِہُ سَ اَنْہُمْ لَیْسَ بِہِمْ اِلَہٌ
 اختلاف کیا اور ہلاک ہوئے۔ لہذا کثرتِ سوال سے بچو۔ ہاں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے یا کسی
 کام کے جواز یا عدم جواز کے لیے سوال کرنے کی ممانعت نہیں۔ زیادہ سوال کرنے میں قباحت
 یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سوال کا جواب تمہیں ناگوار گزرتے یا بنامی کا باعث ہو۔ اکثر
 سوال محض نکتہ چینی یا ایذا رسانی کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے منع کیا کہ اے اہل ایمان! تم
 یہود کی روش پر نہ چلو اور کثرتِ سوال سے اپنے آپ کو بچنا

مسلمانوں کو سوالات کی ممانعت کی ایک وجہ تھی کہ اہل کتاب مسلمانوں کو اکستے تھے
 کہ اپنے نبی سے یہ سوال پوچھو، اور اس سے ان کا مقصد فتنہ پر بازی ہوتا تھا۔ اہل ایمان کو
 یہ بھی نصیحت ہے کہ وہ یہودیوں کی باتوں پر اعتماد نہ کریں۔ پسے گند چاہے کہ لوگ

تحر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی فضول باتیں کرتے تھے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں
شہ ڈالنا مقصود تھا۔ تاکہ اہل ایمان اسلام سے دستبردار ہو جائیں۔ ان کی سازشوں سے محفوظ
رہنے کے لیے فرمایا کہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ایسے معنی سوال نہ پوچھ کر دو۔

اہل کتاب کے
باطنی اندسے

مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے اردت بڑے خدناک میں وَذَّكَتِیْ
مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ مَرَدُّوْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اٰیٰتِنَا لَكُمْ كُفٰرٌ نَّجَسٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ
چاہتے ہیں کہ تمہیں پھر ایمان سے کفر کی طرف لوٹادیں۔ وہ ہر وقت اسی کوشش میں لگے
رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمان کمزور ہو جائیں۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ وہ بھی اپنے سابقہ دین
پر پٹ بائیں۔ یہ تو نزول قرآن کے زمانہ کی بات ہے۔ کہ اہل کتاب مسلمانوں کو پھٹا چھوڑنا
نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کی یہ کوشش سچ نمک جانی ہے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو دوبارہ
کفر کی طرف لوٹا دیا جائے۔ دنیا میں جتنی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ یہ سب اسی کام کے لیے
ہیں۔ دوسرے مقام پر آئے ہیں فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءٌ سب برابر ہو جائیں۔ جس طرح
وہ خود گمراہ ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی ان کی روش پر چل نہیںیں۔ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ
کی کتاب اور انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ اسی طرح مسلمان ان کو نہ مانیں۔ اہل کتاب کی دل
خواہی یہی ہے۔

فرمایا اہل کتاب کی اس گندنی ذہنیت کے نیچے ن کی ایک اور خباثت کا ذکر فرمایا
یعنی حَذَّاءٌ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ان کے نفسوں میں چھپا ہوا حسد ہے۔ جو انہیں مسلمانوں
کے خلاف ابھار رہا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کسی غلط فہمی یا لالچی کی بنا پر نہیں
کرتے بَلْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاِنَّهُمْ لَكٰفِرُوْنَ سب کچھ حق کے اظہار کے بعد
کے رہے ہیں۔ انہیں حق اور باطل میں تمیز ہو چکی ہے مگر حسد اس بات پر کرتے ہیں کہ نبی
آخر الزمان نسل النبی علیہ وسلم کو باغیوں کی بجائے باغیوں میں کیوں نہیں آیا۔

حسد بدترین
بیماری ہے

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حسد و بدو کی بنا پر جو تباہی ہو جائے۔ اور ایسا کہ فتنہ فتنہ

لوگوں میں سے اور پھر اس کے زوال کی قتا کی جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فذل نعمت اسکی بجائے لمحے طنی چاہیئے، ایسی خواہش کرنا حرام ہے، یہ اخلاقی بیماری ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: **إِنَّ لِّلْحَسَدِ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا يَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ** یعنی حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح خشک کوئلہ کھا جاتی ہے۔ حسد اتنی بڑی چیز ہے۔

امیر بن ابی صلت عرب کا عظیم شاعر اور حکیم تھا۔ خدا کو مانتا تھا۔ قیامت کا تصور ذہن میں نہ دیتا تھا۔ اسی لیے سنیہ مذہب کا متلاشی تھا۔ کبھی تو رات کا مطالعہ کرتا کبھی انجیل پڑھتا کبھی اہل کتاب سے گفتگو کرتا۔ تاکہ حق کو پاس کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو یہ شخص سد کی ناک میں جلنے لگا۔ یہ پاستا کہ وحی میں پناہ نہ ہوتی۔ محض حسد کی وجہ سے دین خالص کا مخالف ہو گیا۔ اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حسد کو قطعاً حرام ہے۔ اہل غیب یا شک جائز ہے۔ غلط کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے پاس نعمت دیکھ کر تمن کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایسی نعمت سے سرفراز فرمائے حسد کا معنی تو یہ ہے کہ جس کو کوئی بستی ملی ہے وہ اس سے محروم ہو جائے، بلکہ غلطی کسی کے زوال کی تمن نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔

بزرگان دین فرماتے ہیں **مَا خَلَقَ جَعْدٌ عَنْ حَسَدٍ** عام طور پر کوئی جسم حسد سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لیے تموز کی تمعین کی گئی ہے: **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ** اے اللہ میں عاصد کے حسد سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ہر حال حسد ایک بہت بڑی بیماری ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

جیسا کہ عرض کیا، غیر مسلم اقوام میں مسلمانوں کے خلاف حسد کی آگ نزول قرآن کے زمانے سے لے کر آج تک برابر بھڑک رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس وغیرہ کی حیاتی طاقتیں اردوں روپیہ اس مقصد کے لیے خرچ کر رہی ہیں

غیر مسلم
حسد اقوام

کو کسی طرف سے نہ تعلق قرآن پاک سے منقطع کر دیا جائے۔ مستشرقین کا فتہ اسی مقصد کے لیے اٹھ کر رہا ہے۔ امیر شکیب ارسلان نے الحاضری العالم الاسلامی جو ان کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ یورپی حیاتیوں اور یودیوں نے بغیر اصلی اللہ علیہ وسلم کی سیریلبر کو نسخہ کرنے سے پہلے قرآن پاک کی تردید میں چھ لاکھ کی تعداد میں کتابیں شائع کیں تاکہ مسلمان اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اگر عیسائیت نہ مانتے قبول کریں تو کم از کم مسلمان کی حیثیت میں باقی نہ رہیں۔ مشنری سکول، ہسپتال وغیرہ سب اسی مقصد کے لیے چلے رہے ہیں۔ لوگوں کو بیچ دیکر عیسائیت کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ یہ اسی حسد کی بنا پر چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق اپنے نبی سے کٹ جائے۔ اور یہ قرآن پاک کی تعلیمات کو چھوڑ دیں۔

مہرِ رحم

پڑھ کر اچھا

مہرِ رحم کا انکار بھی یہودیت کا شاخ نہ ہے۔ اس شخص کی خواہش کی داد دوسرے نے فیصلہ شریعت کو رٹ میں دعویٰ دائر کیا ہے۔ کہ رحم کی سزا کو کالعدم قرار دیا جائے۔ کیونکہ بقول اس کے یہ شرعی مد نہیں ہے۔ مقصد یہ کہ لوگ شوک و شبہات میں مبتلا ہو کر دین سے بیزار ہو جائیں۔ غارتیوں نے بھی یہی اعتراض کیا تھا۔ اور آج کے زمانے کے پرویزی اور چکوالی بھی اسی قماش سے ہیں۔ کہ قرآن پاک میں رحم کی سزا نہیں ہے۔ بمبئی! صحیح سنت میں تو موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رحم کے متعدد گیس ہوئے۔ صی یہ کہ تم نکمے بنانے میں رحم کی سزا دی گئی۔ اگرچہ عام طور پر رحم کی سزا قرارِ جرم پر ہی دی گئی۔ تاہم اکتے دسے ایسے واقعات بھی پیش آئے۔ جن میں گروہی کی جیہ پر رحم کی سزا دی گئی۔ اس زمانے میں کسی کو رحم کی سزا ملی ہو یا نہ۔ یہ الگ بات ہے۔ مگر اس کے شرعی مد ہونے سے مجالِ انکار نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک کے
خلاف سازش

مستشرقین جنہیں محقق اور ریسرچ سکار کا نام دیا جاتا ہے۔ انہوں نے قرآن پاک اور مہرِ رحم کی سزا علیہ وسلم پر بھی بحث چھیڑی کی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے بدظن ہو جائیں۔ فیڈر سٹون نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں برٹاکا تھا۔ کہ محمد کی کتاب قرآن اور ان کی قوار انسانیّت کی دشمن میں (العیاذ باللہ) اس نے قرآن پاک ہاتھ میں لیکر کھاتھا۔ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے۔ یہ دنیا مذہب نہیں بن سکتی۔ لہذا

اس کی عزت و توقیر لوگوں کے دلوں سے مٹا ہوگی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جو فحاشی سے روکتی ہے۔ اور فحاشی اور عیاشی کے بغیر تہذیب نہیں آسکتی ان کے نزدیک انسان مہذب نہیں کہلا سکتا۔ لہذا ان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ کسی طرح قرآن پاک کو دنیا سے محو کر دیا جائے۔

فرمایا بہت سے اہل کتاب یہ پسند کرتے ہیں کہ تمہیں کفر کی طرف پٹا دیں۔ ایمان کے بعد احمد کرتے ہوئے بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کو تعین کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب کے خلاف کسی قسم کا انتقامی جذبہ ذہن میں نہیں رکھنا۔ بلکہ فَاَعْتَنُوا پس مہذب کرو۔ وَاَصْلَحُوا اور درگزر کرو وَكُنْ يَاقِيَاللّٰهُ بِأَمْرِهِ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم سے آئے۔ گویا مسلمانوں کو انتقامی کارروائی کی بجائے حکم الہی کا انتظار کرنے کو کہا گیا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ اور مدینہ طیبہ بلکہ پورے عرب کو یہودیوں اور نصاریوں سے پاک کر دیا گیا۔ فرمایا إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وقت آنے پر وہ ان بدعظمتوں سے مواخذہ کرے گا۔

نماز اور زکوٰۃ

اہل کتاب کی طرف سے جو کس بننے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے فرائض پر کاربند بننے کی تعین بھی فرمائی۔ وَأَقِمْو الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ تمہاری طاقت کا منبع یہی دو چیزیں ہیں۔ انہیں مضبوطی سے تھام لو۔ تمہاری تمام تر قوت کا دار و مدار تعلق باللہ پر ہے۔ اور نماز۔ زکوٰۃ اس کا منظر ہے نماز کسی حالت میں بھی حاف نہیں۔ اسے وقت پر ادا کرتے رہو۔ اور اگر صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرو۔ بخل جیسی قبیح بیماری کا یہ بہترین علاج ہے۔ اسے کبھی نظر انداز نہ کرو۔ غیر مسلم اقوام مادی ترقی میں پیش پیش ہیں۔ اس معاملہ میں وہ تمہیں اپنے برابر نہیں آنے دیں گی۔ اگر تم یہ ہدف قائم کرو کہ چاس برس میں امریکہ کے برابر مادی ترقی حاصل کر لو گے۔ تو ممکن نہیں۔ کیونکہ اس وقت تک مہرہ تم سے پچاس سال مزید آگے نکل چکا ہوگا۔ لہذا تمہاری طاقت کا سرچشمہ مادی وسائل کی بجائے نسوۃ و زکوٰۃ ہے۔ انہیں کے ذریعے اللہ ایمان اور وحییت پیدا ہوگی تعلق بانہ قائم ہو۔ جو طاقت کا اصل سرچشمہ ہے۔

فرمایا: یاد رکھو۔ وَمَا تَقْدِرُ مَوَارِدَ نَفْسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ
 تم اپنے نفسوں کے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے۔ کوئی نیکی۔ کوئی نیک عمل۔ صدقہ خیرات کرو گے
 خدا ادا کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ اس کا واضح
 اعلان ہے: مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ایک ذرے کے برابر کیا ہوا عمل بھی ضائع نہیں
 ہوگا۔ بلکہ انسان اپنا برا چھاپا برا عمل قیامت کے دن دیکھ لے گا۔ یہاں جی فرمایا کہ جو کچھ تم
 اعمال کے ذریعے آگے بھیجو گے تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ اُسے اللہ کے ہاں پا لو گے۔ ہر چیز
 کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر فعل کو
 دیکھ رہا ہے۔ کوئی چیز اس کی نظروں سے مخفی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم کوئی کام کس
 نیت اور ارادے سے انجام دے رہے ہو۔

۴۰

درس چہل و چہارم

البقرة

(کیت ۱۱۲)

وَقَالُوا لَوْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ
 أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ
 مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِندَ رَبِّهِ
 وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

تدجہرہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ داخل ہرگہ جنت میں مگر وہ جو یہودی ہوں

نصرانی ہمدرد یہ ان کی خوابشات ہیں۔ نے پیغمبر اکرمؐ کو دیکھے، لاؤ اپنی دلیل اگر تم مجھے بر

۱۱۱) کیوں نہیں۔ جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکا دیا، اور وہ نیک کام

کرنے والا ہو۔ پس اس کے لیے اس کے رب کے اہل بدلہ ہے یعنی لوگوں پر

نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۱۱۲)

اہل کتاب کی خرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ اخبار عظیم السلام سے فضول سوال کرتے

تھے۔ اور پھر ان سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان کی مدد سے

منع فرمایا۔ کہ تم یہودیوں دے کام نہ کرنا۔ اور ان کے بےکادے میں اگر دین میں شک نہ کرنے

لکھا۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ اہل ایمان پھر کفر کی طرف پلٹ آئیں۔ اہل کتاب حاسد ہیں۔ اسی بنا

پر وہ انبیاء علیہم السلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں نقس نکالتے ہیں۔ تاکہ مسلمان

اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ الغرض: بنی اسرائیل کی یہ ضربیاں: مِیْبَتِیْ اِسْدَاءِ یٰدِ

ذَكَرُوا نِعْمَتِي الَّتِي سَمِعْتُمْ دُرُوحَ رُوحِ مِثْلِ حُضْرَتِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنْ كُنْتُمْ

اور غارِ کعبہ کے ذکر تک چلی گئی ہیں۔ ساتھ ساتھ اہل ایمان کو ان خریوں سے بچنے کی تلقین کو

جاری ہے۔

۱۔ کتاب میں یہودی اور نصرانی دونوں فرقے پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں کی نسبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کی

پیروقتاری

راجڑايت

طرف منسوب کرتے ہیں۔ محض حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کامل ایمان ہے اور نہ توحید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کر کے اس کا علیحدہ بگاڑ دیا۔ اس بات کا تذکرہ گذشتہ دروس میں آچکا ہے۔ آج کل یہودیوں کو صیہون بھی کہا جاتا ہے۔ صیہون ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ ان نسبت سے انہیں صیہونی کہتے ہیں۔

نصاری اپنی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی طرف کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بستی کا نام ناصروقت۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ تاہم مسلمان مفسرین کو اللہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر کہا تھا مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ یعنی اللہ کے راستے میں میری کون مدد کرے گا۔ تو حواریوں نے کہا تھا نَحْنُ أَنْصَارُ الْمَلِكِ بَنِي الْمَرْيَمَ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نصاریٰ نہ تو اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور نہ انجیل پر ایمان ہے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عبد اللہ (اللہ کا بندہ) کہنے کی بجائے ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہا۔ بعض تین خداؤں میں انہیں تیسرا کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں عرماں کر گیا تھا۔ سورۃ مائدہ میں دستاویز مودت ہے "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ" یعنی وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ہے جو تینوں میں تیسرا ہے۔ وہ قطعی طور پر موعون ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے ہیں مگر کفر ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے "سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ" اللہ تعالیٰ ایسی تمام شرکیہ چیزوں سے منزہ ہے۔ نصاریوں نے انجیل کو بھی قرین کے ذریعے بگاڑ دیا ہے۔ اب ایک کی بجائے ایک سو بیس انجیلیں بن چکی ہیں۔ عام مشورہ چار انجیلیں جنی یوحنا، متی، مرقا اور مرقس تو بائبل کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس کے علاوہ ایک پانچویں انجیل برہانس بھی ہر جگہ دستیاب ہے

اصلاً انجیل سرانی زبان میں نازل ہوئی تھی مگر نصاریوں نے اس کے تراجم کر کے انہل متن کو باطل ضائع می کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی حالت پر قائم نہیں ہے۔

نجات کا دار و مدار

الغرض! یہ دو در نصاری دوزخوں میں نازل ہوئے تھے کہ وہ دعویٰ تھا کہ لَوْ اَنَّكَ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ لَمَّا كَانَ هُوَ اَوْ نَصْرِي یعنی صرف زودنی اور نصاری ہی جنت میں جائیں گے باقی سب کے لیے جنت کے دروازے بند ہیں۔ وہاں کوئی نہیں جاسکتا۔ اور ہر لطف کی بات یہ ہے کہ ہر دوزخ آریس میں بھی متعلق نہیں تھے۔ بلکہ یہودی کہتے تھے کہ جو یہودی ہو گا وہ جنتی ہے۔ اور نصاری کہتے تھے جو ساری پارٹی کا ممبر ہے۔ صرف وہی جنتی ہے۔ اس کے علاوہ جنت برادر کسی کا حق نہیں ہے۔ اسی دعوے کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ بَلَلَّكَ اَمَّا يَتَّبِعُكَ اِنَّ كِي جس نداشت میں۔ دگر نہ اس دعوے کی حقیقت کچھ بھی نہیں گویا انہوں نے اپنی نداشت کو عتیدے کا درجہ دے دیا۔ پہلے کسی درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب امت کا علم عمل کا رشتہ پیغمبر سے کٹ جاتا ہے۔ تو امت کی خواہشات عتیدہ بن جاتی ہیں۔ اس سے پہلے یہودیوں کے ایک اور باطل عتیدے کا بھی ذکر آچکا ہے کہ کوئی اسرائیلی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اگر بالفرض چہ بھی گیا تو صرف اتنے ایام کے لیے جائے گا۔ جتنے دنوں ان کے آباؤ اجداد نے بکھڑے کی پوجا کی تھی۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عتیدے کو مٹا دیا تھا۔ اور پوچھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس نبی پر وحی کی تھی۔ کہ اسرائیلی جو چاہیں کرتے پھر رہیں۔ دو چندان سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہیں گے تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے۔

اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی بات دہرائی ہے۔ نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اِنَّ اِيَّكُمْ اَنْتُمْ مَسِدَقِيْنَ اگر تم اس دعوے میں پکے ہو تو کوئی دلیل دو۔ برہان دلیل یا سند کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع براہین آتی ہے۔ اور دلیل بھی ایسی ہونی چاہیے۔ جسے سمجھ عقل آدمی تسلیم کرے۔ دعویٰ کسی جی قسم کا ہو۔ جب تک اس کے پیچھے دلیل نہیں ہوگی۔ وہ باطل سمجھا جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے متعلق کہنا لَا يُزَكُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوا قَاٰتِلًا حٰكِبًا

عِشَّة وَتَبَدُّلِ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ پس اس کا حساب ان کے رب کے پاس
جا کر ہی ہو گا۔ ایسے لوگوں کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہوتی ہے نہ عقلی دلیل۔ یہ وہ سے
زیادہ یہ لوگ رواج کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں کہ ہم نے باوجود یوں کرتے ہوئے ہمارے
قوم کا یہ رواج تھا۔ ہمارے طبقے واسطے اس بات کو پتہ نہ تھا۔ بر خلاف اس کے وہ ہمارے
ہزاروں کر وٹروں و مائل آپ کے مشابہ تھے یہ موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کائنات غلط ہے۔ یہ شخص مخصوص فرقہ
کی بنیاد پر جنت میں نہیں جاکھے۔ نجات کا یہ قانون ہرگز نہیں ہے۔

فرمایا جسکی تائید نہیں یہ ثابت ایک باطل ہے۔ اور یہ اپنے سے پہلی بات کی نفی کرتا ہے۔ اتباع خداوندی
اپنے دعویٰ تھا۔ یہود و نصاریٰ کے سوا کس میں کوئی نہیں داخل ہو گا۔ فرمایا کیوں نہیں ہو گا۔
جبکہ جنت میں داخل ہو گا۔ مگر وہ مَنْ اسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ جس نے اپنے چہرے کو
اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا۔ ذکر چہرے کا ہے مگر مراد اس سے ذات ہے۔ کہ جس شخص نے
اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دے دیا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ وَجْهَهُ
کا یہ معنی دوست و مقرب پر جس آیت ہے جیسے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ہر چیز فنا
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ذات مند و حقیقی۔ مَبْنُوتٌ ہے۔ وہ دائم قائم۔ انہی
اور ابہی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز بے فعل فانی ہے فنا ہوتی ہے۔ یا اللہ فنا ہو جاتا ہے۔
قائم اور دائم ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

مَنْ اسْلَمَ جس نے تابع کر دیا۔ اسلام کا معنی منقاد ہو جانا یا تابع ہو جانا۔ آگے
آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو فرمایا اسْلِمُوا
یعنی طبع ہو جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے لَمَّا اسْلَمْتُ لِلرَّبِّ الْعَلِيمِ میں ظاہر
باطن طریقے سے اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے
لیے سر لکھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔
میں اسے آپس کر کے قیدیں یہ باز آپ نے تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ خانہ کعبہ
تعمیر کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے عَمِلَ کیا۔ حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ یحییٰ کیوں کہ وہ

چھوڑ دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔ گویا انہوں نے اَسْلَمْتُ لِلرَّبِّ الْعَلِيِّ
میں نے جو اقرار کیا تھا اسے صرف بکرت پر اُڑا کر دکھایا۔

نیک نیتی

فرمایا جنت میں جانے کا معیار یہ ہے۔ مَرُّ سَلَامٍ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو گیا۔ مقصد
یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر حکم کی تعمیل میں کمر بستہ ہو جائے۔ اس کا اعتقاد درست ہو جائے۔ اس
کی فکر پاک ہو جائے۔ اس کا ایمان پختل ہو جائے جس کا تعلق نیت اور محبت سے ہے۔ ایمان
کا تعلق چونکہ باطن سے ہے۔ اس لیے سب سے پہلے انسان کی باطنی عظمت کی ضرورت ہے
اس کے قلب و روح میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سرایت کر جائے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی
شریک ہے۔ اور نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ اگر دل کے کسی گوشے میں شرک کا
معمولی سا شائبہ بھی ہو تو اس شخص مردہ نہیں ہو سکتا۔ وہ شرک ہے یا منافق ہے یا شک
کرنے والا ہے۔ بخاری و ابوداؤد شریف کی حدیث ہے: تَصَوَّرَ طَائِفَةٌ مِنَ الْمَدِينَةِ أَنَّ اللَّهَ
رَأَىٰ قُلُوبَهُمْ وَكَانَ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ
یعنی اللہ تعالیٰ تمام قلوب کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمام دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے
کسی شخص کے غماں و دُور و دراز اس کی نیت پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْعُوا
اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اللہ کو پکارو۔ نہ کسی شخص کی اطاعت کرنے والے ہی جاؤ۔
حدیث شریف میں ہے: اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اللہ اپنے باطن کو درست کر دو۔
جنت میں داخلے کے لیے یہ اولین شرط ہے۔

امام رزی نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک
ایماندار آدمی بھوک میں مبتلا تھا۔ سفر پر جا رہا تھا۔ راستے میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے نظر
آئے۔ اُس نے کہا: کاش میرے پاس ریت کے ان ٹیلوں کے برابر نان ہو تا۔ تو میں سب
بھوکوں میں تقسیم کر دیتا۔ چونکہ خوب اس وقت بھوکا تھا۔ اُسے بھوک کی تعریف محسوس ہوئی تو اس
نے دست و پا بھوکوں کو خباں میں لاتے ہوئے یہ بات کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کو کی بات پسند

آئی۔ چنانچہ اس وقت کے نبی پر اتنی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تیری اس خالص نیت کو قبول کر کے تجھے ریت کے ٹیلوں کے برابر تقسیم کرنے کا ثواب عطا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا یہ صدقہ قبول کر لیا ہے۔ جیسی تمہارا اچھی نیت تھی۔ ہم نے ویسا ہی اچھا اجر عطا کیا ہے جنت میں داخلے کا جو اصول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اس کا پہلا جزیرہ تھا کہ داخلے کا خواہشمند شخص اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو۔ اس کا دوسرا جزیرہ فلاح فَاحِشٌ اور وہ نیکی کرنے والا ہو۔ مقتصد یہ کہ جنت میں داخلہ کسی فرقہ یا جماعت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔ کہ وہ یہودی ہو یا عیسائی کہلاتا ہو۔ بلکہ نجات کا قانون اس مقام پر یہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو۔ اسکی نیت اور ارادہ درست ہو۔ اور اس کا عقیدہ صحیح ہو۔ اور پھر دوسرا جزیرہ وہ اعمال صالحہ کرنے والا ہو۔ ایسا شخص یقیناً جنت کا حقدار ہوگا۔ اور اس کو نجات حاصل ہو جائے گی۔

اعمال صالحہ

فرقہ بندی
ذریعہ نجات نہیں ہے

حضرت مولانا شاہ اشرف علی قانونی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو نجات کا دار و مدار اکابر پر ہے۔ نہ کہ انبیا پر۔ نسب کے لحاظ سے کوئی کہتے ہیں اپنے خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کا باطنی طور پر ایمان اور عقیدہ درست نہ ہو۔ اور ظاہری طور پر اعمال صالحہ نہ انجام دیتا ہو۔ ہمارے ہاں بھی بہت سی فرقہ بندیوں پائی جاتی ہیں۔ بعض جابل یا کم فہم لوگ کسی خاص فرقے یا گروہ کو ہی نجات یافتہ تصور کرتے ہیں کہ فلاں مسلک والے جنت میں جائیں گے۔ دوسرے نہیں جائیں گے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ان میں کہتے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی بات نہ تعصب رکھتے ہیں۔ بعض حنفی، خاں کے ساتھ یا شافعی، بیکوں کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف ہم ہی جنت کے وارث ہیں۔ دوسرے اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سلوک اور تصوف کے سلسلے ہیں۔ جیسے چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی وغیرہ۔ ان میں سے بھی بعض ایک دوسرے کے خلاف عداوت رکھتے ہیں اور جنت کو صرف اپنی وارثت سمجھتے ہیں باقی سب لوگوں کو تہنمی خیال کرتے ہیں۔ یہ تو محض فردی اختلافات ہیں بنیادوں پر چاروں مسالک یا سلسلہ ہائے تصوف میں کوئی اختلاف نہیں۔

فرمان ہے۔

اعرض! فرمایا قانونِ نجات یہ ہے۔ کہ جو شخص مَن اسْلَمَ وَجْهَهُ لِلدِّیْنِ وَهُوَ حُرٌّ
جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنالیا۔ اور وہ نیک کام کرنے والا ہے۔ مجتہد و حبیب
فرماتے ہیں۔ کہ جب اَمْسُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد بڑی بڑی
چار عبادتیں ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اس کے بعد پانچویں درجے میں جہاد آتا ہے۔
علاوہ ان کے ساتھ دوسری نیکیاں بھی ہیں۔ اس کو یوں بیان فرمایا: فَمَنْ يَفْعَلْ
مِنَ الصَّالِحَاتِ جو کوئی بھی نیک کام کرے گا: وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ اس
کا معنیہ صحیح ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے کسی عمل کی ناکہ دی نہیں فرمائیں گے۔ اپنے ہر کام کا بدلہ
وہ پائے گا۔ ہاں! اگر ایمان ہی مغتور ہے۔ معنیہ صحیح نہیں ہے۔ تو پانچوں میں بڑی بڑی
نیکیاں بھی گردوغبار کی طرح اڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز کچھ کام نہ آئیں گی: لَا يَقْدِرُونَ
عَمَّا كَسَبُوا ان کی کھائی میں سے استیں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ان کی نیکیاں گردوغبار کی طرح
اڑ جائیں گی۔ مگر یا کہ وہ رکھ کے ذراست تھے۔ جو آدمی کے آگے بالکل نہ ٹھہر سکے۔ دوسرے
مقام پر آتا ہے: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ بڑے بڑے عامل، ریاستیں اور غنائیں کرنے والے،
کام کر کے تھک جانے والے ہوں گے۔ مگر قیامت کے روز: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ورنہ یہ ہے۔ کہ وہ ایمان کی دردت سے محروم تھے۔ سب
نیکیاں ریتوں جیسی گئی۔ ہر حال قانونِ نجات فرقہ بندی نہیں بلکہ اتباعِ خداوندی اور اعمال
صالحہ ہیں۔

فرمایا جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیا۔ اور پھر وہ نیکی کرنا لگا بن گیا فَلَنَنَازِلَهُ
اَحْبَرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ پس ایسے شخص کے یہ اپنے رب کے ہاں اجر ہے۔ نیکی کا بدلہ
اس کو ضرور ملے گا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، ایسے اشخاص مقبل میں
کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا۔ روزہ وہ تمہیں ہوں گے۔ نہ
کہ دنیا میں انسان ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ کم از کم موت کا ڈر تو اسے ہر وقت دکھ رہتا ہے۔
گویا موت ہر وقت اس کے پیش نظر ہے۔ پھر دولت اللہ صحت کا خوف مسلط رہتا ہے۔ پتا

نہیں بیہوش ہائے پاس سبے کی یا نہیں۔ پتا نہیں کل کو صحت بھی برقرار رہ سکے گی یا نہیں۔ تو اس قسم کے خوف انسان کے ہمیشہ دامن گیر رہتے ہیں۔ مگر جن کا عقیدہ صحیح ہوگا۔ جو اعمال اچھے کرنے والے ہوں گے۔ وہ ان تمام پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ انہیں نہ پینے مانی پر افسوس ہوگا اور نہ انہیں مستقبل کا کوئی خدشہ ہوگا۔ برخلاف اس کے جنہوں نے کوئی کمائی نہیں کی۔ زندگی کی پونجی کو ضائع کر دیا۔ وہ افسوس کریں گے۔ کہ ہم نے کتنی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت دی تھی۔ مگر ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ نہ عقیدہ درست کیا اور نہ نیکی کا کوئی کام کیا۔ ایمان سے محروم ہے۔ ایسے لوگ خوف اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اور پینے کے پر ہمیشہ افسوس کرتے رہیں گے۔

الْمَآءِ

درس چل رہا ہے

البقرة ۲

(آیت ۱۱۳ تا ۱۱۵)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ
عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا
كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسِيحَ اللَّهِ أَنْ
يُذَكِّرَ فِيهَا سُمَّهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ
أَنْ يَدْخُلُوهَا وَلَا يَخْرُجُوا مِنْهَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ فِيهِمُ الْغَمَامُ
فَيَكُونُوا فِي الْأُخْرَىٰ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
فَإِنَّمَا تُحِيطُوا بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَالِمٌ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: یہودیوں نے کہا نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ
یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں (یعنی ان کا دین صحیح نہیں ہے) حالانکہ یہ کتاب پڑھتے ہیں
اسی طریقے سے ان لوگوں کی جو جانتے نہیں (جابل ہیں) ان جیسی بات پس اللہ تعالیٰ
ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف
کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں
سے منع کرتا ہے۔ کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اور ان کی بربادی میں کوشش
کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ کہ نہیں ہے ان کے لیے کہ داخل ہوں۔ ان
گمروں میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں روانہ ہے۔ اور ان
کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے ﴿۱۱۴﴾ اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب
پس ہر جہاں بھی تم نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا
ہر سب کچھ جانتے والا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

یہودی و نصاریٰ
آئینے بندے

یہودیوں اور نصاریٰ کی بخلہ خرابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ایک گروہ

دوسرے کو باطل قرار دیتا ہے اور اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھتا ہے۔ تیسرا گروہ مشرکین کا ہے جو یہود و نصاریٰ دونوں کو باطل کہہ کر اپنے آپ کو صحیح العقیدہ سمجھتا ہے۔ تو گویا یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کا ابطال کرتے ہیں۔ ان آیات میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ اور نصرائی کہتے ہیں کہ نصرائی کسی چیز پر نہیں ہیں وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ اور نصرائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں۔ یعنی ان کا دین سچا نہیں ہے۔ اس طرح جب یہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا اعتراض یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہہ کر کفر کیا۔ اور عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے نہ صرف ان کا انکار کیا۔ بلکہ انجیل کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ لہذا یہ گمراہ ہوئے۔ فرمایا یہ دونوں فرقے ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ وَهُمْ يَسْتَلُونُ الْكِتَابَ عِلَالًا یہ دونوں گروہ ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توراۃ اور انجیل کی خلافت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔

کتاب کا یہ
برحق ہیں

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ، انجیل، زبور، قرآن پاک اور دیگر صحائف سب کے سب برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصل دین انہی کتب کے ذریعے نازل فرمایا۔ مگر ان پہنچتوں نے تحریف کر کے دین کو مسخ کر دیا تاہم اصل دین ان کی کتابوں میں اب بھی موجود ہے۔ تنہا یہ بڑے مٹے ہیں۔ لہذا کسی کتاب کا بالکل انکار کر دینا کہ اس میں کچھ بھی نہیں۔ انصاف کے خلاف ہے۔ اور اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کی دلیل ہے۔ ہاں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہودیوں کا اصل دین تو نمیک تھا۔ مگر انہوں نے خرابیاں یہ کہہ دیں۔ یا نصرائی کا دین اور کتاب برحق ہے۔ مگر ان کی تحریفات نے اسے کچھ اور بنا دیا ہے۔ ایک دوسرے مذہب کو بالکل ہی باطل قرار دینا درست نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام
پر الزام تراشی

جب قرآن پاک نازل ہوا تو اس نے توراۃ اور انجیل کی تفسیر کی کہ یہ دونوں آسمانی کتابیں ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ اس کے علاوہ تمام صحیفہ تاریخی یا نبوی تصدیق کی۔ البتہ قرآن پاک نے ان مقامات کی ضرورت نہ تھی۔ جہاں جہاں سے یہ لوگ بھٹکے ہیں

اور جہاں جہاں انہوں نے کتب میں تحریر کی ہے۔ پہلے گنہ چکا ہے۔ کہ یہودیوں نے حضرت
 سیمان علیہ السلام کی طرف کفر کا کلمہ منسوب کیا۔ اور کہا کہ اُن کی سعادت مگر پر قائم تھی۔ لہذا ہم بھی
 ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے پھر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سنے اس کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے
 فرمایا: **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ** یعنی سلیمان علیہ السلام نے جادو کر کے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ بلکہ انہوں
 نے خود کفر کا ارتکاب کیا۔ حضرت سیمان علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے صاحبِ شریعت رسول تھے
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ حکومت عطا کی تھی۔ اُن سے پھر کی توقع نہ رہا بعد یہ قیاس ہے۔ انہوں
 نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی **رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاحِدٍ مِّنْ اٰبَادِيْ**
يَا اللّٰهُ مجھے ایسی عظمت عطا کر۔ جو میرے بعد کسی کو عطا نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو
 شرف قبولیت بخشا اور آپ کے لیے ہوا اور جنات کو مقرر کر دیا۔ مگر ان ظالموں نے سمجھا کہ یہ جادو
 کا اثر ہے۔ العیاذ باللہ۔

سترکین کا نظریہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُدھر شرکین کا حال بھی یہود و نصاریٰ سے کم نہیں۔ **كَذٰلِكَ**
قَالَ الْاٰدِيْنَ لَا يَنْفَعُكَ مِنْ اَمْرِكَ **مِثْلُ قَوْلِهِمْ** **اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ**
 کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب نے کیے۔ یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ حق پر ہیں اور نہ مسلمان۔
 حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ تو جہاں غلطی میں۔ نہ ان کے پاس
 کوئی کتاب ہے جس سے یہ رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اور نہ ہی دو ہزار سال کے بعد میں ان
 کے پاس کوئی نبی آیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جہاں یہاں ڈیڑھ ہزار سال تک عرب
 تھے۔ ہزاریم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بین یہ قائم ہے۔ اس کے بعد ان میں بنیاد
 پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور پھر اہل وقت بھی آیا کہ سب کے سب شرک کی طرف مائل ہو گئے۔
 بنیادوں میں سے کوئی کار کا ہی موجد نہ تھا۔ ورنہ سب دین سے بہت چلتے تھے۔

آغوشِ نیکو

مدحت الہی میں ہر گز

الغرض! یہود و نصاریٰ اور مشرکین تینوں گروہوں نے ایک دوسرے کی تخریب کی۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ چاہتے تھے وہ نہ رہے۔ **فَاَللّٰهُ يَخْذُكُمْ بَيْنَهُمْ**
يَوْمَ الْقِيَمَةِ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ ان دن
 پر سب۔ اور کون اصل دین سے چھڑ چکا ہے۔ ان کا فیصلہ میرا اس معاملہ میں ہو جائے گا۔

اَتَشْكُرُ عَلَيْكَ الْخُصُومَةَ مُنْجِيَةً قِيَامَتِ كَوْمًا اَوْ اِنْ اَجْمَعُوا دَوَابَّهُ قِيَامَتِ . . .
 فرمایا: ہاں! جن تنازعات کا فیصلہ دنیا میں نہیں ہوا، ان کا فیصلہ رب العزت کی بارگاہ میں
 ضرور ہوگا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: یہ تینوں فرقے یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرک جو ایک دوسرے
 کو گمراہ کہتے ہیں۔ یہ خود سائے کے سائے گمراہ ہیں۔ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو مارنے
 سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں دجال کہا۔ اور جب قریب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ تو اصفہان کے ستر ہزار یہودی جن میں ان کے بڑے بڑے
 علماء بھی ہوں گے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی بجائے دجال کے پیچھے لگیں گے۔ اور اس
 کو مسیح سمجھیں گے۔ یہی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو دالعیاذ باللہ دجال سمجھ کر انہیں سولی پر
 لٹکانے کیلئے گئے۔ ان کم مختوں کا یہ حال ہے۔

جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو سولہ ہاشمہ، اہل بیت علیہم السلام
 کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ مقصد یہودی و عجمی تھی۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے قریب ہوں
 اور دین کی طرف راغب ہو سکیں۔ تحویل قبلہ کی آیات قرآن پاک کے دوست پیارہ کی بناء سے
 تشریع ہوتی ہیں۔ مگر اس معاملے میں بھی یہودیوں نے بہت دھرمی کا ثبوت دیا۔ اپنے تعصب
 میں مبتلا نہت۔ اور مسلمانوں کے قریب نہ آئے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی دلی خواہش یہی تھی کہ
 مسلمانوں کے لیے بیت اللہ قبلہ قرار ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں تحویل قبلہ کا حکم
 دیا۔ کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں۔ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ اسی
 طرح یہودی اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے اسلام سے اور دور ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے ان برائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس قدر
 عنادی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عبادت کرنے سے بھی روکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُفِي فِيهِ

خِصْرُ بَيْتِهِ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا

نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت مولانا شیخ الحداد

فرمت ہیں کہ اس آیت کے مصداق نصاریٰ ہیں جنہوں نے یسوعا متاخذ کر کے توراۃ کو جلا
تھا۔ اور بیت المقدس کو دیران کیا تھا۔ یہ آیت مشرکین مکہ پر بھی صادق آتی ہے۔ جنہوں نے ۵۶
میں مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا۔ اور حرم پاک میں عمرہ ادا نہیں کرنے دیا تھا۔ حالانکہ
مسلمان محض غرے کی ادائیگی کے لیے آئے تھے۔ ان کا لڑائی کر نیکارا وہ نہیں تھا۔ یہ تو اس وقت
کے واقعات ہیں۔ یہ آیت آج بھی اسی طرح نافذ ہے۔ جس طرح یہ پہلے نزول کے وقت
آج بھی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام پڑنے سے روکتا ہے۔ مسجد کی بربادی کا جرم
ہوتا ہے۔ وہ اس آیت کی رو سے بہت بڑا ظالم ہے۔

یسوی اور نصرانی ہمیشہ ایک دوسرے کو مسجد میں جا کر عبادت کرنے سے روکتے رہے
ہیں۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ جب بھی یسوعا کو موقع ملا انہوں نے نصاریٰ کے ساتھ ہی سوک کیا۔
اور جب نصاریٰ کو غلبہ حاصل ہوا تو ان ظالموں نے بیت المقدس کو اکھاڑ دیا۔ گداز کو تہ آتش
کیا۔ اور عبادت خانوں کو برباد کیا۔ مشرکین مکہ نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی سوک کیا۔ مکی
زندگی میں حضور علیہ السلام خانہ کعبہ میں نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مشرکین مسلمانوں کو سخت اذیتیں
دیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی پٹائی کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ ابو جہل کی حرکات
کا ذکر خود قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿اِنَّ دَوِيَّتَ الْاِذْيٰ يَنْهٰی ۙ عِبْدًا
اِذَا هَكَّتْ ۙ﴾ کیا تم نے اس بد بخت شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے بندے کو نماز پڑھنے
سے روکتا ہے۔

دوسرے مقام پر جھوٹے دعویٰ نبوت کو بڑا ظلم کہا گیا ہے۔ کہ اس سے بڑا کون ظالم ہو
سکتا ہے۔ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ اور یہ بھی دیا کہ اس سے بڑا کون ظالم ہے جس کے
پاس خدا تعالیٰ کا نبی آئے۔ ہدایت کی بات پیش کرے اور وہ اس سے انکار کرے۔
تاہم اس مقام پر یہ غلط فہمی کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کی مسجد میں عبادت
کرنے سے، نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یہ تو ظاہری کاوٹ ہے۔ کہ کسی کو عبادت کرنے

سے روک دیا جائے۔ یہ عبادت خانے کی بربادی کے مصداق ہے۔ اس کے علاوہ ایک
 باطنی بربادی بھی ہے۔ کہ وہاں پر غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ بہ عبادت کو باوجود یہ ایسا کرنے
 سے نظامِ عبادت خانہ آباد ہو گا۔ مگر باطنی طور پر مذہبیت سے خالی ہو گا اور یہ باطنی خرابی ہے۔
 سورتہ ج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت خانہ یزد کا بونا نہ ماری یا کسی اور کا۔ اسے
 گرانے کا حکم نہیں۔ مسلمانوں کی مسجد کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کو گرانے کی بجائے جوڑنے
 کی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر دیکھ لیجئے ۱۵۴۷ء میں تعمیر ہونے والے رقت کیا کچھ تو بمشرقی پنجاب
 میں پچاس ہزار مساجد کی بجائے نوئی۔ ہندوؤں اور سکھوں سے کیا قطع کی جا چکی تھی۔ دوسری طرف پنجاب
 میں بھی یہی کچھ ہوا۔ کتنے نہ تھے جنہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ دونوں فریقوں نے غلط کام کیا۔
 عبادت خانے تو انہی سے متعلق ہوں۔ ان کی بھڑائی نہیں ہونی چاہیے۔

ظہور اسلام کے وقت ذوالقعد قبل شریک سے تاب سوڑا میان کی دولت کے ذرائع
 ہوئے۔ انہوں نے اپنے مندر اور بت خانے گرا دیے تھے۔ اور وہاں پر سبھیوں کی تعمیر کی تھیں۔ یہیں
 تہہ تو رست ہے۔ کہ ان لوگوں نے اپنے ہی تہہ برباد معاہدہ کی جگہ سب کو تعمیر کر لیں۔ عبادت خانے
 کی جگہ عبادت خانہ ہی تعمیر ہوا۔ تاہم مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی غیر مسلم اقوام کی
 عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ محمد بن قاسم جب سندھ پر حملہ آور ہوا تو ہندوؤں کے بعض
 مندروں کو نقصان پہنچا تھا۔ مسلمانوں نے خود اس نقصان کی تلافی کی۔ اور نقصان زدہ مندروں کو
 دوبارہ تعمیر کروایا۔ کیونکہ کسی کے عبادت خانے کو گرانے کا حکم ہرگز نہیں ہے۔

البتہ سلطان محمود غزنوی نے سونات کے مندر کو تباہ کر دیا تھا۔ وہاں کا مندر نہیں کیا تھا۔ وقتی طور
 پر وہاں مسجد بھی بنا دی۔ مگر وہ دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ ایک ہزار سال کے بعد ہندوؤں نے پھر وہاں
 پر مندر تعمیر کیا۔ راجہ پرشاد نے سوالا کھ روپے کے عوض کابل سے مندر کا گیسٹ بھی واپس منخوا کر
 اسی جگہ نصب کیا۔ جہاں سے لکھی ڈال گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ غلط کام کا نتیجہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔
 ترکوں نے بھی ایسے دور میں ابا صوفیہ کا مندر باگرا کر وہاں مسجد تعمیر کر لی۔ جب اخیر

کو وہاں غلبہ حاصل ہوا۔ تو وہاں پھر جانا۔ اب چیتھتے ہیں کہ ہماری مسجد تھی۔ بہت بڑی لاٹھری تھی۔ جو مناع ہو گئی مگر جس طرح مٹنے کی۔ اسی طرح کا جواب انہوں نے دیا۔ اب چیتھتے چلانے کا کیا مطلب۔ وہاں اگر عیسائی خود عثمان ہو کر اپنے مگر جا کو مسجد میں تبدیل کر دیں۔ تو وہ جائز ہے۔ مگر کسی کے عبادت خانے کو زبردستی کرنا بالکل نامناسب ہے۔

مسجد کے آداب

جس طرح مسجد کا ظاہری طور پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح مسجد کو باطنی خرابی سے محفوظ رکھنا بھی اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔ ————— باطنی خرابی یہ ہے کہ مسجد کو اس کے اصل مقصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ مسجد عبادت خانہ ہے۔ اس میں نماز، تلاوت، ذکر و اذکار ہونا چاہیے۔ نہ کہ دنیا کے دوسرے کاروبار۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے مسجد میں حد قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مسجد میں کسی مقصد کے لیے فیصلہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر ملزم کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ کہ اس سے مسجد کی بیکری ہوتی ہے۔ مسجد میں لڑائی جھگڑا کرنا، فحش کلامی، گالی گلوچ کرنا، گندگی پھینکا، تجارت یا لین دین کرنا۔ یہ سب مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام نے گندہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے سے منع فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں گندہ کی اطلاع کرے۔ اس کے حق میں یوں دعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھے واپس لوٹائے۔ تو نے آداب مسجد کا خیال نہیں رکھا۔ اسی طرح فرمایا کہ مسجد میں تجھت کرنے دے کے حق میں کہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس تجارت میں نفع نہ دے۔

مسجد میں شعر گوئی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کوئی اچھی بات کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔ تو جائز ہے۔ ایسی شعر گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حسان بن ثابت سے منقول ہے۔ مگر وہ زمانے کی طرح مسجد میں ہر قسم کی شعر گوئی کی اجازت نہیں۔ جن میں عشقیہ غزلیں گائی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناسخ و اشعار سے منع فرمایا۔

مسجد کی بے ادبی کے بعض دوست ذریعہ سے بھی نسخ کیا گیا ہے۔ مثلاً ابن ماجہ شریف کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ چھوٹے بچوں یا کسی پاگل کو مسجد میں نہ آنے دو۔ وہ مسجد کی بیکھرتی کا باعث بن سکتے ہیں۔ جو عموماً پر مشابہ ننانوہ وغیرہ کرتے گا۔ وہ بھی خود نہیں رکھتا ہوں جب بچہ پانچ سات سال کا ہو جائے تو مسجد میں آ سکتا ہے۔

الغرض! فرمایا اس شخص سے زیادہ: کون ظالم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرتا ہے۔ اور مسجدوں کی بربادی کے لیے کوشش کرتا ہے۔ فَمَا بَالُ الْمَلَائِكَةِ مَا كَانُوا لَیْسُوا أَنْ يَكُونُوا خُلُوقًا إِلَّا خَافِعِينَ ان لوگوں کا اصل میں حق ہی نہیں ہے کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں بگڑ خوت کہتے رہتے۔ یعنی کفار۔ اس لائق ہی نہیں کہ مسجدوں میں داخل ہوں۔ سوائے اس کے کہ وہ خوفزدہ ہوں۔

إِلَّا خَافِعِينَ کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسجد میں خشوع و خضوع کے علاوہ کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ اور کہ نہ کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا گیا ہے۔ مسجد میں جینا و پیکار اور ایسی ایسی دیریں باتیں کرنے کی ممانعت ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے بَلَّغُوا إِذَا مَسَرُّكُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَإِنَّ تَعَوُّا حَبِ تَمَّ جَنَّتِ کے باغوں میں جاؤ، تو وہاں چڑچگ یا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! اس سے کیا مراد ہے۔ فرمایا جب تم مسجد میں جاؤ تو وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ اس کی تسبیح و تہلیل بیان کرو۔ تلاوت کرو۔ درود پاک کا ورد کرو۔ مختلف ہو کر خاموشی سے بیٹھو۔ اگر اعطافات کی نیت کر کے بالکل خاموش بھی بیٹھو گا۔ تو باہر کی باتوں اور کئی گنا ہوں سے بچے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر بھی پائے گا۔ مگر لوگ اکثر ایسا نہیں کرتے۔ مسجد میں فضول کہیں مانتے ہیں۔ خشوع و خضوع سے محروم رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب خشوع و خضوع اٹھ جائے گا۔ آپ ایک بڑی مسجد میں داخل ہوں گے۔ وہاں پانچو آدمی موجود ہوں گے۔ مگر ان میں ایک

بھی ایسا نہیں ہوگا جس کے چہرے پر خشوع و عاجزی کے آثار نظر آتے ہوں۔ سب فضول
حرکات میں مصروف ہوں گے۔

فرمایا جو شخص مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے روکتا ہے، اور مسجد کی بربادی چاہتا ہے
لَهُمْ فِي السَّيِّئَاتِ خِزْيٌ لِّیْلَی لَوْ کُنُوا عَلَی رِجْلِ الْفِیْءِ لَکُنْتُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٍ عَظِیْمًا اور ان کے لیے آخرت میں بھی سخت عذاب ہوگا۔
اہل ایمان کو کدہ مچھڑنے کا ڈر دیکھ تھا۔ چہرہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز
پڑھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قتل دی۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ قُورَیْنِ
اور مغرب سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ فَاسْمَعُوا لَوْ کُنْتُمْ حَرِّیْرٌ رَّجُلٌ فَذُنْ
وَجْهَ اللّٰهِ ثُمَّ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اُحْمَرًا مِّنْ اُحْمَرٍ مِّنْ اُحْمَرٍ مِّنْ اُحْمَرٍ مِّنْ اُحْمَرٍ مِّنْ اُحْمَرٍ
ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

استقبال قبلہ

استقبال کعبہ کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ سفر کے دوران اگر چہ رات
یا طوفان یا دود باران میں اگر قبلہ کا رخ معلوم نہ ہوتا، تو ہر شخص جس طرف رُخ ہوتا اسی طرح
نماز ادا کر لیتا۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ ایسا ہی کوئی واقعہ صحابہ کرام کو پیش آیا جب
حضرت علیہ السلام کو پتا چلا قریشی آیت تلاوت فرمائی فَاِیْسَمَاعُوْنَ لَوْ کُنُوْا فَشَعْرًا وَّجْهَ اللّٰهِ یعنی
تم نے جس طرف بھی رُخ کر کے نماز پڑھی ہے۔ سب کی نماز درست ہے۔ اللہ تعالیٰ
کے ہاں مقبول ہے۔ اگر قبلہ کا رخ درست نہیں تھا تب بھی نماز لوٹنے کی ضرورت نہیں۔

جب کوئی آدمی سواری پر سفر کر رہا ہو، تو جس طرف بھی وہ جا رہا ہے اسی طرف فعلی نماز ادا کر سکتا ہے
صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت علیہ السلام سفر پر تھے۔ اگرچہ آپ کا رخ مبارک قبلہ کی طرف
نہیں تھا۔ پھر بھی آپ فعلی نماز ادا کر لیتے تھے۔ تو ایسے ہی مواقع کے لیے فرمایا کہ نماز رُخ تبطون
بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ اُدھر ہی متوجہ ہے اِنَّ اللّٰهَ وَابِعٌ عَلَیْہِ اللّٰهُ تعالیٰ بڑی رحمت والا
اور سب کو جاننے والا ہے۔ وہ ہر شخص کو اس کے حالات کے مطابق ہدایت فرمائے گا۔

الذکر
دریں چل و شری

نبقرة
(آیت ۱۱۹ تا ۱۱۷)

وَقَالُوا اخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ لَمْ يَكُنْ لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
كُلٌّ لَكَ قَابِضُونَ ۝ ۱۱۶ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ ۱۱۷ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا
يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يُوَفِّقُونَ ۝ ۱۱۸ إِنَّا أَرْسَلْنَا بِأَحْقَبَ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُنْصِرُ عَنْ
أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝ ۱۱۹

ترجمہ : اور کہا ان لوگوں نے کہ شر نے بیٹا بنالیا۔ پاک ہے اس کی ذات،
بلکہ اُمی کے لیے سب۔ جو پھر آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اُمی کی اطاعت
کرنے والے ہیں ۝ ۱۱۶ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی چیز کا
فیصلہ کرتا ہے۔ تو اُسے آتا ہے۔ ہر جا۔ پس وہ ہر جاتی ہے ۝ ۱۱۷ اور کہا
ان لوگوں نے جو نہیں جانتے : اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کبوں نہیں کلام کرتا۔ یا
ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح کہا ان سے پہلے لوگوں نے ان
کی بات کی طرح۔ ان کے دل آپس میں جتے جلتے ہیں۔ تحقیق ہم نے ان لوگوں
کے لیے آیات بیان کر دی ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں ۝ ۱۱۸ بے شک ہم نے
آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جو بخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور آپ
سے درست دانوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا ۝ ۱۱۹

اللہ تعالیٰ والہ
سے پاک ہے

اہل کتاب کے غلط عقائد کی بحث مسلسل چلی آرہی ہے۔ ان آیات میں
ان کی ایک اور بدعتیہ گئی کا بیان ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے۔
قَالُوا اخَذَ اللَّهُ وَلَدًا اس غلط عقیدے میں یہ تینوں گروہ شامل ہیں۔ یعنی

یہود، نصاریٰ اور مشرکین قَالُوا کی ضمیر ان تینوں کی طرف لٹتی ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ یہودیوں کے ایک فرقہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ہے؟ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ بْنُ اللَّهِ اگرچہ تمام یہود کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ تاہم ایک گروہ ایسا ہے جو اہل کتاب میں شامل ہے۔ مگر عقیدہ یہ رکھتا ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کا عقیدہ تو واضح ہے۔ کہ یہ کھل کر کہتے ہیں النَّصَارَىٰ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ قرآن پاک نے یہ بات تصریح کے ساتھ بیان کی ہے۔ کسی مخلوق کو خدا کا بیٹا بنانا اتنا قبیح فعل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، اس کے حکم سے زمین و آسمان پھٹ جائے۔ اور خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات خسوب کرنا بڑی بیوردہ بات ہے مشرکین عرب کے متعلق تصریح موجود ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا۔

اس باطل عقیدے کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَجْنُونٌ الشک ذات پاک ہے مبرا اور منزہ ہے۔ بیٹے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بدوجہ ست محسوب ہے۔ اگر بیٹا غیر جنس کا بتو یہ ان کے لیے عیب ہے۔ اور اگر ہم جنس ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے عیب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، فردانیت اور یگانگت کے خلاف ہے۔

مخلوق کے لیے اولاد کا ہونا اس لیے محسوب نہیں کہ مخلوق عاجز ہے۔ اسے اولاد کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر انسان اولاد کے بڑے مشتاق ہوتے ہیں اولاد کی عدم موجودگی میں انہیں سلسلہ نسب منقطع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آخری عمر میں خدمت کے محروم ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ تو کھد ہے۔ اس کی صفت تو بختی ہے۔ وہ ہمہ ہے۔ وہ ہر ایسی چیز سے بے نیاز ہے۔ لہذا اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بہت بڑی بات ہے۔

یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اولاد کی پیدائش اس کے باپ کے مادہ سے ہوتی ہے جو اس کے جسم سے الگ ہو کر رحم مادر میں منتقل ہوتا ہے۔ اور پھر وہ بچے کی صورت میں اس کے جسم سے علیحدہ ہوتا ہے۔ تو اس قسم کی تولید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بہت

ہے۔ بلکہ ایک ہر مخلوق کی نسبت ہے۔ اور میرا مفہوم یہی رہا ہے۔ جسے ہر قسم کا اختیار حاصل ہے اور اس کے حکم کو کوئی ڈال نہیں سکتا۔ کُلُّ لَذَائِقَاتُہُمْ سَوَاءٌ۔ سب اُن میں اِستقامت اور نئے واسطے میں۔ اس کے تئوینی حکم کی خلاف ورزی کسی میں محال نہیں۔ وہ کسی کو یا نہ کرنے دے۔ یا نہ کرنے سے روکے۔ یہی یہ موت عادی کر دے۔ اس کے حکم کو کوئی ڈال نہیں سکتا۔ فائزات کی ہر چیز کو اس کی فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ ہاں شریعت کے احکام ایسے ہیں جسے ان ڈال سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے خذْہُ بِظُہُورِہٖ ذَکُوۡرَہٗ۔ مادکرہ ان ان احکام پر عملدرآمد میں کوتاہی کر سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے تئوینی حکم کے سامنے سب کو تسلیم ختم کرنا پڑے گا جب موت کے فرشتے آجاتے ہیں۔ تو پھر کون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ڈال سکے۔ خود کرنے والا اور اس کے سامنے حمایتی دیکھتے۔ وہ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا تئوینی حکم پورا ہو جاتا ہے۔ گو یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہوا۔ اول یہ کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اور دوسری یہ کہ وہ ہر چیز کا مستوف بھی ہے۔ جو چاہے کرے اس کے راستے میں کوئی روٹ نہیں آتی۔

صفتِ ابداع

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت ابداع کا ذکر بھی ہے۔ فَرَّیۡا بِکَیۡدِہٖ لَیۡسَ لَہٗ سَمِیۡعٌ وَاَلۡمَیۡزُہُنَّ وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے۔ ابداع اس تخلیق کو کہتے ہیں جس کا پہلے نمونہ موجود نہ ہو۔ کہ جسے دیکھ کر کوئی چیز تیار کی جاسکے۔ اور پھر موجود بھی ایسا ہے کہ وَإِذَا قَضٰی اَمْرًا جب کسی کام کے کرنے سے۔۔۔ کا فیصلہ کرتا ہے۔ فَاَنۡحَا یَقُوۡلُ لَکُنْ تو وہ کہتا ہے ہو جائیے کون پس وہ ہو جاتی ہے۔ یہ کُن ایسا لفظ ہے۔ جس میں سرعت اور تیزی کا حکم پایا جاتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کُن فرماتے ہیں۔ تو کسی چیز کے معرض وجود میں آنے کے لیے نہ کسی۔ نہ کسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ نہ ڈیرین طلب ہوتا ہے۔ اور نہ کسی کاریگر یا مددگار کی مدد کا ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوتے ہی کام ہو جاتا ہے۔ وراہل یہ کُن کا لفظ بھی محض تعبیر کے لیے ہے۔ ورنہ اس کی بھی ضرورت نہیں جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتے ہیں، کہ کون سی چیز کس سطح پر مطلوب ہے۔ تو وہ فرما ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی
طرف خلقت

اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا سمجھنے کے قابل اور گستاخی سے بے محل اور فضول بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ اس کی چار صفات کا بیان بھی

ہو گیا۔ حدیث شریف میں آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کَذَّبَنِي ابْنُ اَدَمَ وَلَمْ
يَكُنْ لَكَ ذَلِكَ اِنَّ اِنْسَانَ مَجْهُوْلٌ جَهْلًا تَبْتَدِئُ بِهِ عَمَلَهُ اس کے لیے یہ بات مناسب نہیں۔ اور
انسان مجھ کو گالی دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی اس کے مناسب حال نہیں۔ پھر فرمایا کہ فَامْتَكِ
تَكْذِبُ يَبْنُ بِهَا كَيْ اس کو جھٹلانے سے کہ لَنْ يُعْطِيَ لِي لَكُمْ بَدَأْنِي اِنْسَانًا كَيْتًا
کہ مجھے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح کہ پہلے مرتب کیا۔ یعنی انسان قیامت کا منکر ہے
یہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اور گالی اس لحاظ سے دیتا ہے کہ وہ میری طرف
اولاد کی نسبت کرتا ہے۔ حالانکہ میری بیوی ہے اور نہ اولاد ہے۔ اور نہ ہی مجھے انکی
ضرورت ہے۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ تو وہ گویا اللہ تعالیٰ
کو گالی دیتا ہے۔ لَقَوْلُهُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو۔ تو وہ خدا کا عجز ہوگا
اگر خدا تعالیٰ کا جزا، جائے گا۔ تو خدا تعالیٰ خود ہی حادث ہوگا۔ بیسٹ نہیں ہے۔ اسی طرح
مجاز بھی کسی کو خدا کا بیٹا نہیں کہہ سکتے۔ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا اس قدر قرب حاصل کرے
کہ بیٹے کی طرح ہو جائے۔ بیٹا چونکہ متصرف ہوتا ہے۔ وہ باپ کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام
کر سکتا ہے۔ بعض اوقات باپ کو مجبوراً بیٹے کی بات ماننا پڑتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفت
تو یہ ہے كُلُّ لَكَ قَارِنُونَ سب کے سب اس کے تابع ہیں۔ اس پر کوئی بھی تصرف نہیں
کر سکتا۔ لہذا یہ بات بھی غلط ہے۔ کہ کسی کو مقرب الہی ہونے کی بنا پر خدا تعالیٰ کا بیٹا تسلیم کر لیا
جائے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

ایک اور غلط بات جو بعض لوگ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
علم سے عاری۔ جاہل لوگ کہتے ہیں لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اللّٰهُ تعالیٰ ہم سے بدست بردار ہے
کلام کیوں نہیں کرتا۔ اَوْ قَاتِلْنَا اَيْدِيَهُمْ ایا ہمارے پاس کوئی نشان کیوں نہیں آتی جس کی بنا پر
ہم اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کی کتاب کی تصدیق کر سکیں۔ مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ مشرکین میں

سے ایک شخص رافع بن حریذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا۔ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تو آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست کلام کرے۔ یا وہ کوئی خاص نشانی ہمارے پاس بھیجے جس سے دیکھ کر ہم تصدیق کریں۔ فرمایا یوقونی اور حماقت کا سوال ہے۔ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اس طرح کی باتیں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی کی تھیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ پُرانا یہود و ہنود کا ہے۔ آج کے دور کے کافر، مشرک اور جاہل لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ فلاں نشانی ہونی چاہیے۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کلام کیوں نہیں کرتا۔ فرمایا تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ اس قماش کے تمام اگلے پچھلے لوگوں کے دل آپس میں ملنے جلتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اور لایعنی سوال پیش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام
کے معجزات

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ لوگ کون سی نشانی طلب کرتے ہیں حالانکہ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِلْمُؤْمِنِينَ لِيُوقِنُوا ہم نے تو یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں یا معجزات دکھائیے ہیں۔ کسی ایک اور نشانی کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر تقریباً تین ہزار معجزات ظاہر فرمائے۔ اور یہ سارے ان لوگوں کے سامنے ہیں۔ کیا شق القمر کا معجزہ کوئی دھکی چھپی بات ہے۔ کیا ان لوگوں نے کھجور کے خشک تنے کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کی نریں بدی ہو جانا کس کے علم میں نہیں یہ سب کچھ ان لوگوں کے سامنے ہے۔ مگر یہ نشانیاں ان لوگوں کو نظر آتی ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے۔ وہ سمجھ چکے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور جن کے دل میں عناد ہے اس قسم کی بے معنی باتیں وہی کرتے ہیں۔ البتہ نبی کے دل میں تکلیف ہوگی۔ غم لاحق ہوگا۔ کہ اتنی واضح نشانیاں موجود ہونے کے باوجود یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے براہ راست باتیں کر کے فرشتوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ یا اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے برابر سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے۔ یہ سب ناجائز مطالبات ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام علیہ وسلم

جب کوئی شخص تمام تر نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے۔ تو یقیناً دل میں افسوس

پیدا ہوگا۔ حضور خیر السلام کے ساتھ یہی معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلیت ہوئے فرمایا:
 مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَقًّا وَنَذِيرًا تَسْمِعُ لَهُمْ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَتُكَ يَوْمَ تُبْلَغُ الْكُلُومُ
 بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنی امت کے لیے بشیر اور نذیر ہیں۔ یعنی آپ اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری
 سناتے ہیں۔ اور مشرکین کو دوزخ کی وعید بھی سناتے ہیں۔ جو اذک آپ کا انکار کرتے ہیں۔ وہ لازماً
 اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ آپ ان کی حرکات پر غمگین نہ ہوں۔ اور نہ ہی ان کے
 دوزخ میں جانے پر کوئی قلق محسوس کریں۔ کیونکہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَاعَتُكَ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَتُكَ
 آپ سے دوزخیوں کے متعلق حال نہیں کیا جائے گا۔ کہ یہ لوگ جہنم میں کیوں گئے۔ بلکہ اُن
 سے سوال ہوگا: مَا سَأَلَكُمْ فِي سَعَادَتِكُمْ اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ تمہاری جہنم رسید ہونے کی کیا وجہ
 تھی۔ پھر وہ خود ہی اس کا جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سکیں سے ہماری نہیں
 کرتے تھے۔ فضولیات میں گئے رہتے تھے۔ اور روز قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ لہذا آپ
 اُن کی حرکات سے دہشتہ نہ ہوں اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے
 باقی ان سے ہم خود نپٹیں گے۔

الْبَقَرَةُ

دریں محل و جنت ۴۲

البقرة ۲

در بیت ۱۲۳ و ۱۲۴

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قَدْ أَفْضَىٰ اللَّهُ هَٰذَا بَيْنَهُمَا وَلَٰكِنْ أَتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ فَبُذِلَ
 الْكَذِبُ حَتَّىٰ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وِثْرٍ وَلَا تُصِيرُ
 ۱۲۰ الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلْكَ أَرْبَابِكَ
 يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ تَكْفُرٍ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَافُونَ ۱۲۱
 يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ آيَاتِهِ لِقَوْمٍ يُعْلَمُونَ ۱۲۲
 وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۱۲۳
 عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ
 وَلَا تَعْمَلُ مَشُورُونَ ۱۲۴

ترجمہ: اور ہرگز رضی نہ ہوئے آپ سے یہودی اور نصرانی یہ کہ آپ ان کی
 ملت کا اتباع کریں۔ آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور
 آپ نے اگر ان کی خواہشات کا اتباع کیا۔ بعد اس کے کہ آپ کے پس منظر اچھا
 ہے۔ تو نہیں ہوگا۔ آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار ۱۲۰
 جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تلاوت
 کا حق ہے۔ یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے گا
 پس یہی لوگ نقصان اٹھائیوں لے ہیں ۱۲۱ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں
 یاد کرو۔ جو میں نے تم پر کیں۔ اور یہ بات کہ بیشک میں نے تم کو جہانِ دلوں پر
 فضیلت بخشی ۱۲۲ اور پھر اس دن سے کہ نہ کام آئے گا کوئی نفس کسی کی
 طرف سے ذرا بھی۔ اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے بدلہ۔ اور نہ اس کو سفارش فائدہ
 دے گی۔ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۱۲۴

گزشتہ پیر

یہود و نصاریٰ کی ضربیاں مختلف انداز میں بیان ہو رہی ہیں اس سے پیشتر اس بات کا ذکر بھی آچشمیت کہ اہل کتاب ہابستے میں کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جی پستے دین یعنی یہودیت یا نصاریت کی طرف پٹ آئیں ان کی خواہش یہ ہے کہ ان ایمان کمزور ہو جائیں۔ اگرچہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ تاہم وہ حسد کی بنا پر بنی آخر الزماں یہ یاں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض باتوں میں رافتت جی رہے تھے یہ حقہ یہ حقہ کہ شاید یہ لوگ ہمارے ہو کر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کی عوف رخ زکے نماز پڑھتے سبے۔ ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ ماہ تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ مگر بعد میں یہی معلوم ہوا کہ مشرک تونا دان کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اہل کتاب حسد اور غنا کی بنا پر ایمان کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشرک یا تو ختم ہو گئے یا ایمان قبول کر لیا۔ مگر یہود و نصاریٰ باطل پر اڑے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مقام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ اہل کتاب سے آپ کوئی امید نہ رکھیں۔ یہودی و زرتشتی کی مخالفت کر رہے ہیں۔

ضمانی کے لیے
اہل کتاب کی تہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَٰكِنْ سَرَّحْنِي عَنْكَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ يَهُودِيٌّ وَنَصْرَانِيٌّ
آپ پر برگزینی نہیں ہوں گے حَتَّىٰ تَبْغِيَ مَلَائِكَةُ جِبْرِائِلَ کہ آپ ان کی ملت کا اتباع نہ کریں۔ ان کا مذہب اختیار نہ کریں۔ ان کا طریقہ نہ اپنائیں لفظ لَنْ تاکہ نفی کے لیے آتا ہے۔ یعنی ہرگز رشتہ نبی ہوں گے اہل کتاب کو حق بات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے دین سے غفلت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خود ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اہل کتاب کی جملہ ضربیاں بیان کر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آخری ہت کی کہ آپ ان سے کوئی امید وابستہ نہ کریں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے۔ بلکہ یہ تو اہل مسلمانوں کو اپنے دین پر لانا چاہتے ہیں۔ جو کرنا ممکن ہے۔

ہدایت الہی
اہل ہدایت ہے

فرمایا یہ لوگ جس ملت پر آپ کو لانا چاہتے ہیں۔ وہ ان کی خود ساختہ بات ہے قَدْ
آپ ان سے فرمادیجئے اِنَّ هٰذِي الْاٰلِهَہُ هُوَ الْاٰلِهَہُ الَّذِیْ اٰلِیٰتِہِیْ اَصْلُ ہِدَیٰتِہِ
اگر آپ ہدایت الہی کو چھوڑ کر ان کی ملت کا اتباع کریں گے تو یہ ہوا کی پیردی بن جائیگی۔
جو کہ ہدایت کی ضد ہے۔ اور اگر حق واضح ہونے اور علم آ جانے کے بعد آپ ان کی خواہش

اتباع کرنے لگیں وَلَٰكِنْ أَتَّبَعْتُ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
 تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا نَصِيرٍ اللہ کی طرف سے آپ کے کوئی
 حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔ یعنی اے نبی علیہ السلام اور اہل ایمان اب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری
 کتاب ہدایت آچکی ہے۔ اگر اس کو پھیر کر اہل کتاب کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگے۔ تو پھر
 اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آسکتی ہے۔ اگرچہ یہ آپ کے قطعاً ممکن نہیں کہ حق کو ترک کر دیں تاہم قانون
 کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ اصل ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اسکی
 کی پیروی کرنا ہے۔ اور کسی دوسری چیز کے پیچھے نہیں چلنا۔ یہ قاعدہ سب کے لیے ہے۔ اور اس سے
 کوئی بھی بری الذمہ نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا
 لَٰكِنْ أَشْرَكَتَ لِيُخْبِتَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ اگر آپ سے بھی شرک
 سرزد ہو گیا۔ تو آپ کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور آپ نقصان اٹھانے
 والوں میں ہوں گے۔ یہ اصول صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام
 انبیاء علیہم السلام پر یہی حق بھیجی کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ لہذا آپ حق کی پیروی کرتے
 رہیں اور اہل کتاب کی خواہشات کی طرف توجہ نہ دیں۔

یہود و نصاریٰ کا دین اسلذا تو کتاب الہی کے ذریعے ہی نازل ہوا تھا۔ اور وہ برحق تھا۔ مگر
 اب ان کی ملت تحریف کی وجہ سے بگاڑ چکی تھی۔ لہذا اب وہ قابل اتباع نہیں رہی۔ بلکہ اب تو
 آخری نبی کا دین غالب آئے گا۔ وہی قابل اتباع ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا هُمَا الَّذِي أَرْسَلَ
 رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينٍ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ لَعَلَّ الْكُفْرَ يَظْهَرُ وہ دین و کرم ذات ہے۔
 جس نے اپنے آخری نبی کو سچا دین سے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اس دین کو حقیقی ادیان پر غالب کرے جب
 مقصد رسالت دیکھو ادیان پر غالب ٹھہر کر یہ کہے ممکن ہے۔ کہ علم اور حق کی آمد کے بعد اہل کتاب
 کی خواہشات کی پیروی کی جائے جس طرح یہ سلام کا فرمان ہے کہ کسری کی جلالت کے بعد کوئی
 دوسرا کسری پیدا نہیں ہوگا۔ اور قیصر کی جلالت کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہوگا۔ مگر دوسری جہان

نزول مسیح علیہ السلام تک باقی رہیں گے۔ اور ہم ان تمام سے بادرست و گریبان رہو گے۔ کبھی ان کو فخر حاصل ہو گا۔ اور کبھی تم غالب آؤ گے۔ گویا یہ لوگ قرب قیامت تک باطل پر ڈٹے رہیں گے لہذا ان سے قبول حق کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

اہل کتاب میں
اہل ایمان

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے۔ کہ جب کسی قوم کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس قوم کے موصوفہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت ان صفات کی حامل ہے۔ ان میں بعض اچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں پر یہی چیز بتائی جا رہی ہے۔ کہ اگرچہ اہل کتاب کی اکثریت ایسی ہے۔ جو اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی ہوئی ہے۔ تاہم ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ جنہیں ہم نے کتاب عفا کی ہے۔ يَتْلُونَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ جو اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِمَا فِي لُغَتِهِ جو حقیقت میں توراۃ اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ جو لوگ سابقہ کتب کا دیہ پر صحیح معنوں میں ایمان رکھیں گے۔ وہ ہی آخر الزمان کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ توراۃ و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ اور جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ وہ قرآن پر بھی ایمان لائے گا۔ یہ ساری کی ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں اور ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مسلمان تو تمام کتب کا دیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر یہ کم محنت قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل کتاب سات کے سات سے ایمان نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بھی ایسے ہیں جو کتاب کو صحیح طور پر پڑھتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگ ایمان دار ہیں۔

حق تلاوت

تلاوت کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ جو شخص زبانی تلاوت تو کرے مگر اس کے احکام کی پروا نہ کرے یا اس کے احکام کو توڑ موڑ کر پیش کرے یا اس کی غلط تائیل کرے۔ جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے۔ تو ایسے شخص نے تلاوت کا حق ادا نہیں کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بھی یہی اصول کار فرما ہے مندرجہ حاکم کی روایت میں آیا ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تلاوت یہ ہے کہ کتاب کی مدد کردہ چیز و عدل اور
 حرام کردہ چیز کو حرام سمجھے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: اُس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس نے
 استَحْلَالَ حَرَامٍ کا جس نے قرآن پاک کی حرام کردہ چیز کو عدل سمجھ لیا۔ یہ لازم ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے عدل و حرام کی پرہیزی یا سہمی کی جائے۔ یہودیوں کی تہمت اس کے الفاظ اور
 کلمات میں تحریر ہے کہ جائے۔ کتاب الہی کے محکم اور مشابہات تمام آیات پر ایمان ہونا چاہیے
 صحیحات میں کتبائے بھی آتی ہیں۔ اُن پر بھی یقین ہونا چاہیے۔ رد غل کرنا چاہیے۔ یہ حق تلاوت
 ہے۔ ایمان لانے کے بعد احکام کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اگر غل نہیں کرتا تو اس نے حق تلاوت
 ادا نہیں کیا۔

منکرین کیلئے
 خدا

فرمایا وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کفر کرے گا۔ یعنی اس کی
 تلاوت کا حق ادا نہیں کرے گا۔ اس کے حکام کو چھپانے گا۔ اس کی غلط آیتیں کرے گا۔ جیسا کہ
 یہودی کرتے تھے فَادْبَارُكَ هُمُ الْخَسِرُونَ پس یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں
 اس دنیا میں تو شاید نرا سے بچ جائیں گے۔ مگر ان کا انجام کارِ بڑا ہوگا۔ اور آخرت میں یہ لازماً
 خدا پانے والوں میں ہوں گے۔ اُس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ انہوں نے احکام میں تحریریت
 کر کے اہل کفران حق کے ذریعہ کتنا نقصان دہ سودا کیا تھا۔

حق و باطل
 کی پہچان

اہل کتاب کے دو گروہوں کا ذکر ہوا۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی برائیاں مسلسل بیان ہو
 رہی ہیں اور جو اپنی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان سے محروم ہوا۔ دوسرا وہ گروہ ہے جو کتاب
 کو صحیح طریقے سے پڑھتا ہے۔ اور پھر اس میں تحریریت کرنے کی بجائے اس کے احکام پر ایمان
 لاتا ہے۔ انہیں لوگوں میں تشریف عبد اللہ بن سلام ہیں۔ یہودی عالم تھے۔ مگر منصف مزاج تھے
 حضور علیہ السلام سے پہلی ملاقات میں ہی ایمان قبول کر لیا۔ یہ بار بار کہتے تھے کہ مجھے یقین
 ہے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ جس کی بشارت کتب سابقہ میں آچکی ہے۔
 ان کی اکثریت متعصب حق جنوں نے یدان قبول نہیں کیا اور آج تک اُسی دگر پر چلتے آئے

ہیں۔ ان میں سے کوئی اکاؤنٹ ایسا نکلتا ہے جو تعصب کو بالائے طاق رکھ کر کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور پھر حق کو قبول کرتا ہے۔

اسی میں ایک حق پرست محمد اسد (پروپازر) ہیں۔ یہ بھی یودی عالم تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انگریزی زبان میں 'روڈ ٹو فاکا' ROAD TO FAKA یعنی مکہ کی طرف سڑک انہیں کی کتاب ہے۔ انہوں نے ایک اور کتاب اسلام ایٹ کراس روڈ (ISLAM AT CROSS ROAD) یعنی اسلام چرستے پر بھی لکھی ہے۔ بڑے بچہ دار اور قریب کار ہیں۔ کچھ عرصہ پاکستان میں بھی قیام کیا ہے۔ آج کل اُردو روپ میں ہی کہیں مقیم ہیں۔ ہر حال اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ مکہ ہسپتال عیسائی دانشور تھے۔ انہوں نے قرآن پاک کا سند ترجمہ کیا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اسی طرح مکہ دکنویہ اول کے زمانے میں مسٹر گویم تھے۔ آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ ایمان کی دولت سے شرف ہوئے۔ وہ دمنور کے طریقہ سے متاثر ہوئے۔ اور کہا کہ یہ طریقہ یقیناً ایک سچے مذہب کا ہی ہو سکتا ہے۔ اُس نے اپنے خاندان کے اسٹی اشنی مس کو مسلمان بنایا۔ عیسائی بڑے نادان بن گئے۔ آج ہم وہ اپنا کام کر گیا۔ بلکہ اُس نے عیسائیوں کو ہمیشہ مناظرہ کی دعوت دی۔ پیٹھے کے لحاظ سے ہر سڑک تھا۔ کوئی اس کے مقابلے پر نہیں آتا۔ اس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔

انغرض! سیور و نصاریٰ کی اکثریت غباری رہی ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے۔ یہ لوگ سازشی ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق ہمیشہ غلط پراپیگنڈا کرتے لوگوں کو بدظن کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی مسلمان یودی یا عیسائی نہ بھی بن سکے تو کوئی بات نہیں۔ اُسے کم از کم مسلمان نہیں بننا چاہیے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان کو بے دین ضرور بنادیں۔ اپنے دین پر اس کا عقیدہ متزلزل کر دیں۔ اور اس طرح ان کا رشتہ اپنے پیغمبر کے ساتھ کٹ جائے۔ یہ ان کی سازش ہے۔ جس کا شکار مسلمان ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تقریباً چالیس ہزاروں کی نسل مذہبی کے بعد انہیں آخر میں نصحاء (نعمات) میں سے دیکھائے۔ اور فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السَّبِيلَ اذکثر واسے بنی اسرائیل یاد کرو۔ يَقْصِبِ السَّبِيلَ أَفْعَمَتْ عَلَيْكُمْ نِيرَانُ نَعْمَتٍ کو جو میں نے تم پر انعام کیں۔

بنی اسرائیل
پر انعامات

وَبِیْ فَضْلَتِکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ اور میں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی۔ بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کی فضیلت کا تذکرہ ان دیوس میں تفصیلاً چکاستے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مرتبہ پھر یاد دہانی کرائی۔ مگر یہ ایسی ناشکر کذا۔ قوم دست۔ کہ حسد کی آگ میں جل کر تمام حسانات فطرت کر گئی۔

قیامت کا
نقشہ

فرمایا ہے بنی اسرائیل! تم نہ سمجھنا کہ ان تمام برائیوں کے باوجود تم آخرت میں کسی نہ کسی طریقے سے خود ہو جاؤ گے۔ وَالْعَوَا یُکْمِلُ مَا لَا یُتْمِزُ مِنْ نَفْسٍ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا اس دن سے ذرہ جس دن کوئی کسی کے کچھ کا نہ آئے گا۔ اُس دن انسان کے بھی رے تمام ذرائع خواہ وہ قوت کے ذرائع ہوں یا گڑ و زاری کے سب ناکام ہو جائیں گے۔ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَذْلٌ اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا۔ دنیا میں تو مال یا جان یا کسی قدر کے بدلے کوئی جان پھڑائی جاسکتی ہے۔ مگر قیامت کے دن مجرم سے کوئی یہ قبول نہیں کی جائے گی۔ صرف اسکی اپنی جان ہی قابلِ مؤخذہ ہوگی۔ فَرِیْضًا وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اُس دن کسی کی سفارش بھی سودمند نہیں ہوگی۔ اس دن کوئی کسی بہ بخت کی سفارش بھی نہیں کرے گا۔ تمنا یہ حقیقہ باطل ہے کہ سنت ابراہیم علیہ السلام تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچالیں گے۔ سفارش تو ایماندار کی ہو سکتی ہے اور وہ صلی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جس سفارش کے زعم میں ہے بنی اسرائیل! تم جلد ہو اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے اب بھی کچھ جا رہا ایمان قبول کر لو۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے گا تو پھر وَلَا هُمْ یَنْصَرُونَ ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اللہ رب العزت کی عدالت میں ٹھیک ٹھیک فیصلے ہوں گے۔ ان فیصلوں کو بدل کر مجرمین کی مدد کرنے والی کوئی ہستی نہیں ہوگی۔ اگلی آیات میں قت ابراہیم کی تائیس سے شروع کر کے حضور علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی صداقت کا بیان ہے۔

البقرة

(آیت ۱۲۴)

الْم

دریں چل و بشت

وَإِذَا بَشُلْ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۴﴾

میں جمدہ بہ اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ، جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس
کے رب نے چند باتوں کے ساتھ۔ پس انہوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ
نے) فرمایا میں تمہیں لوگوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم علیہ السلام) نے
کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں

ہے ﴿۱۲۴﴾

گزشتہ دروس
پر ایک نظر

سورۃ بقرہ کی ابتدا میں قرآن پاک کے کتاب ہدایت ہونے کا بیان تھا۔ اس کے بعد
اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے تین گروہوں کا ذکر کیا۔ پہلا گروہ ہدایت کو قبول کرنے والوں کا دوسرا
منکرین کا اور تیسرا منافقین کا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع سے اپنی توحید کا اقرار
اور اپنی عبادت کے لیے کہا۔ پھر قرآن پاک کی صداقت اور حقانیت کو بیان فرمایا۔ اس کے ساتھ
پیغمبر علیہ السلام کی نبوت و راسپ کی صداقت کا ذکر کیا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اگے خلیفہ آدم
علیہ السلام اور پھر ان کی خلافت یعنی کا ذکر کیا۔ جو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سب سے بڑا چکا تھا۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جو کہ اپنے زمانے میں ایک عظیم قوم تھی
اُسے اُس وقت تمام عالم پر فضیلت حاصل تھی۔ اس کے بعد ان خرابیوں کا تفصیل کے ساتھ
ذکر آتا ہے۔ جو بنی اسرائیل میں پیدا ہو چکی تھیں۔ اگرچہ بنی اسرائیل کی خرابیاں لاتعداد ہیں مگر
ان آیات میں ان کی چالیس کے قریب خرابیاں بیان ہوئی ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے
بنی اسرائیل کو خطاب کیا اور فرمایا اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو اور ان کی ناقدری نہ
کرو۔ فرمایا وَهُنَا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اِسْ كُنَابٍ پر
ایمان لاؤ جس کو میں نے سب سے آخر میں نازل کیا ہے اور وہ سابقہ کتب کی مُصَدِّق ہے۔

عبر کیا۔ مگر جس وقت ہمیں رخصتوں کے ساتھ آزمائشیں ہر صبر نہ کر سکے گویا، امتحان کا معنی آزمائش ہے۔
 یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزمائش تو وہ ہے۔ جسے کسی کی اہلیت یا کارکردگی کا علم نہ
 ہو مگر اللہ تعالیٰ تو عظیم کمال ہے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی جانتا تھا کہ
 آپ کس حیثیت و درجہ و منزلت کے نبی ہوں گے۔ اور چہ جس قدر بھی آپ میں اوصاف پاسے
 جاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ تھے۔ تو ان حالت میں خود حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کی آزمائش کا کیا مطلب؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آزمائش کی غرض و غایت یہ بھی ہوتی ہے
 کہ کسی کو آزمائش میں ڈال کر اس کی حیثیت کو دوسروں پر واضح کیا جائے۔ امتحان لینے والے کو
 تو علم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت کیسے مگر دوسرے لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہذا
 امتحان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان کی یہی غرض
 غایت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں پر ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ جس ہستی کو میں نے پناہ
 منتخب کیا ہے۔ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ جن کی بنا پر انہیں جنت مقام حاصل ہوا ہے۔ الغرض
 اللہ تعالیٰ، ملک الملک ہے۔ وہ چاہے ترابیاں عظیم السلام کا امتحان لے لے۔ اور نہ چاہے تو
 ایک گناہ کو معاف کر دے۔ بہر حال یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشوں کا ذکر ہے۔
 حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے مقام پر تھے یہاں سے جو موجودہ بغداد سے ساڑھے ستر میل
 کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس زمانے میں بابل آشوریوں کی سلطنت اور بڑا امجدان ملک تھا۔ یہ شہر
 کلدانیوں کا پایہ تخت بھی رہا۔ مگر زمانے کی دستبرد کے آگے ٹھہر نہ سکا۔ اور تباہ و برباد ہو گیا
 اب اس کے ٹھنڈات سے اس زمانے کی اشیائے حال نکال کر انہیں عجائب گھروں میں تبدیل
 کر رہے ہیں۔ یہ بابل اسی طرح کے ٹھنڈات ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں ٹینڈا کے ٹھنڈات ہیں
 اسی طرح کے بعض مقامات تسمانیہ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں کے ٹھنڈات سے پانی تیزیوں
 کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن بابل تھا۔ جس کے
 اب ٹھنڈات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ حریصانہ زمانے میں یہ بہت بڑا شہر اور تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کا وطن بابل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف آزمائشوں کے لیے یہاں پر کلمت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے۔ تاہم مبہم ہے۔ مفسرین کرام بہت سی آزمائشوں کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کی آزمائش کا پہلا مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ نے ہوش دواس سنبھالا اور ارد گرد کے احوال مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آپ کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق سب سے پہلے آپ کی اپنے والد، قوم اور بادشاہ وقت کے ساتھ کشمکش پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل عمر میں ہی شد و ہدایت سے نوازا تھا۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرٰءِیْلَ رُسُلًا ثُمَّ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِکْمَ لِقَوْمٍ أَعْيَنَ۔ چنانچہ آپ نے اپنے مشرک زادہ احوال کا یہ اثر یا کر آپ شرک اور کفر سے متنفر ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے کفر و شرک کی مذمت بیان کرنا شروع کی۔ خاندان، قوم اور بادشاہ سب آپ کے دشمن ہو گئے۔ یہاں تو معمولی تنازعہ ہو جائے تو لوگ بھاگ جاتے ہیں مگر آپ کے پاس استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اور آپ پچاس ساٹھ سال تک اپنے احوال کے سامنے سینہ پیر رہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے عبادت خانہ میں جا کر سارے بتوں کو توڑ دیا۔ تو آپ کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک مخالف تو پہلے ہی تھے اب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے بتوں کی توہین ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ بادشاہ قوم کے ساتھ تھا۔ لہٰذا فیصلہ یہ ہوا۔ حَرِّقُوْهُ وَانصُرُوْا الْاِلٰهَتَکُمْ مِّنْ دُونِیْ۔ معبودوں کو جو نقصان پہنچا یا گیا۔ اس کی تلافی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں زندہ بہہ دیا جائے۔ چنانچہ جیسا کہ واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد کے لیے بہت بڑی مقدار میں ایندھن جمع کیا گیا اور پھر اسے ایک کھائی میں اچھی طرح جلا کر بھنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا۔ ان حالات میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائش میں پڑے تو اسے انہوں نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت بھی کوئی بد بزم فزع نہیں کی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر صلیٰ کی کوئی درخواست نہیں کی۔ بلکہ نہایت خند و شادی سے آگ میں ڈالے جانے کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا جَعَلْنٰہُمْ الْاٰخِیْرَیْنَ۔ وہ ایک دواؤ کھینا پاہتے تھے۔ کسی طرح نہ بت ابراہیم علیہ السلام بدمذہب و ہستی سے ناپید کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ ہم نے ان بھڑوں کو ہی گھاٹے والا بنایا۔ یعنی ان سب کو مار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ اور آپ اس امتحان میں کامیاب رہے۔ ان ہونے والی کے تعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے بڑے پیارے سردار کو بعض باتوں میں آزمائیں گے۔ فَاتْلَمِذُوا آپ ان آزمائشوں میں پورے اترے۔ یہ آپ کی پہلی بڑی آزمائش تھی۔

دوسری آزمائش
وطن سے ہجرت

اسی بڑی آزمائش دیکھنے سے باوجود حضرت بزرگمرد علیہ السلام کی قوم آپ پر ایمان نہ لائی۔ بلکہ آپ کو ایک دوست راستہ ہستی سے گھڑا پڑا۔ آپ کا نانا ذان ایک یونانی حضرت سارہ اور خدیجہ حضرت لوط علیہ السلام پر مشتمل تھا۔ لوط علیہ السلام بچپن ہی سے آپ کی تحویل میں تھے۔ اور آپ پر یقین بھی رکھتے تھے۔ اتنی بڑی تمدن عظمت میں کوئی دوسرا شخص ایمان نہیں لایا۔ اگرچہ قوم پہلے منصوبے میں ناکام ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود وہ حضرت بزرگمرد علیہ السلام کی جان کے دشمن تھے۔ اور آپ کے قتل کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ ان ساری باتوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا۔ یہ آپ کی دوسری آزمائش تھی۔ ہجرت کرنا یعنی وطن اور گھر بار چھوڑنا بڑا مشکل کام ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ تو نبی اس کی تعمیل میں ذرا تامل نہیں کرتا۔ بلکہ نبی کے ساتھ اگر اہل ایمان کو بھی ہجرت کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کھٹن گھائی کو عبور کر لیتے۔ ہمارے نبیؐ نے الزام علیہ السلام اور صحابہؓ کی ہجرت ایک اہم تائیدی بات ہے۔ اسی لیے تَرَوُا الشَّيْقُونَ لَا وَلَٰكُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ کو بزرگواران کی تعریف فرمائی۔

الغرض حضرت بزرگمرد علیہ السلام نے رعلے کے حکم پر بیٹھ کتے ہوئے ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ اور فرمایا اِنِّي مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّي میں اللہ کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ چنانچہ آپ نے یوحنا بن حنیبل کے قہرہ بابل اور عراق کو چھوڑا۔ آپ کو مصر کے راستے سے شام اور فلسطین پہنچنے کا حکم تھا۔ راستے میں شرق اردن کے علاقے میں بحیرہ میت آگیا۔ اس کے کنارے پر بڑے تمدن لوگ آباد تھے۔ انہوں نے منی درخت کا ٹپا ہتھوڑا قائم کر رکھا تھا۔ اس ٹپا پر حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم یہیں قیام کرو۔ اور ان لوگوں کو دین حق کی دعوت دو۔ چنانچہ آپ وہیں قیام پزیر ہو گئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پہنچے یونانی بچے کے قہرہ شام اور فلسطین اور ہجرت نہ تک چلے گئے۔ منہ میں آپ کو ایک اور آزمائش

سے دو چار ہونا پڑا۔ جب وہاں کے ظالم حاکم نے آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کو قبضہ میں کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ اور اس جابر حاکم سے نجات دلائی۔

تیسری آزمائش
بیوی بچے سے
جانی

مصر کے حاکم نے حضرت سارہؓ کو ایک لونڈی دی تھی۔ اگرچہ وہ لونڈی نہیں تھی مگر اس وقت وہ لونڈی کی حیثیت میں تھی۔ حضرت سارہؓ نے باجرو لونڈی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دی۔ اور اس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی بن گئی۔ شام و فلسطین کے قیام کے دوران حضرت باجرو سے بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام امی بمعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔ حضرت امعیل علیہ السلام بھی شہ خوار کی عمر میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ ابراہیم! اس بچے اور اس کی ماں کو عرب کے دور دراز بیابان وادی غیر ذی زرع میں بھجوا دو۔ آپ نے حکم کی تعمیل میں بیوی اور بچے کو بھرا لیا۔ اور وہاں پہنچ کر وہاں کے مقام پر پہنچے۔ جو کہ اس وقت بے آب و گیاہ وادی تھی۔ اس مختصر قافے کے ساتھ کوئی سامان بھی نہیں تھا۔ ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھجوریں تھیں۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لٹھیلے اور بیوی کے پاس چھوڑ کر چلے آئے۔ یہ سارے واقعات آپ سنتے بٹتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی جاتے اور اپنے بیوی بچے کی خبر گیری کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیابان وادی میں زمزم جیسے بہترین پانی کا انتظام فرما دیا۔ پھر وہاں بوجہ ہم قید کے لوگ آباد ہو گئے۔ اور اس طرح وہ دریاں اور غیر آباد جگہ بستی میں تبدیل ہو گئی۔

چوتھی آزمائش
بیٹے کی قربانی

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور بڑی آزمائش آئی۔ جب حضرت اسماعیلؑ بارہ تیرہ سال کے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آگیا کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دو۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آئی ہے۔ آپ کو بہت غراب آیا۔ آخر آپ نے اس کا ذکر بچے سے کیا۔ بچہ بڑا صابر تھا۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں۔ چنانچہ آپ اس کے لیے تیار ہو گئے۔ حتیٰ کہ بیٹے کی گردن پر پھری چلا دی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ کہ اس نے قربانی بھی قبول کر لی اور بچہ بھی صحیح سلامت نکلا۔ انحضرت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جان مال اولاد ہر طریقے سے آزمایا۔ اللہ آپ اس آزمائش میں پسے اترے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس ثابت قدمی پر جو انعامات عطا کیے۔ ان کا ذکر بھی قرآن پاک میں آتا ہے۔

۱ احکام القرآن کے نام سے بہت سے بزرگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں عدل و حرام سے متعلق قرآنی احکام کی تشریح کی گئی ہے۔ سب سے پہلی تفسیر امام ابو جبر بن عربی نے کی ہے۔ یہ حنفی امام ہیں ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری ہے۔ ان کے بعد پانچویں صدی میں امام ابو جبر بن عربی ہوئے ہیں آپ کا تعلق ہی مسلک سے ہے۔ اور آپ کا وطن مالوف اندلس تھا۔ آپ بھی بہت بڑے مفسر قرآن تھے حضرت امام شافعیؒ کی احکام القرآن موجود ہے۔ اگرچہ انہوں نے خود یہ کتاب نہیں لکھی۔ مگر امام بیہقیؒ نے ان کی کتابوں سے متعلقہ تفسیری آیات کو منتخب کر کے علیحدہ کتابی صورت میں لکھی ہے۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے محدث اور امام ہیں۔ کشف و سرور کے بہت بڑے امام شیخ ابن عربیؒ ساتویں صدی میں ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی احکام القرآن کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے حلال و حرام کے مسائل کی بجائے تصوف پر زیادہ مسائل جمع کیے ہیں۔ موجودہ دور میں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کو بھی احکام القرآن تالیف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے بعض شاگردوں اور مریدوں کو اس کام کی تکمیل کے لیے کہا۔ چنانچہ احکام القرآن کا ایک حصہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اور دوسرا مولانا ظفر محمد عثمانیؒ نے تالیف کیا۔ ایک حصہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کے دو حصے انہی تھیں جن کی تکمیل نہیں ہو سکی۔

۲ مستحان میں
۳ مہربانی

۱ الغرض امام ابو جبر بن عربیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ سورۃ نجم کی آیت وَبِزْهَامٍ الْغَدِیِّ وَفِیْہِیْ کَایِیْ مَطْلَبٌ بِہِ کیا تم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر نہیں پہنچی۔ جنہوں نے پورا پورا کر دکھایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عرفت سے جو بھی حکم آیا۔ انہوں نے پورا کیا۔ اور اس طرح ہر آزمائش پر پورے اترے۔ آپ نے اپنا سارا مال مہمانوں اور محتاجوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ آپ اکیلے کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ جب تک کوئی مہمان نہ شامل ہو جاتا۔ آپ نے اپنے آپ کو آگ میں ڈالے جانے کے وقت بھی ہڈاپس و پیش کیا۔ اپنے قلب کو ہمیشہ رحمان کے سامنے رکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیا اور آپ ہر سختی میں کامیاب رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
ہم ان میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ مبارک ہستی ہیں کہ جب ان آنحضوروں میں کامیاب ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر انعام مرحمت فرمایا قَالَ اِلٰی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تمہیں لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والا ہوں۔ امام وہ ہوتا ہے جسے اقوال و افعال میں اقتداء کی جاسے۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے امام ہوتے ہیں وَجَعَلْتَ مِنْهُمْ وَاقِعًا يَهْتَدُوْنَ بِاَمْرِنَا جو ہمارے حکم سے امت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا ذکر خیر ہو رہا ہے، وہ ترقی حقیقیہ کے بہت بڑے امام ہیں۔ آپ کا لقب ابوالانبیاء ہے۔ آپ تمام بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام کے باپ اور جد امجد ہیں۔ الغرض تمام آن نسلوں میں سے گننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شہدہ دنیا کر کے ابراہیم! میں تجھے لوگوں کا امام یعنی پیشوا بناتا ہوں۔

ظالم محروم ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کا انعام پایا تو فوراً درخواست پیش کر دی۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ عَمِلْ كَرِيْمًا جس طرح تیرے مجھے منصب امت سے نوازا ہے۔ کیا یہ سلسلہ میری اولاد میں بھی جاری رہے گا۔ کیا میری اولاد بھی اس عمدہ جیل پر فائز ہوگی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ منصب امت صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ قَالَ لَا يَنْكَالُ عَهْدِيْ الظَّالِمِيْنَ فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ ظالم اس قابل نہیں ہوتا کہ اُسے منصب امت عطا کیا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حصے میں آتا ہے۔ اور یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو چیز عطا ہوئی۔ وہ نبوت ہے۔ فقہاء و محدثین حکمیں وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے آنکھ میچنے کے وقت کی مقررہ بھی کفر یا شرک کیا ہو تو وہ وعدہ نبوت کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس قدر پاک رکھتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلافت اور حکومت والے جو امام ہیں۔ ان میں سے بھی جو کوئی ظالم ہے۔ اس آیت کی رو سے حکومت کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امت کے قابل وہی لوگ ہیں جو عدل و انصاف کو سر بلند رکھنے والے ہیں۔ کوئی بھی ظالم پیشوائی کے لائق نہیں ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاَخَذْنَا مِنْ
مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُمَكِّنًا وَعٰهَدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعٖلَ
اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقٰئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵
وَإِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَاَرْزُقْ
اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاَمْرٌهُ قَلِيْلٌ ثُمَّ اَضْرَبْنَا اِلَى عَذَابِ
النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶

تس جہرہ ۳ اور اس بات کو دسیان میں دو جب کہ ہم نے بیت اللہ
شریعت کو لوگوں کے لیے رجوع اور امن کی جگہ بنایا۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے گھر
ہم نے کی جگہ کو مصلیٰ یعنی نماز کی جگہ بناوا۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل (علیہما السلام)
کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف دینے
والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو ۝۱۲۵ اور اس
بات کو یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا ہے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے
اور یہاں کے بننے والوں کو بچوں سے روزی دے۔ جو کوئی ان میں سے ایمان
لایا اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اور جس شخص نے
کفر یا میں اُسے عذاب دے دن تک فائدہ پہنچاؤں گا۔ چہ اُسے شش کشاں دوزخ
کے عذاب کی طرف سے جائز کا۔ اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بڑی جگہ ہے ۝۱۲۶

گزشتہ
چوتھے
بنی اسرائیل کی خبریں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی برکت اور رسالت کا ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت بھی بیان ہوئی ہے۔ مگر اس سلسلہ
کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے شروع ہوئی۔ کیونکہ اگلی آیات میں اس دعا کا

کیا ہی نہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے۔ **اَلْاِسْلَامُ كَهْفٌ فَرَمَا كَانَ قَبْلَهُ سِدٌّ**
 لانے کے بعد مومن کے سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام صبیحہ کرامؑ۔ اسلام
 کی دولت سے اللہ مال ہو کر سابقہ تمام گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے۔ لہٰذا اس کے باوجود ان
 پر کفر و شرک کا الزام لگانا قبیح حرکت ہے۔ اور مذکورہ آیت کریمہ سے غلط استدلال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کا تذکرہ بیان
 فرمایا۔ **وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا** اس بات کو خیال میں رکھو جب
 ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے لیے ماثب اور امن والا بنایا۔ بیت اللہ سے مراد خانہ کعبہ
 ہے۔ اور ماثبہ کے دو معنی آتے ہیں۔ پہلا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ یہاں بد بار
 آتے ہیں۔ لوگوں کا ذوق و شوق انیس دنیا کے کونے کونے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و عبادت
 کے لیے کھینچ کھینچ کر لاتا ہے۔ دہاں پر ایک مرتبہ پہنچ جانے والا سیراب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا
 ذوق و شوق اور بڑھ جاتا ہے۔ اور اس کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ کسی طرح وہ پھر وہیں پہنچ جائے۔
مَثَابَةً کا یہی معنی ہے۔ اور اس ضمن میں تعلیم بھی یہی دی گئی ہے کہ حاجی طوافِ دواغ کے وقت
 یہ دعا مانگے۔ اے اللہ! یہ میرا آخری عملہ ہو جبکہ مجھے پھر بھی موقع ملے کہ میں تیرے گھر کی زیارت
 کروں۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو **هُدًى لِّلْعَالَمِينَ** یعنی دنیا بھر کے لیے ہدایت
 کا تذکرہ بنایا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

مَثَابَةً کا دوسرا معنی **ثَوَابٌ** کی جگہ ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ اس مقدس مقام پر جس قدر
 ثواب حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسری جگہ پر نہیں ملتا۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں حضورؐ کی کرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ **بِسَجْدَةٍ اِمَامٍ مِّنْ حَرَمِ شَرِيفٍ** میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دوسری
 جگہ پر ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور جو شخص نیت المقصد یا سجدہ نبوی میں ایک
 نماز ادا کرتا ہے وہ پچاس ہزار نمازوں کا ثواب پاتا ہے۔ بہر حال یہاں پر مَثَابَةُ کے دونوں
 معنی ہیں یعنی مرکزِ جذبہ اور ثواب کی جگہ۔

اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ نے بیت اللہ شریف کو امن والی جگہ بنایا۔ ظاہر ہے۔ جو شخص ایمان کی حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اُسے آخرت کے عذاب سے امن مل جاتا ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی جو کوئی احرام کی حالت میں وہاں جاتا ہے۔ اس کو پناہ حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا

جسے ام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مجرم حرم میں داخل ہو جائے۔ تو اس کے خلاف تعزیری کارروائی حرم میں بھی جائز ہے۔ اُسے حرم سے باہر نکالا جائے گا۔ اور پھر مد جاری کر دی جائے گی۔ بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی قاتل جیسا بڑا مجرم بھی حرم میں داخل ہو جائے تو اُسے وہاں کچھ نہ کہو! اس کا دامن پانی بند کر دو۔ جب ثبوت ہو کہ خود ہی مدود حرم سے باہر آئے تو اس پر مد جاری کر دی جائے۔ گویا یہ مقام ظاہری طور پر بھی گمراہ امن ہے۔

مقامِ ابراہیم

بیت اللہ شریف کے ضمن میں مقامِ ابراہیم کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ رَبِّهِمْ مُمَلِّينَ اور ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو —

نماز کی جگہ بناؤ۔ مقامِ ابراہیم سے مراد کوئی کمرہ نہیں ہے۔ جہاں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی۔ آپ کے پاؤں مبارک کے نشانات اس پتھر پر اب بھی موجود ہیں۔ یہی وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ اے ابراہیم! لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر ہو چکا ہے۔ اس کا حج کرنے کے لیے آؤ۔ تعمیرِ مہارک میں آتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ پروردگار! میری آواز کون سنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْتَا کام اعلان کرنا ہے۔ میں اس آواز کو تمام نسلِ انسانی کی پشتوں پہنچا دوں گا۔ جن کی قسمت میں بیت اللہ کا حج مقدر ہے۔ ان تک آپ کی آواز پہنچے گی۔ بہر حال مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اس کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔

سنت علم کی فضیلت کے باب میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہتھیلیاں پر نماز پڑھنے کا حکم ہو۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی: **وَتَاخُذُوا مِنْ مَّقَامِ رَبِّكُمْ مَعَكُمْ** (۱۰۰)۔

مقام ابراہیمؑ تقریباً چودہ اونچ مربع چھوٹا سا پتھر ہے۔ حورہ بنت اللہ شریف کے قریب ہی تعمیر کعبہ کے وقت سے پڑا ہے۔ اور یہ حضرت مسیح علیہ السلام سنہ ۱۱۰۰ ہجری سال پہلے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اس چھوٹے سے پتھر کو خلی بنی کر اس کے اوپر تو نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ تاہم اس سے مراد یہ ہے کہ پتھر کے قرب و جوار میں نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ ہر طواف کرنے والا طواف کے صلیت چکر پٹے کرنے کے بعد دو رکعت قائم ابراہیم کے قریب ادا کرتا ہے۔ اگر اس کے بالکل قریب جگہ نہ ملے تو پیچھے کہیں بی دو رکعت واجب الطواف ادا کر لے جاتے ہیں۔

اہم عظیم اور حنیفہ کے نزدیک عواف کے دو رکعت واجب ہیں۔ جب کہ دوسرے کمرہ کرام نے سنت کہتے ہیں۔ بہر حال اس مقام پر نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ پہلے یہ پتھر ایک چوڑے پر رکھی جاتی تھی۔

مگر موجودہ حکومت نے مقام ابراہیمؑ کے چوڑے اور زمزم کے چوڑے کو ہٹا دیا ہے۔ اور اب مقام ابراہیمؑ کے ایک خوب بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر پتیل کی ٹوبہ صورت جاں لگا دی گئی ہے۔ اور اس طرح بند کی دہری حفاظت کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ایک خول و نقساں پچے تو کمرہ اور دہریہ مذہب ہے۔ حکومت سعودیہ نے لاکھوں دیال کے خرچ سے حفاظت کا یہ انتظام کیا ہے اب مقام ابراہیمؑ دور سے تو نظر نہیں آتا۔

مگر جالی کے قریب کھڑے ہو کر دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ اس پر حضرت

ابراہیم علیہ السلام پاؤں نشان موجود ہیں یہ پورے دسایہ بابت بہت سے عقائدے فاصلے پر طواف میں رکھا ہوا۔ عام ایام میں تو طوافین تمام ابراہیم اور بیت اللہ شریف کے درمیان ہی چلتے ہیں مگر ایام حج میں جوں جوں ریش بڑھتا ہے۔ ہر ابراہیم طواف کرنے والوں کے درمیان میں آجاتا

ہے۔ اور لوگ اس کے دونوں طرف سے گزرتے بہتے ہیں

بیت شریفین
کی صفائی

مقام ابراہیم کے تذکرے کے بعد پھر بیت اللہ شریفین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَعَهْدَنَا إِلَىٰ آبِرِهِمْ وَإِسْمَاعِيلَ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو حکم بھیجا کہ أَنْ طَهَّرَا بَيْتَنَا لِلطَّائِفِينَ میرے گھر کو پاک صاف رکھیں طواف کرنے والوں کے لیے وَالْعَاكِفِينَ اور اعتکاف بیٹھنے والوں کے لیے وَالرُّكَّعَ السُّجُودَ اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ پاک و صاف رکھنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ یعنی ظاہری پاکیزگی اور باطنی پاکیزگی۔ چونکہ حج و عمرہ کے لیے دو روزہ سے لوگ وہاں پہنچتے ہیں۔ اس لیے ان کی سہولت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ظاہری صفائی کا مطلب یہ ہے کہ حرم پاک کو ہر قسم کی نجاست بدبود وغیرہ سے پاک رکھا جائے۔ کیونکہ لوگ وہاں عبادت کے لیے آتے ہیں۔ وہاں اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور دیگر وظائف میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ تم دونوں باپ بیٹا میرے مہازوں کی خاطر اس گھر کو ہمیشہ پاک صاف رکھو۔ جس طرح بیت اللہ شریفین کی پاکیزگی قائم رکھنے کا حکم ہے۔ اسی طرح مہم مسجد کربھی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے۔ سورۃ نوح میں ارشاد ہے فِي بُيُوتٍ اَذْنُ اللّٰهِ اَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكِّرَ فِيهَا اَسْمَاءُ اَنْ تَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی مَنْ جَدَّ سَكَنَ کا حکم دیا ہے۔ اور وہاں اس کا نام ذکر کرنے کو کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے۔ فَطَهِّرُوا اگر تم نے گھر میں بھی کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ تو اس کو بھی پاک صاف رکھو۔ ظاہر طور پر وہاں کوئی کوڑا کباڑ یا گندگی نہیں رہنی چاہیے۔

مسجد کی صفائی

مسجد کی باطنی صفائی کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پر کوئی مشرکانہ حرکت نہ کی جائے اور نہ ہی وہاں پر بیزارمی باتیں کی جائیں۔ جس طرح بدن کی طہارت ضروری ہے۔ اسی طرح عقل اور دل کی طہارت بھی ضروری ہے۔ اگر دل کے کسی کونے میں شرک و نفاق کا کوئی شائبہ بھی ہو گا تو پرے کا پورا انسان ناپاک ہو گا۔ اسی لیے ارشادِ ربانی ہے: إِنَّكَ الْمُشْرِكُ كَوْنٌ نَجِسٌ

یعنی مشرکین پہ میں۔ ان کے دلوں پر شرک کی نجاست ڈیڑی نونی ست۔ لہذا ضروری ہے کہ دل و
 دماغ کھلے۔ شرک بدست و ردیک خرافات سے پاں و نور تہہ تہذیب پر صحیح طریقے سے ایمان ہو۔
 حضرت ابوالاعلیٰ جید سندھی فرماتے ہیں کہ ملت کو پایہ نالی صی نہ درنی ہے۔ ہماری امت
 یہ لکھ نہ کہ درجہ ہات کی جو کندی سزیت کرتی ہے۔ اس سے یکپہ چڑانا بھی ضروری ہے۔ گزے
 عتد نے پوری امت کو ناپاک کر رکھا ہے۔ لہذا افرادی طہارت کے ساتھ ساتھ اجتماعی پاکیزگی کی
 بھی ضرورت ہے۔

سنت ابراہیم علیہ السلام
 کی خصوصیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ صحیح احادیث میں آیت ہے کہ آپ
 سب سے پہلے شخص اول من اختلفتہن میں جنہوں نے غنہ یا تفسیری روایتوں میں یہ ہی آیت ہے
 کہ نبی ابراہیم علیہ السلام متون پیدا ہوتے ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے نہیں ہوئے۔ انہیں کسی
 سال کی عمر میں غنہ کا حکم ہوا۔ چنانچہ تادم کے مقام پر انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے سنت ظہیر ادا
 کی۔ اب ہم یہ سب کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اسے چاہیے کہ یہ سنت ادا کرے۔ خواہ عمر کے کسی
 حصے میں ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے انسان میں جن کی
 دہمسی میں سفید بال نکلنے شروع ہوئے۔ آپ سے پہلے کسی انسان کے ساتھ ایسا نہیں ہوا سب
 کی دہمسی سیاہ ہی۔ مگر آتی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جوانی سے نکل کر بڑھاپے میں داخل
 ہوئے۔ تو سفیدی دیکھ کر عرض کیا۔ مولا کریم! یہ کیسے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار ہے۔ آپ نے
 چہرہ صاف کیا۔ اے اللہ! زدنی رقا زائری اس عزت کو ور بڑھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طواف اللہ کریم کی وحی آئی کہ اے ابراہیم! انت اکثر اھذ
 زرعہ الی آپ میرے قریب دوئے زمین کے تمام انسانوں سے بگزیوہ ہیں۔ جب آپ
 نماز ادا کرتے وقت حالت سجدہ میں ہوتے ہیں تو آپ کا سر نہیں گھٹنا چاہیے۔ چنانچہ سب سے

۱۔ اللہ الرحمن فی تفسیر قرآن مجید ۲۴۹: ۲۶۵ مہر مجاہد ۲۴۹: ۲۶۵ تفسیر عزیزی ص ۲۴۹ پ

۲۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۴۹ بحوالہ سنی ۳۔ تفسیر عزیزی ہندی ص ۲۴۹ ۴۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۴۹ پ

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یا باہر پنا، اگرچہ تہجد پنا بھی درست ہے۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا باہر بھی پنا کرو۔ اور تہجد بھی باہر صا کرو۔ یہود تہجد نہ باہر مٹتے تھے۔ آپ نے دونوں چیزوں کی بذلت فرمائی۔ آپ نے یا باہے کی تعریف فرمائی ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسنے کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ملتا۔ تاہم یا باہر خیرہ نے کا ذکر آتا ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آتا ہے کہ معمر بن یحکم سے ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطبہ دیا۔ اور دھمی کی روایت میں ہے کہ مہازوں کی خاطر سب سے پہلے آپ نے نان شیر مال تیار کیا۔ یہ کھانا دودھ اور نان کے مرکب سے تیار کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں برصغیر میں حیدر آباد دکن اور بھنڈواڑے بڑے شوق سے تیار کرتے ہیں۔ اور مہازوں کو بھس کرتے ہیں۔ بڑی لذیذ چیز ہے اسی طرح معافقے کا طریقہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوا۔ جب کوئی شخص باہر سے آتا تو آپ اس سے گلے ملنے۔

معاذ اللہ
پس منظر

کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام جانوروں کی چراگاہ کی دھانسی میں کسی پہاڑ کے اندر ٹھک چلے گئے۔ انہوں نے ایک مقام پر نہایت غناک آواز سنی۔ کوئی شخص نہایت خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ اُدھر متوجہ ہوئے۔ تو دیکھا کہ ایک ضعیف عمر شخص اپنے حال میں محو ہے۔ آپ نے اس بڑے شخص سے دریافت کیا کہ تم کس کو یاد کر رہے ہو۔ اُس نے کہا اللہ تعالیٰ کر۔ آپ نے پوچھا تمہارا اللہ کہاں ہے۔ اُس نے جواب دیا آسمان پر ہے۔ فرمایا میں یہ بھی وہی نہاں ہے۔ پھر آپ نے پوچھا تمہارا قبلہ کہاں ہے۔ تو بڑے نے بیت اللہ شریف کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے پوچھا تمہارا ٹھکانا کہاں ہے۔ اُس نے جواب دیا نیچے اسی غار میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے کا ٹھکانا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تو بڑے نے کہا کہ وہاں جانا محال ہے۔ کیونکہ راستے میں گہری ندی پڑتی ہے۔ جسے عبور نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم کیسے پہنچ جاتے ہو۔ تو اُس نے جواب دیا خرق عادت

کے طور پر چلا جاتا ہوں۔ یہ ایک کرامت ہے۔ جس کی وجہ سے میں شک پاؤں مذی کو عبور کر لیتا ہوں
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جو ہم بھی اسی طریقے سے چلتے ہیں۔ جو خدا تمہارے لیے پانی کو مسخر
 کرتا ہے۔ وہ میرے لیے بھی کرے گا۔ چنانچہ دونوں چل بیٹے۔ غار میں آئے تو آگے مذی تھی۔
 اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے عبور کر لیا۔ اللہ آپ کے پاؤں تک نہیں بھیگے۔ پانی کے نیچے آپ
 اُس شخص کے عبادت خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کی نشاندہی کے عبادت خانے کا رخ واقعی بیت اللہ
 شریف کی طرف تھا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہ خدا پرست انسان ہے۔
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بزرگ ریاضت و سب سے خوفناک دن کو ن سہے۔
 تو اس نے جواب دیا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کو مسی عدالت پر بیٹھے گا۔ اور نبی اللہ تعالیٰ کے
 سب سے قرب کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم
 دونوں کو اس دن کے خطرات سے محفوظ رکھے۔ بڑھا کہنے لگا کہ مجھے دعا کرتے ہوئے تین
 سال ہو گئے ہیں مگر میری دعا قبول نہیں ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہاری
 دعا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس پہاڑ میں گیا۔ تو مجھے ایک نوجوان ملا جس کے بال بھرے گئے
 تھے۔ میں نے اُس سے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے
 دوست ابراہیم علیہ السلام کے جانوروں کے لیے چراغہ تلاش کر رہا ہوں۔ بڑھا کہتا ہے کہ اس
 دن سے میں یہ دعا مانگ رہا ہوں کہ اے مولا کریم! اگر دنیا میں تیرا کوئی خلیل ابراہیم علیہ السلام
 بھی ہے۔ تو مجھے اس کی زیارت نصیب فرما۔ مگر آج تک میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بڑے میاں! اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول فرمائی ہے اٹھو اور میرے
 ساتھ سعادت کرو۔ چنانچہ معدنی کا طریقہ دہاں سے جاری ہوا۔

جج کی فضیلت

بیت اللہ شریف کی تعمیر کا تذکرہ آگے آئے گا۔ پہلے کعبۃ اللہ اور حج کی فضیلت کے متعلق
 کچھ بیان ہوگا۔ صحیح احادیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ
 کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل میں حج کیا۔ تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے۔ گویا کہ

وہ آج ہی پیدا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ بیت اللہ شریف پر ہر روز ایک بیس رستیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس دیگر عبادت کرنے والوں پر اور بیس اُن لوگوں پر نازل ہوتی ہیں۔ جو بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **النَّظَرُ إِلَى الْكَعْبَةِ عِبَادَةٌ** یعنی بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ البتہ طواف کے دوران کعبہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ بلکہ طواف سے منع ہو کر نہایت ذوق و شوق اور محبت سے بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا چاہیے۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنت کے یا قوتوں میں سے ایک یا قوت ہے۔ یہ پتھر بہشت سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نو کوٹا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سورج کی طرح پر مشرق و مغرب کو روشن کرتا۔

طواف کا
مجدد ثواب

فارغ از رقی میں آتے۔ کہ طواف کی نیت سے گھر سے چلنے والا شخص ایسا ہے۔ جیسے کہ وہ دیباے رحمت میں چنا شروع کر دیتا ہے۔ جب طواف میں پہنچتا ہے۔ تو گویا رحمت کے دریا میں غوطے لگاتا ہے۔ اور جب طواف شروع کرتا ہے۔ تو ہر قدم اٹھانے کے عوض اُسے پانچ سو نیکیاں مل جاتی ہیں۔ اور جب قدم نیچے لگاتا ہے۔ تو ہر قدم کے بدلے پانچ سو گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اور جب وہ شخص طواف سے فارغ ہو کر تمام ابراہیم تک آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے کہتے ہیں کہ اے بندے! تیرے سابقہ گناہ تو دھل گئے۔ اب آئندہ زندگی میں محتاط رہو! اعمال صالحہ انجام دیتے رہو۔ اس لئے میرے اچھی زندگی کا آغاز کرو۔

حرم پاک

حرم پاک کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرمت والا خطہ بنایا ہے۔ کسی کے لیے اس میں لڑائی کرنا حلال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن تھوڑی دیر کے لیے صرف میرے لیے حرم میں لڑائی حلال ہوئی تھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد حرم شریف میں لڑائی قطعاً حرام ہے۔ یہ خطہ ہمیشہ محترم ہے اور امن والا شہر ہے۔ چنانچہ میاں پر

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَاذْكُرْ اَنْ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي ذُرِّيَّتًا مُّغْنِيًّا عَنِّي وَتَزَكِيًّا لِّي وَاجْعَلْ لِي مَقَامًا مَّكَرًا مَّا كَانَتْ لِيَ مَقَامٌ وَاجْعَلْ لِي وِثْرًا مِّنْ اَرْضِكَ طَيِّبَةً۔ گویا یہ بھی کھلی بزرگب
شہر آباد نہیں ہوا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی سرمت کی زعامت ہے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی
رہائیت میں آتا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف دالی زمین کو
اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے عبادت کرتے تھے۔ وہاں پر ایک
پرہہ ساٹھا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو پوری دنیا کا مرکز قرار دیا۔ اور پھر اسی جگہ سے تمام زمین
کو پیدا کیا۔ گویا یہ مقام ساری زمین کا وسط اور ابد رہے۔ یہ جوری نے اپنی شرح شامل میں
لکھا ہے۔ جس شخص کو بخیر چھوٹی ہو۔ اس کی پیشانی پر کھدیا جائے اَلْعِلَّةُ وَسَطُ الْبِلَادِ وَوَسَطُ
رَدْفٍ بِالْعَبَادِ تَوَاصِيٍّ خَيْرٌ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ۔

فرمایا ہے اللہ اس شہر کو امن کا گہوارہ بنائے۔ وَاَرْزُقْ اَهْلَكَ مِنْ الثَّمَرَاتِ اور اس
کے بہنے والوں کو پھلوں سے روزی دے۔ مَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِرُ الْاٰخِرِ جو
کئی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی نَعْلَمُ جس نے کفر کیا فَاَمْتَعْنَاهُ
فَلْيَدَّ اِسْمَ عَمْرٍَا فَاَمْتَعْنَاهُ گناہ۔ ثُمَّ اَصْحَرْنَا اِلَى عَذَابِ النَّارِ پھر اسے کشاں
کشاں دوزخ کی طرف بھاؤں گا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ثُمَّ اَصْحَرْنَا
فائدہ سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو ممکن ہے کہ کافر بھی آدم سے رہیں۔ لیکن اس کے
بعد انہیں بہر حال دوزخ میں جانا ہوگا۔ مگر اہل ایمان کو دوزخ چیزیں حاصل ہوں گی دنیا میں امن بھی
نصیب ہوگا۔ اور آخرت میں نجات بھی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا
کو قبول فرمایا۔ چنانچہ عرم پاک اور شہر مکہ کی خیر و برکات کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک قائم رہے گا

الْعَمَّ

البقرة ۲

درس پنجاہ واں

(آیت ۱۲۷ تا ۱۲۸)

وَذِيْقُ اٰبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا
 تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
 لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ
 عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ : اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ
 شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اور دوزں کہتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے
 قبول فرما بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اے پروردگار! بنا دے ہم
 دوزں کو اپنی فرمانبرداری کرنے والے اور بنا دے ہمارے اولاد میں سے بھی ایک
 اپنی فرمانبرداری امت۔ اور بتلا ہم کو ہمارے احکام۔ اور ہمارے اوپر رجوع فرما مہربانی کے
 ساتھ۔ بے شک تو ہی رجوع فرمانے والا اور از حد مہربان ہے ﴿۱۲۸﴾

رہنمائی

اس آیت کا تعلق سابقہ درس کی آیت مبارکہ ﴿وَلَا تُجْعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾
 کے ساتھ ہے۔ وہاں پر تھا کہ اُس بات کو یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے
 رجوع کی جگہ مقرر کیا اور جائے امن بنایا۔ اس کے ساتھ مقام ابراہیم کا ذکر ہوا۔ بیت اللہ شریف
 کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ہوا۔ وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر بھی تھا۔ جس میں اباؤں
 شہر کہہ کے یہ پھلوں کی مدنی طلب کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا
 جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

تذکرہ

آیت زیر درس میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ذکر ہے۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے فضائل میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر آپ کے ہاتھوں سے
 کرائی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَلَا ذِيْقُ اٰبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
 وَاسْمٰعِيْلُ وَدَاوُدُ﴾ یعنی باپ بیٹا اپنے

مبارک ہاتھوں سے بیت شریف کی بنیادیں اٹھائے تھے۔ بعض دوسری احادیث میں آتا ہے کہ بیت اللہ شریف کی... اہل بیت علیہم السلام نے کی تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے اولین گھر کی تعمیر کا ذکر آیت "إِنَّا أَوَّلَ مَسِيَّتٍ وَفَعَلْنَا سَلَكْنِي بَكَّةَ مُبَارَكًا مِّنْ آدَمَ" میں آیا ہے۔ اس آیت میں لفظ بکۃ استعمال ہوا ہے۔ مگر بکۃ اور مکہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ تورات میں بکۃ کا ذکر بھی آتا ہے۔ اے اُمّ القریٰ بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلے تعمیر ہونے والا گھر بیت اللہ شریف ہے۔

مسیح کرامؑ نے عرض کیا حضور! اس کے بعد کون سا گھر تعمیر ہوا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیت المقدس۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تو بہت زیادہ فرق ہے۔ پھر دونوں گھروں کی تعمیر میں صرف چالیس سال کے وقفہ کا کیا مطلب؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس تعمیر سے مراد حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہما السلام والی تعمیرات مراد نہیں بلکہ ان دونوں گھروں کی اولین تعمیرات مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پائیں۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کا طوفان آیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی سیلاب آئے۔ جن میں بیت اللہ شریف کی عمارت نہ گئی۔ اور وہاں پر صرف ایک ٹیلہ سا باقی رہ گیا، عمارت منہدم ہو گئی۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔

قرآن پاک کے لفظ قَوَاعِد سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ اس عمارت کی اولین تعمیر نہیں تھی۔ بلکہ یہ عمارت اپنی اصل بنیادوں پر دوبارہ اٹھانی جا رہی تھی۔ چونکہ اس وقت عمارت کے کوئی نشانات باقی نہ تھے۔ صرف ایک ٹیلہ سا باقی تھا۔ کہ عمارت کی اصل بنیادوں کی نشاندہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا جس نے اس اصل بنیاد پر سایہ کر کے اس کا تعین کر دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے کربیت اور بیت کا اصل مقام یہ ہے۔ چنانچہ

آپ نے اسی جگہ پر دوبارہ تعمیر شروع کی۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔

خبر کی کیلئے
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی آمد و رفت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ ایک سال دو سال میں ایک مرتبہ آکر بیوی بیٹے کی خبر لے کر آتے۔ آپ نے یہ شرط رکھی کہ آپ بیوی بیٹے کی خبر گیری کے لیے قیس وقت کے لیے جاسکتے ہیں۔ ان کے پاس رات کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس عرصہ میں حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بنو جہم میں نکاح کر لیا۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹے کی خبر گیری کے لیے آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ انہوں نے ان کی بیوی سے دریافت کیا کہ اس نے بتایا کہ کہیں شکار کے لیے گئے ہوتے ہیں۔ آپ نے گزران اوقات کے بارہ میں پوچھا تو اس عورت نے کہا کہ: بے حیہ عاقل کوئی نہیں ہے۔ بڑی مثل سے گزر اوقات ہو رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کوئی کام نہیں کرتے۔ اس لیے فاقے آتے ہیں۔ یہ شکایت سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تیرا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور ساتھ یہ پیغام بھی دینا کہ وہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو انہیں باپ کی آمد کی خبر و بکت معلوم ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے بیوی کے بتانے سے پہلے خود ہی پوچھ لیا کہ میرے بعد کون آیا تھا۔ بیوی نے بتایا کہ ایک بوڑھا آدمی آیا تھا۔ اس نے مال احوال پوچھا تو میں نے سب احوال بتائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پھر دریافت کیا کہ وہ کوئی پیغام بھی لے گئے ہیں۔ تو بیوی نے کہا کہ ہاں۔ وہ کہہ گئے ہیں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ آپ پیغام کا مطلب سمجھ گئے۔ چنانچہ بیوی کو انگ لکھ کر دیا۔ اور بتایا کہ اب میں تمہیں گھر میں نہیں رکھ سکتا۔

اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے درمیان ساج کیا۔ کسی سال بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

دوبارہ تشریف لائے۔ اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام بحیرہ میں موجود نہیں تھے۔ ان کی بیوی موجود تھی۔ آپ نے اُس سے گھر کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گھر کے حالات بہت اچھے ہیں۔ میرا خاندان بھی بڑا اچھا آدمی ہے۔ نیک سیرت اور عبادت گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میں رزق بھی دفر دیا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار بھی کرتے ہیں گزراوقات بھی بڑی اچھی جو رہتی ہے۔ اس عورت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سواری سے اترنے کی درخواست کی تاکہ آپ کی خاطر تواضع کر سکے۔ مگر آپ نے کہا کہ میں نے خطرنا نہیں ہے ہاں جب تمہارا خاندان آئے۔ تو اُسے میرا یہ پیغام دینا کہ تمہارے مکان کی تو کھٹ بہت اچھی ہے اُسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہ پیغام دے کر چلے گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس آئے۔ تو بیوی نے پیغام دیا۔ آپ نے فریاد و میرے باپ تھے۔ اور یہ پیغام دے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔

تعمیر کعبہ

یہ واقعہ بھی تفسیری روایتوں میں موجود ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیسری مرتبہ مکہ معظمہ آنے کا ارادہ کیا۔ تو اپنی بیوی حضرت سارہ سے ملے کر آیا۔ کہ اس وفد میں کچھ عورتوں کا ہمراہ نہ لے گا۔ چنانچہ یہ ان ایام کا ذکر ہے۔ کہ آپ کریت اللہ شریف کی تعمیر کاٹھ ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کی اصل بنیادوں کی نشاندہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل کے ایک ٹکڑے کو مقرر کیا۔ اور اس طرح باپ بیٹے نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر دیواریں بنیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کے لیے گاڑ اور پتھر لاتے رہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد جب یہ عمارت طرفین نوح کی نذر ہو گئی تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں دوبارہ تعمیر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ عمارت ذی قعدہ میں شروع ہو کر ذی الحجہ میں ختم ہوئی یا ایک ماہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

تعمیر کے مختلف ادوار

بیت اللہ شریف کی تعمیر مذکور کے بعد دوبارہ تعمیر قصی بن کلاب کے زمانے میں ہوئی جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ مبارک

میں بیت اللہ شریف کی عمارت پھر بوسیدہ ہو چکی تھی۔ چنانچہ قریش مکہ نے چندہ جمع کر کے بیت اللہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینیس برس تھی۔ گویا یہ تعمیر آپ کی بعثت سے پانچ برس قبل ہوئی۔ کہتے ہیں کہ روتا کھٹنے سے چلنے لگا تھا کہ اس معتمد میں تعمیر کیا جائے گا۔ چنانچہ پاک و صاف اور حلال مال سے چندہ جمع ہوا وہ پورنی عمارت کی تعمیر کے لیے ناکافی تھا۔ لہذا عظیم والاسات ہاتھ کا حصہ چھوڑ کر باقی جگہ پر بیت اللہ تعمیر کر دیا۔ اسی موقع پر مجبر سود کی تنسیب کا مجبڑا کھڑا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ حضور علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے اس طرح کر دیا کہ ملتے لوگ خوش ہو گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ نبوت میں بیت اللہ شریف کی تجدید نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ تو سرمایہ کی کمی تھی۔ اور دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس کو دوبارہ تعمیر کروں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طہر پر کرتا۔ اور اس وقت عمارت میں تغیر و تبدل کرنا مناسب نہیں تھا۔ نیز یہ کی وفات کے بعد حجاز میں نو سال تک حکومت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس رہی۔ حجاز مکہ مدینہ اور طائف وغیرہ آپ ہی کے زیرِ نگرانی تھے۔ اُس زمانہ میں آپ نے بیت اللہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اور آپ نے یہ عمارت اب بھی بنیادوں پر قائم کی یعنی حلیہ کو خازن کعبہ میں داخل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم پر عمارت کی تجدید کی اور حلیہ کو پھر باہر نکال دیا۔

بارہوی الرشید نے اپنے زمانے میں حلیہ کو پھر شامل کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اہل مکہ نے اسے ایسا نہ کرنے کی درخواست کی۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ مقدس گھر آئندہ گنہگاروں کے لیے گھسٹنا بن جائے گا۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد ترکوں کے عہد میں سلطان مراد خان کے زمانے میں بیت شریف کی تعمیر کی تجدید ہوئی۔ یہ سترہ کا واقعہ ہے۔ موجودہ عمارت وہی ترکوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ اب تک بیت اللہ کی عمارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بہتہ موجودہ سعودی حکومت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ انہوں نے بھاری رقم خرچ کر کے اسے بہت وسیع کر دیا ہے۔ اور زائرین کے آسودہ سہولت کے لیے بڑے

ترتیب — منصوبوں پر کام کیسے ہے۔

انفرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیواروں اٹھا رہے تھے تو ساتھ ساتھ نیا تھکانہ انداز میں دعا بھی کہہ رہے تھے۔ رَبَّنَا قَبِّلْ هَذَا لَنَا ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت مقبول فرما۔ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بیشک کو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تو دعا کو سننا بھی ہے۔ اور ہمارے اخلص کو بھی جانتا ہے۔ لہذا ہمارے عمل کو قبول فرما۔

ظاہر ہے کہ قبولیت کے بغیر ہر عمل بیکار محض ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ ہمارا عمل قبول ہو جائے۔ ہر مومن کی بھی یہی قناعت ہوتی ہے کہ اس کی نیکی بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہو جائے۔ حضرت ابوذر راغز کی روایت میں آتا ہے کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ میری دو رکعت نماز قبول ہوئی ہے۔ تو میں اس کے ہاتھ میں دنیا و دنیا کی ہر چیز کو فخر اداوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا جو حکم قرار فرمایا ہے۔ بہت جلد سے رَبَّنَا قَبِّلْ هَذَا مِنْ لَمُعَتَيْنِ دو درکھرو! اللہ تعالیٰ متقیوں کے اعمال کو بھی قبول فرماتا ہے۔ نیکی نیکی کی مقبول ہوگی جس کا بدل تقویٰ سے کم ہو جائے۔ اگر تقویٰ سے خالی ہے۔ بدل میں کفر، شرک، فتنہ اور دیاکانی بھری ہوئی ہے۔ تو کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔ قبولیت کا معیار خلوص اور تقویٰ ہے۔

اس وقت فتنہ، اسماعیل علیہ السلام اگرچہ چودہ سال کے نیکے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ کی دولت اتنا سنہ نہ کی تھی کہ وہی روایت کر دی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باپ بڑا کے عمل کو ترقیب قبولیت بخشی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے بڑے رسولانِ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سرداروں میں آپ کی تعریف کی ہے۔ آپ صاحبِ شریعت، رسول ہوئے ہیں۔ تاریخی دریا تو اس سے پہلے چلتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متعدد بیویاں اور بارہ بیٹے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹے کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے خاندان پیدا کیے۔ آپ کا سب سے بڑا بیٹا نوح تھا۔ اور سب سے چھوٹا قیدار بھی آپ کا۔

بعد بیت اللہ شریف کی قریت آپ کے بٹنے بیٹھے آیت کو ہی مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پہ
بیٹے کو اتنی نفیست بخش۔

قبولیت نما
کی شرائط

ترمذی شریف کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے ——— وَتَقْبَلُ صَلَاتُ
بِكَفِّ طَهْمُوْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر کسی نماز کو قبول نہیں ———

فرماتے۔ گویا نماز کی قبولیت کے لیے طہارت بمنزل شرط کے ہے۔ پاکیزگی کے بغیر کتنی نمازیں پڑھو
قیام کرو۔ رکوع و سجود کرو۔ کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح دیگر نیکیوں کی شرط بھی ایمان اور خدا سے ہے۔
اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ اسی طرح بعض برائیاں ایسی ہیں جن کے ارتکاب سے نیکیاں مردود
ہو جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ شراب نوشی کرنے والے کی چابیس دن تک
نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر تو بکرے کو اللہ تعالیٰ محاف فرماتے ہیں۔ ورنہ قانون یہی ہے۔ فرمایا
جو غلام اپنے مالک کی مرضی کے خلاف بھاگ جائے۔ وہ جب تک واپس نہ آئے۔ اس کی کوئی
نماز قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے مالک کو بھوکا دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آیت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَخْلَصْ فِي
دِينِكَ يَكْفِكَ قَلِيْلًا مِنَ الْعَمَلِ دین میں اخلاص پیا کر لو تو چہر تھوڑا محنت عمل میں
کفایت کر جائے گا۔ اسی واسطے قرآن پاک میں آتا ہے تَخْلِصِيْنَ لَهُ الْعَيْنِ اندھ کے
ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اخلاص ایک ایسی نعمت ہے جو توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو
سکتی۔ اہم ابوہریرہؓ جہاں فرماتے ہیں۔ اگر ان میں خلوص موجود ہے۔ اس کا نتیجہ توجہ پر ہے۔ فہو
درست ہے۔ تو پھر اس کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی
فرہنگداری

بیت اللہ شریف کی تعمیر کے تذکرہ کے بعد اہمیت مسجد کی اساس اور پھر نبیؐ آغاز الزمان صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت کی دعا ہے۔ یہی مرکزی محور ہے۔ جو اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اپنی دعا میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی درخواست پیش کی۔ گویا نبی علیہ السلام کے ظہور

سے ترمذی ص ۱۱۱ سے ترمذی ص ۱۱۲

کے جامع مسندناشر فیض اللہ بریلوی کے احکام القرآن ص ۱۱۲

سے ہزاروں سال پہلے تختِ ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے دعا کی اور دعا کے پتے سے
 میں عرض کیا رَبَّنَا اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ سُبْحَانَكَ ۝ اے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار
 بنائے کہ ہم دونوں ہر حالت میں تیری اطاعت کرتے رہیں۔ اے ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی
 یحییٰ دعا رہی تُو قَسْنِي مُسْلِمًا وَاَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ اے اللہ جہاں موت فرمانبردار کی
 کی حالت میں ہے۔ رجب وصیت کرتے ہیں تو فرماتے ہیں فَلَا تَعْنِيَنَّ الرَّثَا وَانْتَعِزْ قَبْلُكَ
 کو تسلی کرو بھائی کہ تمہارا خاتمہ سووم اور فرمانبردار کی حالت میں ہو چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 اور اسماعیل علیہ السلام نے جی بن دعا کی رَبَّنَا اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ اے اللہ ہم دونوں
 کو نیکو فرمانبردار بنا۔ اور یہ جی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ
 سے فرمایا ہے اے ابراہیم علیہ السلام فرمانبردار ہو جا۔ آپ نے جواب دیا تَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ
 میں رب العالمین تم ہی سے دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بعض مکانات کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو ناست
 عطا کی ۔

امتِ مسلمہ کی
 تاسیس

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ پتے لیے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعا کی ۔ اور
 پھر اپنی اور کے متعلق فرمایا وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ ۝ اور ہماری اور
 میں سے ایک فرمانبردار قوم پیدا فرما۔ یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی
 اس وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جی ہو رہے تھے۔ لہذا امتِ مسلمہ کی دعا حضرت
 اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے حق میں جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت حق علیہ السلام تو اس وقت تک بھی
 پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اسی مقام پر یوں دو نصاب دیکھنا چاہئے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی ولادت
 کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ دعا حضرت حق علیہ السلام کے حق میں ہے ۔ اور
 امتِ مسلمہ کسی آپ ہی کی قوم ہے۔ حالانکہ تاریخی ثواب سے واضح ہو رہا ہے کہ امتِ مسلمہ
 کا تعلق حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہے۔ جو اس وقت موجود تھے۔ اور دعائیں شامل تھے چنانچہ
 یہ قبولیت دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خدیجی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے
 مبعوث فرمایا۔

من مبعوث
 کی تعبیر

دعا کے دو حصے تھے میں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی وَ دِنَا مَسْكَنًا

لئے پروردگار! ہم کو ہمارے مناسک حج جی بتائے۔ مناسک مناسک کی جمع ہے جس کا لفظی معنی
 دھونا ہے۔ اسی لیے عربی والے کپڑا دھو کر نسل الشویب بولتے ہیں۔ مناسک قربانی کو بھی کہتے
 ہیں۔ اسی مناسبت سے عبادت و ریاضت کو مناسک کہتے ہیں۔ اور عامہ کو مناسک اور عبادت کو
 ذقانی کی جگہ مناسک کہتے ہیں۔ گویا معنی یہ نکلتا ہے کہ جس طرح دھونے سے کپڑا میل کیل سے
 پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی اور عبادت سے انسان کے گناہ و حل جاتے ہیں۔

جب خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ ترجیاً کہ گذشتہ درس میں ذکر آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم صادر فرمایا۔ تو حضور نبی تھا کہ جس حج کا حکم دیا جا
 رہا ہے۔ اس کا طریقہ اور احکام بھی معلوم ہونے چاہئیں۔ اسی لیے باپ اور بیٹا دعا کرتے
 ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ارکان حج بھی سکھلا دے تاکہ جو لوگ اس ارادے
 سے آئیں وہ تیرے احکام کے مطابق اس فریضہ کو ادا کر سکیں۔

تحت اوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں اذیت
 کی سواری پر خطبہ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ
 اے لوگو! مجھ سے احکام حج اچھی طرح سیکھ لو لَعَلَّكُمْ لَا تَارَكُم بَعْدَ عَامِي هَذَا
 شاید اس سال کے بعد تمہارے ساتھ طاقت نہ ہو سکے۔ اور پھر وہ قحطی آیا ہی ہوا۔ آپ
 اس حج کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ نہ آ سکے۔ اور تین ماہ بعد خاتمی حقیقی سے جلدی بغرض مناسک
 سے حج کا طریقہ اور اس کے احکام مراد ہیں۔ جن کے مطابق قیامت تک آنے والے لوگ
 حج کرتے رہیں گے۔

لفظ اذیت یا رائی سے ہے۔ اس کا مصدر رائی بھی آتا ہے۔ اگر رویت مصدر
 یہ جہت تو اس کا معنی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ اے اللہ! ہمیں مناسک حج دکھا دے اور رائی
 مصدر ہو تو اس کا معنی بڑے سے جاننا ہوگا۔ اَلَمْ تَسْأَلِ الْكَذِّبِيْنَ رُوِيَتْ قُلُوْبُهُمْ
 تو یہاں بھی ارنا کا معنی یہ ہوگا کہ میں مناسک حج کا علم عطا فرماؤں۔ وَتُبَّ عَلَيْنَا اُوْىٰ
 اور ہمارے

توبہ قبول فرما، مہربانی کے ساتھ ہم پر جرح فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ لِتَوَابِ الرَّجِیْمِ بِیْسُ
 توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یعنی مہربانی کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔ تو از حد مہربان ہے۔
 باپ اور بیٹے کی دعا کے دو حصے مکمل ہوئے۔ تیسرے حصے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ
 علیہ وسلم کی بعثت کی درخواست کی گئی ہے۔ جو اگلے درس میں آئے گا۔

آلہ

درس پنجاہ ویکٹ

انبیاء

آیت ۱۲۹

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ : اے ہمارے پروردگار! ان کے اندر انہیں میں سے ایک رسول بھیج،
جو ان پر تیری آیتیں قاری کرے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، اور ان کو پاک

کرتے ہو۔ بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے ﴿۱۲۹﴾

جس وقت حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی دیواریں خراب تھیں تو رات کو
ساتھ دعا بھی مانگے تھے۔ دعا کے بعض حصے گذشتہ درس میں بیان ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں
نے عرض کیا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ عمل قبول فرما۔ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ تو سنتا بھی ہے اور ہر شخص کی نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے دونوں
باپ بیٹے اپنی عاجزی کا اظہار کیا، اے غرض کیا کہ ہمارے اس عمل کا مقصد محض تیری رضا ہے۔ اے تو ہم
سے یہ عمل قبول کرے۔

دعا کے دوسرے حصے میں عرض کیا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے ہمارے پروردگار!
ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے پروردگار!
میں سے ایک ایسی نسل بنا جو تیری فرمانبردار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی دعا کو شرف
قبولیت بخشا۔ اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں امت مسلمہ پیدا کی۔ بنیادی طور پر
اس امت مسلمہ میں عرب ہی شامل ہوئے۔ جو کہ اسماعیلی نسل کے قریش تھے۔ اس کے بعد انصاریہ
نہیں شامل ہوئے۔ اور پھر جو لوگ بھی ان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ وہ سب اس امت میں شامل
ہیں۔ اس دعا کے ابراہیمی کا فائدہ کسی ہزار سال بعد نکلا جب اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ
علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

دعا کے قیامت میں عرض کیا "وَإِنَّمَا تَسْكُنُ" اور ہمیں نہ اس کا ج بھی کھائے
تاکہ ہمارے بعد آنے والے بھی اسی طریقے کے مطابق بیت اللہ شریف کا حج کرتے رہیں۔ نیز
یہ دعا کی "وَتَبَّ عَلَيْنَا مَا آتَانَا اللَّهُ مِنْهُ" اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرما کے کیونکہ "إِنَّكَ أَنْتَ السَّابِقُ السَّابِقُ"
تو توبہ قبول کرنے والا اور ہم ذین استغفرات براہیم علیہ السلام یہ دعا کر سکتے تھے۔ "صاحبزادے
حضرت اسماعیل علیہ السلام آئیں کہ کروا میں شامل تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا جو تھا جزیہ تھا۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِنْهُمْ اے ہمارے پروردگار! ان کے اندر انہیں میں سے ایک رسول ببعث فرما۔ یہاں
یہ سوال یہ ہے کہ حضرت براہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ کی درخواست پہلے اور رسول کی
بعثت کی دعا بعد میں کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت براہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ
کی درخواست اپنی اولاد میں سے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ قریش عرب حضرت براہیم اور حضرت
اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے ہی ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کی داغ بیل ڈالی۔ پھر
ان کے ساتھ انصار مدینہ شامل ہوئے۔ اور پھر باقی اقوام عالم کو امت مسلمہ کی رکینیت حاصل ہوئی۔
چونکہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت امت مسلمہ میں سے مطلوب تھی اس لیے امت کا
ذکر پہلے کیا اور بعثت نبویؐ کا بعد میں کیا۔ سورۃ جمعوں میں اسی قسم کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ
نے احسان جتلاتے ہوئے فرمایا "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ" اے
اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے عرب کے ناخودہ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا۔ ظاہر ہے
کہ عرب کے اکثر لوگ کھننے پڑنے سے عاری تھے۔ کرنی، باؤ، کا آدھی ہی نوشت و خواندہ
واقع تھا۔ لہذا اس مقام پر ان کا ذکر کیا۔ مگر مخاطب وہی قریش ہیں۔ جو کہ حضرت براہیم علیہ السلام
کی نسل میں سے تھے۔

لفظ رَسُولٌ اسم نکرہ ہے۔ اور اس سے عظمت کا اظہار ہوا ہے لہذا اس کا معنی
صرف رسول نہیں بلکہ عظیم الشان رسول ہوا۔ دوسری آیت میں بھی یہ لفظ نکرہ کے طور پر ہی
استعمال ہوا ہے۔ جیسے بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ اس میں مِنْهُمْ
کی قید سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ میں سے ایک عظیم الشان رسول ببعث فرمایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام
کی بعثت پہلے

عظیم الشان رسول

گو: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سے اُمت مسند بنائی۔ اور پھر ان میں سے الرَّسُولُ نہیں بلکہ رُسُوْلٌ یعنی نہایت عظمت والا رسول مبعوث فرمایا۔ یہ ایک عام سنت اللہ بھی ہے۔ کہ ہر نبی اپنی قوم میں سے مبعوث ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق ایسا ہی مذکور ہے۔ مثلاً عاد، ثمود، صالح علیہ السلام کی قوم قوم ابراہیم۔ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قومیں۔ غصیکہ ہرنی اپنی ہی قوم میں ہوا ہے کہیں باہر سے نہیں آیا۔ چنانچہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی ہی قوم قریش میں سے مبعوث فرمایا۔ ایسا ہونا منطقی طور پر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ اپنی ہی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے نبی کے اخلاق و اطوار کو ہر شخص جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور اُس کے اخلاص کی بنا پر نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی بعثت کی سعادت بھی آپ کی اپنی قوم کو حاصل ہوئی۔ چونکہ نبی اپنی ہی قوم میں سے ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اُسی جنس میں سے یعنی انسان ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرف مبعوث ہونے والا نبی انسان ہی ہوگا۔ کسی غیر نسل سے نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو، تو امت کو نبی کے اتباع میں سخت دشواری پیش آ سکتی ہے۔ یا بعض معاملات میں اتباع ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی فرشتہ تین کرانوں کی طرف نبی مبعوث کیا جائے۔ تو یہ نسل ہی مختلف ہوگی۔ نبی اور امت کے درمیان تخیل میں فرق ہوگا۔ ان کی بود و باش اور عادات و مصالح میں فرق ہوگا۔ ان کی ضروریات مختلف ہوں گی۔ لہذا نبی کا اتباع کیسے ممکن ہوگا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ نبی کا اپنی قوم کی جنس سے ہونا کوئی عار کی بات بھی نہیں ہے۔ ظہر عطاء واسے نبی کی تعریف یہ لکھتے ہیں الرَّسُولُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی الْخَلْقِ لِتُبْلِغَ الْاَحْکَامَ یعنی نبی وہ انسان ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف احکام شرعیہ پہنچانے پر مقرر کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے جس انسان کو منتخب فرماتے ہیں۔ اس پر وحی نازل فرماتے ہیں اور اس کی شان کو بلند فرماتے ہیں۔ لوگوں نے خواہ مخواہ ظہر عطاء وضع کر لیے ہیں کہ نبی کو انسان کہنے سے اس کی نفوذ باللہ توہین ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ نبی کا انسان ہونا تو انسانیت

نبی انسان
ہی ہوتا ہے

امنی خواہ کتنی بھی نیک کلام صالح اور پاکیزہ ہو۔ وہ معصوم نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ عام انسان تو گنہگار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف نبی ہمیشہ معصوم ہوتا ہے۔ اس صفت کے بغیر نبی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں معصومیت مفقود ہو تو اس کا اتباع ممکن نہیں لہذا کوئی بدترین شخص بھی نبی کی قرہین نہیں کر سکتا۔ وہ اس معصوم ہے۔ اگر کوئی شخص نبی کے درجہ میں برابر کی کاخوے کرے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ مگر ہمارے ہی مہائوں نے نبی کو انسانیت کے دائرے سے خارج کر کے نور حق نور اللہ کا خطاب دے دیا۔ بھائی یہ تو عیسائیوں والہ عقیدہ ہے۔ وَجَعَلُوا لَكَ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا اَللّٰہ کے لیے اُسی کے بندوں میں جبر و بنایا اور مشرک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے۔ باقی سب مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عورت کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ یہ اس کی کمال صنعت کا ظہور ہے۔ اس کو خدا کا جبر و بناؤ سخت ہے اولیٰ اور گستاخ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فضیلت عطا کی ہے۔

تلاوت قرآن پاک

فرمایا ہے ہمارے رب! امت مسلمہ میں انہی میں سے ایک رسول بھیج دے۔ اَللّٰہمَّ اٰیٰتِکَ جِوَانِ پر تیری آیات قدرت کرے۔ آیت سے مراد حکام یا فرمان ہے جو نبی پر نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ بزرگم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مومن کریم احسن عظیم الشان نبی کی بعثت کی دعا کر۔ ہوں اس کا پہلا فرض یہ ہو کہ وہ تیری آیتیں ان کو پڑھ کر نہانے اور انہیں تیرے احکامات آگاہ کرے۔ کیونکہ نبی کیلئے اللہ تعالیٰ کا عام حکم ہے یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی حکم آپ پر نازل ہوا آپ اسے لگے امت تک پہنچا دیں۔

قدرت کے دو معنوم ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا معنی احکام کو دوسروں تک پہنچانا یا دوسروں کو تعلیم دینا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا معنی خود اپنی ذات کے لیے قدرت ہے جس طرح ہم قرآن پاک کو کلام الہی ہونے کی وجہ سے ثواب کے لیے پڑھتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جس قدر بار بار تلاوت کرے گا۔ تنہا ہی ثواب کا خزانہ ہوگا۔ خود لفظ قرآن کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ کتاب جو بار بار پڑھی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی آیات جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے، وہ وہی کے ذریعے حضور علیہ السلام کی ذات و صفات پر نازل ہوئی تھیں۔ جب آپ پر وہی نازل ہوتی تو آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور کاتبانِ وحی میں سے جو بھی قریب ہوتا اسے طلب فرماتے اور حکم کرتے کہ اس آیت یا سورہ کو فلاں مقام پر لکھو تو وہ لکھ دیتے۔ بعض اوقات آپ عام مجلس میں تشریف لاتے اور اعلان فرماتے کہ اچھی بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فرین نازل ہوا ہے بعض اوقات یہاں ہوتا کہ مجمع عام میں تشریف فرما ہوتے اور آپ پر وحی کی کیفیات طاری ہو جاتیں۔ آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور پھر محوِ رُوحی رہتے اور بعد آپ ارشاد فرماتے کہ یہ وہی نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ حضرت زیدؓ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت عثمانؓ یا جو بھی کاتب مل جاتا اسے تحریر کر دیتے۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ عظیم الشان رسول تیری آیات کی تلاوت کرے گا۔ اب دوسری بات یہ بتائی کہ وَيُؤْتِيهِمُ الْكِتَابَ کہ وہ رسول امت کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کسی کتاب کو صرف پڑھ کر سادینا اور چیز ہے۔ اور اس کی تعلیم دینا دوسری بات ہے۔ یہاں پر کتاب کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اور علم محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ امام بخاری فرماتے ہیں لَا يُعْلَمُ بِالتَّحْقِيقِ عِلْمٌ خَوْفٌ خَوْفٌ خَوْفٌ بلکہ سیکھنے سے آتا ہے۔ اور جو لوگ خود بخود سیکھتے ہیں۔ اساتذہ کی مدد حاصل نہیں کرتے۔ صرف کتابیں پڑھ کر عالم بنا چکے ہیں۔ وہ علم میں کچے سبوتے ہیں اور ان میں اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔ ان میں کما حقہ علم کی نکتہ نہیں آتی۔ علم حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت و کار ہوتی ہے۔ سلف صالحین نے حصولِ علم میں جس قدر محنت کی ہے اس کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اہم شافعی فرماتے ہیں کہ میں سولہ سال تک اس حالت میں رہا کہ رات کو ریاس منگتی تھی تو رات بھر ایک پیالہ پانی بھی نہیں پیتا تھا۔ کہیں مطالعہ میں غفلت نہ آجائے۔ اگر غلو دگی طاری ہو گئی تو مطالعہ اور صومارہ جائے گا۔ چالیس چالیس سال تک لوگوں نے اتنی بڑی بڑی محنت کی ہے۔ تب جا کر علم حاصل ہوا ہے۔

بہر حال تعلیم ایک اہم چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ

استاد کی مدد سے سیکھنا پڑتا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ دنیا کا کوئی آدمی اسے ادنیٰ یا اعلیٰ سے اعلیٰ پیشہ ہو جب تک کوئی استاد کے سامنے دانوسے تلخ نہ نہیں کرے گا علم و فن حاصل نہیں کر سکتا۔ نوادہ ہو یا دروزی، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، مہر فن کی صحبت حاصل کرنا ہوگی۔ اس کے بغیر وہ اپنے فن میں کامل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ تعلیم جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے بھیجی ہے، سب سے زیادہ دقیق ہے۔ یہ بغیر استاد کے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسی کوشش کرنے والے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے بلکہ گمراہ ہو جائیں گے۔ لہذا وحی کی تعلیم کے لیے پیغمبر کی ضرورت ہے۔ اور اس لحاظ سے آپ کی ایک صفت معلم بھی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں یہ دو گروہ اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کا تھا۔ جو ذکر میں مشغول تھا۔ اور دوسرا گروہ تعلیم و تعلم کا کام کر رہا تھا۔ حضور علیہ السلام اس دوسرے گروہ میں تشریف فرما ہوئے۔ در فریڈ انصاف بعثت معلّم یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ بِاللُّغَةِ اُنْ مِّنْ اِلٰہِیْہِمْ یُفْہِمُہُمْ اَلْحَقَّ اُنْ مِّنْ اِلٰہِیْہِمْ یُفْہِمُہُمْ اَلْحَقَّ۔

تعلیم کتاب کے سلسلے میں بعض اوقات الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ صحابہ کرام صاحبان تھے۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے باوجود بعض امور کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ اس سورۃ بقرہ میں خیط اسود اور خیط ابیض کا ذکر آیا ہے۔ عدی بن حاتم اس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ حالانکہ خالص عرب اور پھر شاعر بھی تھے۔ زبان پر عبور حاصل ہونے کے باوجود وہ ان الفاظ کے معنوں تک نہ پہنچ سکے۔ آپ خیط ابیض اور خیط اسود کو سفید و سیاہ دسی سمجھتے رہے۔ حالانکہ اس سے مراد رین اور رات ہے۔ اسی طرح ظلم کا معنی سمجھنے میں صحابہ کرام کو غلطی ہوئی اور پریشان ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے خود قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔ غرض!

اس قسم کے نجات تعلیم کے ذریعے حل ہوتے ہیں۔ کیس کی حکم کو خاص کرنا ہوتا ہے۔ کسی کی علمیت بیان کرنی ہوتی ہے۔ جو کہ استاد کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی حکمت میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ بعض چیزیں جینات کے قبیلے سے ہوتی ہیں۔ انسان ذرا سی توجہ کرے، تو آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں۔ جن کو آسانی سے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔

جیسے فرمایا: **مَوْلَانِذِي رَسُولُكَ بِأَمْرٍ لَا يَدْرِيهِ إِلَّا خَلْقٌ** وہ ذات خداوندی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ یہاں پر ہدایت اور دین حق کو سمجھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی معمولی چیز نہیں ہے جو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائے۔ اس لیے فرمایا کہ اے اللہ! انہیں میں سے رسول بھیج جو انہیں کتاب کی تعلیم دے۔

حکمت کی تعلیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعائے محی و کفیلہم الکتاب والحیكمة ایسا رسول مبعوث فرمایا جو کتاب کے علاوہ انہیں حکمت کی تعلیم بھی دے۔ حکمت کی تشریح میں مفسرین کرام کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد انوارِ قلوب یا باطنی باتوں کا جانا ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت عقل کی دیل اور دل کی بصیرت کا نام ہے۔ حضرت ام المکث فرماتے ہیں: **مَعْرِفَةُ الَّذِينَ وَالْفَعْلَةُ فِيهِ وَالتَّوْبَعُ لَكَ** یعنی حکمت نام ہے دین کی معرفت۔ اس کی نگہ اور اس کے اتباع کا۔ عام طور پر حکیم کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔ **مِنْ أَعْلَى الْعِلْمِ وَالْعَمَدِ حَكِيمٌ** وہ ہے جس نے علم اور عمل میں تختی حاصل کر لی ڈاکٹر کا معنی ماہر فی الفن ہے۔ خواہ وہ بے عمل ہو۔ مگر حکیم وہ ہوگا جو علم اور عمل میں مادی ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ شریعت الہیہ میں جتنی صلیحتیں اور دین کے جتنے احکام ہیں ان کو پہچاننے کا نام حکمت ہے۔ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا بھی حکمت کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو بھی حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے

ہیں کہ تمام چیزوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ جاننے کا نام حکمت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے
 اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا سَعَى اللَّهُ ابھیں حق کو سمجھنے کی توفیق عطا کر۔ ایسا نہ ہو کہ ہم باطل کو حق
 سمجھنے لگیں۔ بزرگان دین کی دعا میں آتا ہے کہ ہمیں چیزیں اس طرح دکھا جس طرح وہ واقعہ
 میں ہیں۔ بسا اوقات آدمی کسی چیز کو سمجھتا ہے مگر حقیقت میں کچھ اور ہوتا ہے۔ امام ابن عربیؒ
 جو کہ لغت کے اہم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تمہارے لیے نصیحت کا باعث بنے یا تمہیں
 بُرائی پر زجر کرے یا کسی قبیح کام سے روکے یا کسی بزرگی کے کام کی طرف دعوت دے وہ سب
 حکمت ہے۔ اہم راغب جو لغت اور تفسیر کے اہم ہیں فرماتے ہیں الْحِكْمَةُ مَصَابَةُ
 الْحَقِّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْدُ حَقٌّ كَوَاعِلُ الْعَمَلِ كَمَا يَدْعِيهَا هِيَ الْحِكْمَةُ ہے اور بعض فرماتے
 ہیں کہ قول اور عمل میں برابری کا نام حکمت ہے

اہم بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسی چیز جس کے ذریعے انسان کے
 نفس کی تکمیل ہو تو ہر حکمت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَافَةُ
 اللَّهِ یعنی حکمت کی جڑ اور نیا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ جس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا
 ہو جائے۔ سمجھ لو کہ اس میں حکمت کی بنیاد قائم ہو گئی ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے مَنْ
 تَخَلَّصَ لِلَّهِ رُبْعَيْنِ يَوْمًا جَسَدُهَا يَسْتَعِينُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا يَسْتَعِينُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 کی جڑ تین سو سال کے عرصے میں قائم رہے۔ اس کی طرف سے اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی۔

بعض محققین کہتے ہیں حکمت نام ہے معرفۃً اَفْضَلُ الْأَشْيَاءِ بِأَفْضَلِ
 عِلْمِهِ اَفْضَلُ حِزْبٍ كَوَافِلُ عِلْمِهِ كَمَا تَجِبُ الْحِكْمَةُ بِهَا ظَاهِرٌ بِكُلِّ اَفْضَلِ
 چیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں۔ اور سب سے اَفْضَلِ وہ علم ہے جس سے انسان کو
 حضور قلب حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ ذات تعالیٰ کی

ذاتی اور اس کی صفات کو پہچان سے کا اور سمجھ جائے گا کہ یہ شخص حکیم ہے۔ تاہم عام فہم معنی میں حکمت، شور و کجہ اور پست کی باتوں کو کہتے ہیں ایسی باتیں احکام ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت اور ان کے سزا بھی ہوتے ہیں۔ ان کے خواہمض ہوتے ہیں۔ اس میں سنت بھی شامل ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام باتیں کھانی میں اس سے فرمایا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وہ رسول جو لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

دعا کا چوتھا جزو تھا وَيُزَكِّيهِمْ اور ان کو پاک کر دے۔ یہ لفظ بڑے دور رس معانی تزکیہ نفس کا حامل ہے پاکیزگی سے مراد یہ ہے کہ ان سے تمام رذائل دور ہو جائیں۔ اور تمام فضائل ان میں پیدا ہو جائیں۔ رذائل میں خاں، بد اخلاق، گندگی، معاصی، بد نمانی، اور دیگر تمام شریر چیزیں آتی ہیں جن میں سے پاکیزگی مطلوب و مقصود ہے۔ تزکیہ اسی کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام۔ اس موقع پر یہ بات سمجھائی کہ کسی قوم میں فوز و فلاح اور سعادت تزکیہ کے بغیر نہیں آسکتی۔ لہذا انہوں نے امت مسلمہ کے لیے تزکیہ کی دعا کی۔ اور پھر آپ کی دعا کا اثر بھی دیکھئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخا طبین کی جہالت مثالی تھی۔ ان کی خباثت، جہالت اور ہٹ دھرمی سب کچھ عیاں ہے۔ مگر اس تزکیہ کی بدولت کیسے کیسے جلیل القدر لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تن من و عن ہر چیز دین پر قربان کر دی۔ ایک درس کے مقام پر تزکیہ کو یوں بیان فرمایا خُذْ مِنْ مَّا نَسَبْنَاهُمْ صَدَقَةً ان کے لوگوں میں سے زکوٰۃ وصول کر لیں تَطْهَرُ بِهِمْ وَتُزَكِّيهِمْ وہ ظاہری اور باطنی برود پلوؤں سے پاک ہو جائیں گے۔ غرضیکہ تزکیہ سے مراد ظاہری پاکیزگی بھی ہے۔ اور باطن کی پاکیزگی بھی ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ان میں ایسا رسول بھیج جو تیری آیات پر مدد کرے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا آئندہ حصہ تزکیہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لیے بیعت مذکورہ اس کو دعائے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ بزرگان دین کی بیعت حصول تزکیہ کا ایک ذریعہ ہے جو کہ حضرت علیؑ سے چلا آ رہا ہے۔ بزرگان دین مرید کو وظیفہ بتاتے ہیں۔ عبادت و ریاضت کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ اور سرورہی پر ہمیں بھی بتاتے ہیں۔ تاکہ مرید برائیوں سے پاک ہو جائے اور اس میں خوبیاں اجاگر ہو جائیں۔ مگر آج پیری مریدی ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ بیعت ایک

رہی چیزیں کر رہ گئی ہے۔ فاسق فاجر، بے نماز، بیٹراور کتے پاس لے گئی نشین ہیں۔ اور جملہ سے بیعت لے رہے ہیں۔ نہ پیر کو احکام الہی کا علم ہے۔ نہ مرید کے پٹے کچھ بڑا آست۔ بس چنہ رسوم ہوا کر کے پیری مریدی کے بندھن میں بندھ گئے۔ نہ پیر نے تربیت کی از حلال و حرام کی تیز سکائی، تو تزکیہ کیسے ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جن لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس کا کوئی مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے ان شرائط پر بیعت لیں کہ کفر و شرک کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ گناہ کی باتوں سے پرہیز کریں گے جو ری نہیں کریں گے۔ بدکاری نہیں کریں گے۔ کسی پرستان نہیں باندھیں گے وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا اگر ان شرائط کے مطابق مرد اور عورتیں بیعت کریں۔ تو ان کی بیعت میں اور جو ان شرائط کو پورا نہ کریں ان سے بیعت نہیں۔ مگر آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ بیعت بھی ہو رہی ہے۔ اور کفر، شرک، بدعات کی بھی فراوانی ہے۔ کوئی پیر مرید سے نہیں پوچھا کہ کیا کر رہے ہو۔ قبریں پکی بن رہی ہیں، گنبد تعمیر ہو رہے ہیں۔ ان پر قوالی ہو رہی ہے۔ گانے گائے جاتے ہیں۔ قبروں پر چادریں چڑھتی ہیں، سجدے ہوتے ہیں۔ بتائیے اب تزکیہ کہاں سے آئے گا۔ بزرگان دین نے ان باتوں کا حکم نہیں دیا تھا۔ انہوں نے تو اپنے لیے جھوٹا، بھی پسند نہ کیا۔ اس دنیا کی پوری زندگی مافروغی طرح گزار دی۔ مگر آج ان کی قبروں پر عالیشان گنبد بنائے جاتے ہیں۔ لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی تعلیم یہ تھی کہ مرد کے لیے سونا اور ریشم حرام ہے۔ انکی قبروں پر سونے کے دروازے اور ریشم کی چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ کیا وہ بزرگ ان طرافات سے سزا نہیں ہوتے ہوں گے۔ وہ تو ساری عمر ایمان کی دعوت دیتے رہے، کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے، مگر ہم ان کے بعد کیا کر رہے ہیں۔ غرضیکہ پیغمبر کا ایک فریضہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے۔

حضرت علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا۔ حضور! میں نے فلاں جگہ پر جائزہ زنج کرنے کی منت کی ہے کیا اسے پورا کروں۔ آپ نے پوچھا۔ اس جگہ کبھی کوئی بت تو نہیں تھا یا کسی نہانے میں وہاں کوئی بزرگ تو نہیں بیٹھا تھا۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے وہاں پر جائزہ زنج کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں نہ ہرگز نہ جانیت

ہیں وہاں کوئی تھان جو جس کی پوجا ہوتی ہو۔ کوئی بزرگ کسی دہشت کے نیچے بیٹھ گیا۔ تو درخت
کی پوجا ہونے لگی۔ آپ نے اس قدر احتیاط فرمائی۔

الغرض! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمعیل علیہ السلام نے دعا کے آخر میں اللہ تعالیٰ
کی تعریف فرمائی۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اے مولا کریم! تو ہی کمال قدرت کا
مالک ہے۔ عزیز کا معنی غالب ہے۔ یعنی ہر چیز پر تیرا ہی غلبہ ہے۔ اور حکیم سے مراد۔ کمال حکمت
کا مالک بھی تو ہی ہے۔ تیرے سب امور حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہماری دعا کو
قبول فرما اور امت مسلمہ قائم کر اور پھر ان میں عایشان رسول بھیج جو تیری آیات پڑھے۔ انہیں
کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدْ
 صٰطَفٰنٰهُ فِي الذَّنْبِ وَاٰتٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰
 اِذْ قَالَ لَدٰ رَبِّهٖ اَسْلِمْتُ قَالَ اَسْلَمْتَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱
 وَوَصٰى بِهَا اِبْرٰهٖمَ بِبَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ
 اصْطَفٰى لَكُمْ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُوْا اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲
 اَمَرَكُمْ شُهَدَاۗءُ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبُ الْمَوْتَ اِذْ قَالَ
 لِبَنِيْهِ مَا اَتٰىكُمْ وَاَنْتُمْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ
 وَرَاللّٰهٗ اَبَاۤىكَ اِبْرٰهٖمَ وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۝۱۳۳
 وَخٰنَ لَهُ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۴ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
 وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَنْهَا كَالَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۵

ترجمہ: اور نبی عرض کرتا ابراہیم (علیہ السلام) کی امت سے مگر وہ شخص جس نے اپنے نفس کی یقوت بنایا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنے ذریعہ دنیا میں بندہ آخرت میں البتہ نیکو کاروں میں شمار ہوگا ۝۱۳۰ جب اُس کے رب نے فرما دیا ہو جاؤ۔ تو اُس نے کہا میں فرمانبردار ہو چکا ہوں رب العالمین کے لیے ۝۱۳۱ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اس امت پر قائم بننے کی وصیت کی۔ اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی۔ اور کہلے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی کو چن لیا ہے پس تم نہ مرد، مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو ۝۱۳۲ کیا تم حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی تھی جیب اسوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا، تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ ہم عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے آباؤ اجداد، ابراہیم، اسمعیل، اور اسحاق (علیہم السلام)۔

کے معبود کی۔ وہی ایک معبود ہے اور ہم اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں (۱۳۳) یہ ایک عجبت
ہے جو گزرتی ہے۔ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کیا۔ اور تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا۔
جو تم نے کیا۔ درمستق اُن باتوں کے متعلق نہیں رہا جسے کچھ وہ کرتے تھے (۱۳۴)

اللہ تعالیٰ نے پہلے بیت اللہ شریف کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر کا ذکر فرمایا۔ اور پھر اسی ضمن میں
حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دُعا ذکر کی۔ دُعا میں سب سے پہلے عمل کی قبولیت اور
اور پھر اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق طلب کی گئی تھی۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹے کی اولاد میں
سے اُمتِ مسلمہ کے قیام اور پھر اُن میں سے ایک عظیم الشان رسول کی بعثت کی دُعا تھی۔ اور پھر
اُن فراموشی کا ذکر تھا جو آخری رسول انجام دے گا۔

یہاں یہ مرکزِ نبوت سے مندرجہ ذیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی ہے کیونکہ اہل کتاب
آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ یہ مرکزِ نبیوں آگے دُور تک جائے گا۔ ابتداء میں حضرت
اسماعیل علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہے۔ اور پھر اس دُعا کے مصداق کا بیان ہے۔ تو یہ کیا دُعا ہے
سے ظاہر ہے کہ وہ ذات والا صفات صریحاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے
آپ ہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا خاندان قریش اُنکی
ذیل سے ہی پھیلا رہا تھا۔ انہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کا قیام فرمایا۔ اور دُعا کے مطابق انہیں
میں ہی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت فرمایا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت کے آثار

آپ کی بعثت کے متعلق مندرجہ ذیل آیتیں گہری پوچھیں۔ حضور! آپ کی ابتداء
کیسے ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اَنَا دَعَوْتُ إِلَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وَرَعَايَا قَتْلَ رَجُلٍ عَيْنِي
یعنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا۔ اپنی ماں کے خواب اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق
ہوں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی دُعا کا ذکر ہے۔ جو کہ شہد دس میں گہری ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۚ يَتْلُو آيَاتِكَ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ انہیں میں سے ایک رسول بعثت فرما۔
حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ کی یہ بات سنی سے پہلے خواب دیکھا تھا۔ کہ ان کے پلو

سے ایک ایسی روشنی نکلے گی جس سے شام اور بصری کے مہلات روشن ہو گئے ہیں یہاں تک کہ اونٹوں کی گردنیں نظر آرہی ہیں۔ اس حدیث کی ترجمانی مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی طویل نظم مرد و جزر اسلام میں خوب کی ہے۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہو یا دعائے خلیل و نوحی

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تعلق ہے۔ قرآن پاک نے اس کو بھی واضح کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول مبعوث ہوا ہوں۔ میں اپنے سے پہلی کتاب توراة کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں۔ جن کا نام نامی اداہم گرامی احمد ہو گا۔ غیر اہل اہم سرانی زبان میں احمد کو فار قلیط کہا گیا ہے جس کا معنی دنیا بھر کا تعریف کیا ہوا۔

شاعری میں مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی۔ غالب کے شاگرد تھے اور علوم دینیہ میں حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ زیر تعلیم تھے مگر اس جنگ کے بعد جبکہ اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ آپ کا شمار قومی شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے اسلام کے عروج و زوال کی دامن نہایت نثرانہ انداز میں نظم کی صورت میں پیش کی ہے۔ آج کل لوگ میلادِ ثانی کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی مدح کے نام پر کھڑیہ اور شرکیہ کلمات کہہ جاتے ہیں۔ ایسی تمام لغتوں کے مقابلے میں مولانا حالی کا یہ ایک ہی شعر کافی ہے۔ حدیث کے مخزن کو ایک شعر میں کمال طریقے سے سمجھ کر حضور علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں شانِ نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہودی علماء میں سے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کے بھائی کے دو بیٹے بھی صاحبِ علم تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ توراة میں یہ بیان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل میں ایک نبی مبعوث کروں گا۔

اہمیت کا نشان
نزول

جس کا نام احمد ہوگا۔ اور جو شخص اس پر ایمان لائے گا، ہدایت پا جائے گا۔ اور جو اس کا انکار کریگا وہ ملعون ہوگا۔ چنانچہ ان دو بیانیوں میں سے ایک بھائی مسلمان ہو گیا اور دوسرا یہودیت پر قائم رہا۔ آیات زیر درس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وقت ابراہیمی
سے اعراض

فَرَا دَاوَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ لَا مَنَ سَعَفَ نَفْسًا وَّارِثًا
کرتا وقت ابراہیمی سے مگر وہ شخص جس نے اپنے نفس کو بوقوف بنایا۔ یعنی ایسا کام وہی کر سکتا ہے جو پرے درجہ کا بوقوف ہو۔ اپنی عقل و ضرر کو بردہ سے کار نہ لاتا ہو۔ وہ عقل مند شخص جس کی اپنی کوئی رائے ہو۔ وہ وقت ابراہیمی سے اعراض نہیں کر سکتا۔

دین وقت
اور شریعت

دین، وقت اور شریعت تین مختلف چیزیں ہیں۔ دین تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک میراث ہے۔ قرآن پاک کے دو حکم مقام پر آتا ہے: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّيْنَا بِهِ نُوْحًا وَآلَآءِزِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرٰهٖمَ يَعْنِي هَم نَے آپ کی طرف وہی دین نازل کیا جو نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف نازل کیا۔ دین ایک بنیادی عقیقہ ہوتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا ہے۔ ہمیں اولین نبیز تو یہیت اسکے بعد فرستیں کتابوں رسول اور قیامت پر ایمان ہے۔ یہ ایسے بنیادی عقاید ہیں۔ جن میں کسی زمانے میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔
وقت میں سوئے ہوئے اصول اور کلیات ہوتے ہیں جنات بنیاء عظیم السلام کی وقت میں بھی بہت شک و شبہ ہوتا ہے اور وقت کبھی ٹھوٹے نہیں ہوتی بدویشہ قائم رہتے۔ نہ وہی اللہ محدث دہری فرقے ہیں کہ بعض کلیات بر وقت میں قائم ہے ہیں۔ مثلاً طہارت، خدا کے سامنے عاجزی، ساحت و عینا منی، عدل و انصاف، تہذیب نفس وغیرہ۔ ایسی چیزیں ہیں۔ جو تمام مل میں قدر مشترک رہی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی گویا ایک ہی وقت ہے۔ ایسے وقت اسلام کہ لیں یا وقت ابراہیمی، مطلب ایک ہی ہے۔ اور اس آخری دور میں حضور علیہ السلام کا اتباع ہی وقت۔ ابراہیمی کا اتباع ہے۔ جو شخص نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وقت کا فرد نہیں ہے۔ اُسکی طرف سے وقت ابراہیمی سے تعلق کا دعویٰ باطل ہے۔ ایسا شخص گمراہ ہوگا۔ چنانچہ اس وقت

یودی اور نصرانی دونوں ملعون گردہ ہیں۔

ہر نبی کی شریعت مختلف ہوتی ہے۔ شریعت میں مسائل کی جزئیات ہوتی ہیں جو مکاں و زمان کی مناسبت سے ہلتی رہتی ہیں اسی لیے فرمایا: لِكُلِّ جَعَلْتُ مِنْكُمْ شَرِيعَةً وَمِنْهُاجَاءَ ہم نے ہر امت کے لیے جدا جدا شریعت بنائی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: تَحْتَ مَنْشَرُ رُؤُوسِیَ اَزَادَ عِلَالَتٍ دِیْنَتَا وَاحِدَةً ہم اجیاء علیہم السلام کا گردہ علاقائی جہائی ہیں مگر ہمارا دین ایک ہی ہے۔ علاقائی بجائی دو ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں حضور علیہ السلام نے اس مثال سے یہ بات سمجھائی کہ دین ایک بنیاد پر ہے۔ جو کہ غیر تغیر پذیر ہے۔ مگر شرائع یعنی عجزیات مختلف زمانوں میں ہلتی رہتی ہیں۔ جیسے حلال و حرام کے مسائل ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو گئی بنیں بیک وقت ایک مرد کے نعل میں آسکتی تھیں۔ ہماری شریعت میں یہ ناجائز ہے۔ ان کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا جائز نہیں تھا۔ مگر ہماری شریعت میں جائز ہے۔ مقصد یہ کہ شریعت ایک تغیر پذیر چیز ہے۔ امت کے بڑے بڑے اصول مشترک ہوتے ہیں۔ اور دین بالکل غیر تغیر پذیر ہے۔ یہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

وقت ابراہیمی کے تذکرہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہاں پر تعریف بیان فرمائی ہے۔ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا اِبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو دنیا میں نبوت و رسالت اور امامت و پیشوائی کے لیے منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں درجہ کمال تک پہنچایا اور آپ کو عزت اور شرف عطا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ برگزیدہ انسان تھے وَلَئِنَّ فِي الْاٰخِرَةِ لَعِمْرَ الصّٰلِحِیْنَ اور آخرت میں وہ نیکو کاروں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت ہر دو مقام میں بزرگی عطا فرمائی۔ لہٰذا ان کے طریقے سے انحراف کرنے والا ملعون کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبوت و امامت جیسے منصب علیہ پر فائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

رَفَعْنَا لَهٗ رُتْبَةً اَسْبَغَہُ جَبَّ اَنْ کے رب نے ان سے کہا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تَوْفِیْکَ اَنْسَحَتْ

حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا مرتبہ دین

حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی نسبت مانبر وادی

لَوْ بَاطِلٌ لَّكُنَّ مِنْ أَهْلِ الْغَلَبِ اِسْموں نے کہا میں ہمہ تن جان و دل غلبہ و باطن میں رہنے اعلیٰ کا فرمانبردار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مانتے کا اولین اصول ہے۔ اُمت کا یہ فرض ہے کہ ہر آنے والے نبی کا اتباع کرے۔ فرمانبرداری کی بنیاد یہ ہے کہ سب پر ایمان ہو اور یہی ہے جو ان کی ہمت اور نصرت پیدا ہوئی۔ اسی لیے ان دو گروہوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حقیقت میں ملتِ ابراہیمی ہی ملتِ اسلامیہ ہے۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رہنما تھا۔ اور جس پر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی رہنما تھے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد ہوا "اَنْ تَبِيعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا" لہذا حضور علیہ السلام کا اتباع ہی حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع ہے۔ جو شخص پہلے نبی کی اطاعت کا دروازہ بند کرے۔ اور آخری نبی کا انکار کرے۔ وہ ملتِ ابراہیمی کا پیروکار کیسے ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی یاد رہا ہے کہ وہ بوٹ دھرمی چھوڑ کر دینِ اسلام کو قبول کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اسی ملتِ اسلامیہ پر کاربند بننے کی وصیت کی۔ وَوَصَّي بِهَا اِبْرٰهِيْمَ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کتنے بیٹے تھے۔ اس میں مختلف روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چار بیٹے تھے۔ بعض نے سات اور بعض نے چودہ لکھے ہیں۔ آپ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اور مین، ہاتن، اسماعیل اور اسحاق سب ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ تھے۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔ تو ان دونوں جلیل القدر انبیاء کرام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی یٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكَمُ الدِّیْنَ لے جٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو منتخب فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ دین ہے۔ اسی پر کاربند رہنا۔ فَلَا تَكْفُرُوْا اِنَّكُمْ كُفِرْتُمْ عَنْ اَمْرِ اللّٰهِ اور تمہاری موت صرف اسی حالت میں آئی چاہیے کہ تم فرمانبرداری کرنے واسطے ہو۔ یعنی دینِ اسلام پر قائم ہو۔ مقصد یہ تھا کہ موت ایک بغیر اختیار می چیز ہے۔ چنانچہ کس وقت دار ہو جائے۔ لہذا تمہارا ہر لمحہ اطاعتِ خداوندی میں دینِ اسلام پر گزرنا چاہیے۔ یعنی مرتے دم تک ملتِ اسلامیہ پر قائم رہو۔ حضرت فریم علیہ السلام

حضرت ابراہیم اور
یعقوب علیہما السلام
کی وصیت

کا ارشاد گرامی ہے۔ مَنْ هَذِهِ عَلَى سُنِّيِ الْبَيْتِ اللَّهُ عَلَيْهِ جو شخص جس عقیدے پر مرے گا، اُمّی پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ لہذا تمہاری موت دین حق پر آئی چاہیے۔ تاکہ روزِ محشر یہی دین سے کراؤ۔

یہودیوں کے لٹریچر میں اس وصیت کے ضمن میں حضرت اسحق علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ کہ انہوں نے بھی اپنی اولاد کو ایسی ہی وصیت کی تھی۔ جب ان کا وقتِ موعود آ پہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ میں تم کو اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں، جس کی صفاتِ الٰہیہ عظیم، قیوم اور عزیز ہے۔ اور جو آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز کا خالق ہے۔ تم اُمّی خدا کا خوف رکھنا اور اُن کی عبادت کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وقتِ آخر اپنے بیٹوں کو پاس بلا کر کہا۔ مجھے خدا شہ ہے۔ کہ تم میں سے کوئی بت پرستی اور شرک کی طرف میلان رکھتا ہے۔ تو بیٹوں نے جواب دیا۔ سُنْ لے اسرائیل! اے ہمارے باپ! ہمارا خدا وہی ہے جو سُبُوحٌ قُدُّوسٌ ہے۔ اور جس طرح ایک خدا تعالیٰ پر تیرا ایمان ہے۔ اُنسی طرح ایک خدا پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ بہر حال یہ حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت کا ذکر تھا۔ جو اس آیت میں بیان ہوا۔

اگلی آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا بطور خاص ذکر فرمایا۔ یہودی نصاریٰ کو یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ کہ تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے۔ کہ تم ابراہیم، اسمعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام کو ماننے والے ہو۔ انہوں نے یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم نہیں دی تھی۔ ان کی تعلیم تو واضح طور پر توحید پر مبنی تھی۔ فرمایا اس واقعہ کو یاد کرو وَاٰخِرُ كُنْتُمْ شَعْبًا وَاحِدًا۔ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ کِیَا تَم اس وقت موجود تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس موت آئی۔ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ جِب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا، تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے یہودیوں کی مدایت میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا مجھے شہ ہے کہ تم میں کوئی شرک کی طرف میلان

نہایت برتریوں نے ایک آواز جواب دیا قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ ہم تیرے معبود کی عبادت کریں گے وَاللَّهُ أَبَاحُ اور تمہارے آباؤ اجداد ایسا ہی کرنا مستحق اور مستحب قرار دیا ہے۔ ابراہیم، اسمعیل اور اسحق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے۔ إِلَهُكُمْ وَاجِدُكُمْ جو ایک ہی معبود ہے۔ ہم صرف اسی کی عبادت کریں گے۔ وَنَحْنُ نَذُكِّرُكُمْ اور ہم صرف اسی کی فراموش دہی کرتے رہے ہیں۔ یہ سب باتیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے دم واپسین کے وقت کی ہیں۔ جو اپنی اولاد کو دین توحید اور ملت ابراہیمی پر کار بند ہونے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان تمام واقعات کے پیش نظر یہود و نصاریٰ کے لیے ملت ابراہیمی سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی انصاف کا مادہ موجود ہو۔ اور وہ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا ہو گا۔ کیونکہ آپ ہی ملت ابراہیمی کے پیچھے پیرو کار اور پیچھے جانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس دھوکے کی تردید فرمائی ہے کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ آگے سورۃ آل عمران میں آئے گا۔ کہے بنی اسرائیل! اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہو۔ تو بنی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا پڑے گا۔ آپ کے بغیر سب ادیان باطل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تمہاری جھوٹی نسبت کچھ مفید نہ ہوگی۔

ان جلیل القدر خیمبروں حضرت ابراہیم، اسمعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کی توحید پر مکتبی کے بعد فرمایا۔ يَذُكِّرُكُمْ قَدْ خَلَتْ مِنْكُمْ جَاهِلِيَّتُكُمْ اَمْ لَمْ يُنْذِرْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔ وہ دین توحید پر قائم رہی لہٰذا مآکسبت انہیں کے لیے ہے جو کچھ انہوں نے کیا۔ یعنی ان کے عقیدہ اور اعمال و افعال کا اجر ان کو ملے گا وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارے لیے وہ جو کچھ تمہارے عقیدے اور اعمال کے طریقے پر چلتے ہوئے دین اسلام اور ملت ابراہیمی کا دامن تمام لوگے۔ تو مراد کو پہنچو گے۔ اور اگر بنی ضد اور عناد پر قائم ہے۔ تو ملت ابراہیمی سے خالی خولی نسبت کچھ کام نہ آئے گی اور تمہارے عقیدے اور اعمال کے مطابق ہی تمہیں بدل دیا جائے گا۔ اہم عزائی نے بڑی عمدہ مثال دی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر بیٹا بھوکا یا پیاسا ہو اور باپ کھاپی ہے۔ تو بیٹے کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس کی بھوک اور پیاس رفع نہیں ہوگی۔

ہر امت اپنے افعال کی ذمہ دار ہے

جب تک وہ خود نہیں کھائے پئے گا۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے آباد اجداد کا دین اسلام پر قائم ہونا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک یہ خود ہیٹ و صرہی چھوڑ کر ملت ابراہیمی کو نہ اپنائیں۔ فرمایا وَلَا تَسْلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تم سے یہ نہیں پرچھا جائے گا کہ تمہارے آباد اجداد کا دین کیا تھا۔ وہ کیا کرتے تھے، بلکہ تمہیں خود ان کی صحیح معنوں میں پیروی کرنا ہوگی۔ تمہارے اعمال کی باز پرس تمہیں سے ہوگی۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُوحُوا أَوْ لَعْنُوا قَهْتَدُوا قَدْ بَدَّلَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
 حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٥﴾ قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا
 أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ
 يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ
 مِنْ رَبِّهِمْ لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
 ﴿١٢٦﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَكَمْتُمْ شَوَا
 وَرًا تَلَوْنَا فَلِتِمَافٍ لَكُمْ فِي شِقَاقِ فَسِيخِيفَنَهُمُ اللَّهُ وَمُؤْ
 التَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغًا
 وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٢٨﴾

ترجمہ: اور یہی، رسولوں سے ہیں یہودی یا عیسائی جو باقرہ آیت پانچ کے لئے

پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ہرگز نہیں بلکہ ہم وقتِ ابراہیم کی پیروی کریں گے جو ایک طرف

رجحان والے آیت سے اور شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۱۲۵﴾ (لئے ایمان لے

لے۔ ہم ایمان لائے ہیں، شریعت اور اس چیز پر جو ہمارے طرف اشارہ کی ہے۔ اور جو

ابراہیم، اسماعیل، اسحاق یعقوب و عیسیٰ علیہم السلام، ایمان کی اولاد پر آتا، وہی ہے اور

ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو کوئی عیسیٰ دھیسلا سلام اور درستی میں کو

ان کے رب کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق

نہیں کرتے۔ اور ہم اسی پروردگار کی پیروی کرنے والے ہیں ﴿۱۲۶﴾ پس اگر یہ

لوگ ایمان لے آئیں جیسا کہ ایمان لائے تو تو تمہیں یہ بیتِ پابندی سے اور انہوں نے

دیکھائی کہ پس میں نے تمہیں یہی۔ پس مقترب لے تھائے ان بت کرے گا آپ

کے لئے ان سے۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ (ہم نے)

ہیں گے۔ پہلی آیتوں میں گزرا ہے کہ صحیح قسٹ ابراہیمی ہی قسٹ اسلامیہ ہے، وہی قسٹ ثابت
عَنْ قَوْلِهِمْ لَا مَن سِوَاكَ وَفَضْلُهُ اَوْ اس قسٹ سے اخرا ف ا
کوئی بیوقوف ہی کر سکتا ہے۔ اور ان کا طریقہ تراشہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریحہ ہے۔ اور اس
آخری دور میں تہذیبیت کے یہ قسٹ ابراہیمی کی اصل بنشہیں بن۔ اور اس قسٹ کا اتباع کریں
گے جو حضرت ابراہیم خلیفہ علیہ السلام کی قسٹ ہے۔ اور یہ اب شریعت محمدی کی شکل میں بہتے
پاس موجود ہے۔

حضرت عربی زبان میں اس اوٹ کو کہتے ہیں جس کے پاروں میں کجی ہو۔ اور وہ چلتے وقت
ایک ٹرن کو مال ہو جاتا ہو۔ اس کو احف بھی کہتے ہیں لفظ ضیف اسی دسے سے ہے اور
س کا معنی ہے ہر طرف سے کٹ کر ایک طرف نکلنے والا یعنی یکسو۔ اور اصطلاحاً ضیف اس شخص
کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر حضرت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ ضیف
لِلّٰہِ غَیْرِ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متعلق بھی یہی آیا ہے۔ وَمَا
کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ آپ شرک کرنے والوں میں نہ تھے۔ مگر جس یوریت اور نہایت
کی دعوت نمٹے ہے سو وہ تو شرک سے آلودہ ہے۔ تم کو حدیث الہیہ کے قائل ہو
نہیں تشبیہ پائی جاتی ہے۔ ہذا تم قدامتہ کا زین قبول نہیں کر سکتے بلکہ تم تو قسٹ ابراہیمی کا اتباع
کریں گے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ضیف تھے اور شرک سے پاک تھے۔

شاہد: اللہ مکث و طوئ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ضیف جو شخص ہو
مجاہد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو۔ حج کرنے والا ہو۔ نماز میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ
کرنے والا ہو۔ فتنہ کرنے والا ہو۔ اور محرمات نکاح کو عہد آم محبت ہو۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی
میسر میں صنف ابراہیمی کی چالیس خصوصیات بیان کی ہیں جو اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں پر نہ کرے
دائے سے مادیات شخص سے، جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانا ہو۔ بہ حال حضرت ابراہیم علیہ السلام
غیبت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ فواریں کہ تم تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قسٹ

کہ تباہ کریں گے۔ تمہاری خواہشات یہودیت و نصرانیت کو قبول کرنے کے لیے تیار
ہیں ہیں۔

ان شاء

فرمایا کہ آپ ان کو اہل قسب ابراہیمی کی تشبیح بھی کر دیں۔ قُولُوا اَمَّا ابْنُ اللّٰہِ
یعنی یوں کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر یعنی ہماری جہ فدا دہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے۔ ہم اس
کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مٹھاتے۔ بذات میں۔ نہ صفات میں۔ نہ عدل و حرام میں کسی چیز میں اس
کا شریک نہیں بناتے۔ بر خلاف اس کے بنی اسرائیل نے عدل و حرام کا نہ سب پارہ یوں کے پرہ
کر رکھا ہے۔ جسے یاد رکھی عدل کرے وہ عدل ہے۔ اور جس چیز کو پارہ حرام قرار دے۔
وہ حرام ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تکمیل و تحویر نور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ منسوب
اللہ تعالیٰ کی ذات کے مانند خاص ہے۔ اور کس کے پاس نہیں ہے۔ ہاں جب نبی کسی چیز کی حالت
ذہنیت کا فتویٰ دیتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے عدل و حرام کردہ شے کے مطابق ایسا کرتا ہے
خود اپنی مرضی سے کسی چیز کو عدل و حرام قرار نہیں دیتا۔ یہودی چونکہ عدل و حرام کا اختیار اپنے حرام
اور حلال کر رہے تھے۔ اس لیے وہ تکمیل و تحویر میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قرآن
میں

اپنی ایمان کو خطاب سورہ بقرہ کہ ایمان باللہ کے بعد تمام کتب کا دین پر ایمان لانے
کا بھی اعلان کر دو وَمَا اَنْذِرُكَ اِلَّا بِمَا هُمْ اِيْمَانُ لَاسَ هِيَ جو ہماری طرف
ازل کی گئی یعنی قرآن پاک وَمَا اَنْذِرُكَ اِلَّا بِمَا هُمْ اِيْمَانُ لَاسَ هِيَ و يُحَقِّقُونَ
و يُحَقِّقُونَ اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیم، اسمعیل، اسحق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر
مکمل آسمانی کتابیں توجہ ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام پر چھوٹے چھوٹے پیغمبر
بھی نازل فرمائے۔ چنانچہ دس دس میں نہ رہے۔ اگر ہم علیہم السلام کے صحائف کا ذکر آتے سے یہاں
پر ہی صحائف کا ذکر ہے۔ کہ جس طرح انجیل، کتاب، اور یہود ایمان لے کر آئے۔ اسی طرح
عسیر، آسمانی کتاب، اور یہودی۔ یہاں بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں نہایت
پر ہم علیہم السلام کی کتابیں ہیں۔ انبیا علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ
کے بعد ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔
ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔ ان کے پیغمبر بھی بھیجے۔

کسی پر ایمان لانا اور کسی پر نہ لانا۔ یہ تو کفر کے مترادف ہے۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ وہ عیسٰیؑ انبیاء کرام علیہ السلام پر تو ایمان لائے مگر بنی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ دیکھو! اہل اسلام تمام سابقہ انبیاء کرام پر یعنی حضرت موسیٰؑ عیسیٰؑ علیہما السلام دو دیگر سب پر ایمان رکھنے کے ساتھ بنی آخر الزمان علیہ السلام پر بھی ایمان لائے ہیں۔ مگر یہ وہ دونوں نصائی آخر نبی کے منکر ہیں۔ اس لیے یہ کافر ٹھہرے ہیں۔ لَا فَتْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ كَمَا مَطْلَبُ یہ ہے کہ ساری تمام انبیاء کرام پر یکساں ایمان ہے۔ ہم کسی میں بھی تفریق نہیں رکھتے۔ جو انبیاء کرام ہیں قوم کی طرف اور جس زمانے میں بھی مبعوث ہوئے۔ اگرچہ ہم انہیں جانستے نہیں مگر ان کی بعثت کے یکساں طور پر قائل ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان! تم سارے برحق ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور اس کی تمام کتابوں کو برحق مانتے ہو۔ اور ان میں کوئی تفریق نہ کرنا۔ وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اور ہم اسی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں جس نے تمام انبیاء اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اور یہی قہر ابراہیمی کا اصول ہے۔

مصدق

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو معیار حق قرار دیا۔ اور فرمایا فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنُوْا بِہِ اَکْرِہُ کُفْرًا وَشُرَکَیْنِ اور یہود و نصاریٰ بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو فَقَدْ اٰمَنُوْا وَآتُوْا بِہِ حُدُودِہِ پابائیں گے مگر باذول قرآن کے زمانہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوکین صحابہؓ معیار قرار پائے۔ مگر بعد میں آئے دلوں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی انہیں کا طریقہ اختیار کریں۔ وہ بھی اُسی معیار پر پرکھے جائیں گے۔ چنانچہ اُس زمانے کے یہود و نصاریٰ صحابہؓ کے معیار پر پڑے نہ اترے۔ وہ اس طرح تمام ان کرام اور تمام کتابوں پر ایمان نہ لائے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایمان لائے تھے۔ لہذا وہ مردود ہوئے۔ آج بھی جو کوئی صحابہ کرامؓ کے طریقے کے خلاف کرے گا۔ گمراہ ہوگا۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے نامی کر وہ کے متعلق فرمایا مَا اَنَا صَلَیْمٌ وَاَصْحَابِیْ

یعنی نجات یافتہ وہی لوگ ہوں جو میرے شاہد کے طریقے پر ہوں گے۔ باقی سب گمراہ ہوں گے۔ صحابہ میں سے آپ نے خلفائے راشدین کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔
 کیونکہ ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام خطہ زمین پر دین کو مستحکم بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ
 ہم کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں سے ٹکڑے سکے۔ سب مغلوب ہو چکے تھے۔ نہ صرف
 دین سے بلکہ سیاسی طور پر اسلام غالب آچکا تھا۔ یہ تو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے عہد میں تھیں
 کی وجہ سے حالات نے پٹنا کھنکھایا۔ ورنہ پچاس سال تک اسلام بہترین حالت میں رہا۔

لغرض! یہ دو نقصان ہی کو فرمایا کہ تمہارا دین اور تمہارا ایمان درست نہیں ہے بلکہ
 حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم بھی دین حق پر اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح اہل
 ایمان لاتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرو گے۔ اپنی عند اور بہت دھرمی پر اڑے رہو گے تو بدایت نہیں
 پاؤ گے۔

اہل ایمان
 کی کامیابی

فرمایا اگر یہ مکمل ایمان لانے کی بجائے وَإِنْ تَوَلَّوْا اگر یہ رد و رانی کریں گے فَإِنَّمَا
هُمُ فِي شِقَاقٍ تو یہ محض منہ اور اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہ تو منصف مزاج ہیں
 اور نہ ہی حقیقت کے طلبکار ہیں۔ آپ اپنا کام کرتے چاہیں۔ ان کی پروا نہ کریں فَيَكْفِيكُمْ
اللَّهُ ان کی طرف سے ہر شرف و رکے جواب میں اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرے گا۔ آپ کو
 ان کی شرارتوں اور جیل ساز یوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو لوگ آپ کے متبع ہیں۔ وہ بھی ہر طرف
 گئے۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ آپ کے دشمن بن ذیل و خوار ہوں گے۔ آپ اور آپ کے
 سامعین بالآخر کامیاب و کامران ہوں گے۔ چنانچہ اہل کتاب نے دیکھ لیا کہ غور سے ہی دوسرے میں
 اسلام لوٹے عرب اور پھر آدمی دنیا تک پھیل گیا۔ وہی اہل کتاب جو آپ کے خلاف طعنے طعنت کی
 سازشیں کرتے تھے۔ انہیں مدینہ طیبہ اور دیگر قلعوں سے نکلنا پڑا۔

ملوکیت کی
 فطریات

مسیح پر کرامت نے جو معیار قائم کیا تھا وہ بڑے اونچے درجے کا معیار تھا۔ اور اس پر کار بند
 رہنا بھی آسان نہیں تھا۔ چنانچہ بعد میں آنے والے لوگ اس معیار کو قائم نہ رکھ سکے اور خلافت کی بجائے

ملوکیت کا راستہ اختیار کر لیا۔ خلافت راشدہ کے طریقے کو پس پشت ڈال دیا اور عیاشی و فحاشی والا طریقہ اختیار کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کی طرح یہ بھی ذلیل ہوئے۔ یہ درست ہے کہ بعد میں کچھ اچھے لوگ بھی آئے اور اسلام کو وقتی طور پر تقویت بھی حاصل ہوئی۔ مگر بحیثیت مجموعی بگاڑ پیدا ہوتا چلا گیا۔ اور ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ آگئی اور ہر صاحبِ اقتدار اپنی من مانی کرتے لگا۔ چوبہ کی افضل حق ہمارے قوم کے بڑے مدبر انسان ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بڑے ذکاوت کے ساتھ ایک جملہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب بنی امیہ کا دور آیا تو انہوں نے خلافت راشدہ کے نفیس فرش کی جگہ شنشائیت کا ناٹ بچھا دیا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ جو میراجی صحابہؓ نے قائم کیا تھا اس میں زوال آگیا۔ اور امت میں اتفاق و اتحاد کا دامن مارا ہو گیا۔ جنگ اُمد میں اگرچہ شکست کا رمن کرنا پڑا مگر صبیحہ کرام نے **وَأَهْلُ هَؤُلَاءِ شِئْنُهُمْ نَزَّاعِلٌ** کے زمرہ ارتکات کو برداشت کیا۔ بلکہ اپنے اتحاد کو اور مضبوط کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکنا پڑا۔ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام عرب سے نکل کر دور دور تک پھیل گیا۔

اہم ابوجہسماںؓ فرماتے ہیں کہ جس معاملہ میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کی گئی ہو، اُس معاملے میں نبیؐ کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے۔ مگر ملوکیت کے راستے پر چل نکلنے والے صاحبِ اقتدار لوگوں کو اپنی من مانی کرنے کا کہاں حق پہنچتا ہے۔ ایسے لوگ تو ابلیس کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ کابل مصر اور بخارا وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں وہاں کے ملوک نے کس قدر ظلم کیے۔ اسلام کے صحیح طریقے کو چھوڑ کر باطل طریقے پر چل نکلے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صدیوں سے زوال چھایا ہوا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو فرمایا کہ اگر کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اپنی ضد پر اڑے رہیں تو آپؐ گھبراہٹیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام احمائی و ناصر ہو گا۔ ان کے مقابلے میں وہ تمنا سے بے کفایت کرے گا۔ **وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی دُعا کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ اُس سے کچھ مخفی نہیں۔

فرمایا یہ آپ کو یہودیت اور نصرا نیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپ انہیں فرمائیے کہ صِبْغَةَ اللَّهِ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ تمہارے باطل یہودیت اور نصرا نیت سے بھار کیا تعلق۔ اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے مراد کوئی رانی رنگ از قسم شہر نیلایا پلانہیں بلکہ توحید اور اخلاص کا رنگ ہے۔ یہ وہ رنگ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انسان کے چہرے پر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ رنگ ان کے اقوال و افعال اللہ جل جلالہ کی وجہ سے اور چمکتا ہے۔ ہم نے یہ رنگ اختیار کیا ہے۔ یہ یہودیت اور نصرا نیت والا رنگ نہیں جو کہ کپڑوں اور جسم پر لگا کر عیسائیت میں محنتی کا اظہار کرتے ہیں

فرمایا: وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً اور اللہ کے رنگ سے اچھا کون سا رنگ ہوگا۔ جو کہ توحید، عبادت، ریاضت، دیانت اور ایمان کا رنگ ہے۔ یہ وقت ہر ایسی کا رنگ ہے جو صرف اہل ایمان کو حاصل ہے۔ جو اس وقت پر صحیح معنوں میں کار بند ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سزا کھار ہیں۔ جس نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ وَنَحْنُ لَهُ عِبَادٌ اس لیے ہم اسی اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ ہم کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

الْم

درس پنجاہ چہار

ابقتہ

(آیت ۱۳۹، ۱۴۱)

قُلْ اَتَحَاجُّوْنَكَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَكِنَّا اَعْمَالُكُمْ
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَعَنُّ لَكَ مَخْلُصُونَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُولُونَ اِنْ
اَبْرٰهٖمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَیٰحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانَوْا
هُودًا وَنَصٰرٰی قُلْ ؕ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنْ کَتَمَ شَہَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمُ
مَا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ع

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ نہ دیجئے (اہل کتاب سے) کیا تم ہم سے سادہ اللہ کے
بارے میں جھوٹا کرتے ہو۔ حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی ہے۔ اور ہمارے
لیے ہمارے اعمال ہیں۔ اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ اور ہم اُسی کے لیے اخلاص
کرنے والے ہیں ﴿۱۳۹﴾ کیا تم یوں کہتے ہو کہ (حضرت) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور
یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے، آپ فرما دیجئے کیا بڑا بڑا
بناتے ہو یا اللہ تعالیٰ۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ جو اس کو اپنی کوتاہیاں ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہے۔ اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے۔
جو تم کرتے ہو ﴿۱۴۰﴾ یہ ایک مباحثہ ہے جو گھڑ چلی۔ اس کے لیے وہی کچھ ہے۔
جو اس نے کیا۔ اور تمہارے لیے وہ کچھ ہے جو تم نے کیا۔ اور تم سے ان کاموں
کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ جو وہ کرتے تھے ﴿۱۴۱﴾

گزشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو اپنے اہل مذہب کی عزت
و دعوت دیتے تھے کہ یہودی نصرانی موجد و توحیدیت پہاڑ کے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے اہل ایمان سے کہلایا کہ ہم تو طست ابراہیمی کے پیروکار ہیں اور اسی پر کار بند رہیں گے۔

مختصر

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ اور شرک کرنے والوں میں نہیں تھے۔ اس کے بعد ملت اسلام اور ملت ابراہیم کا اہم اصول اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ تم احسان کرو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی توحید اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ارسل کی ہے۔ اور ان صحائف کو بھی مانتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کی طرف نازل فرمائے۔ ہمارا اس شریعت اور دین پر بھی ایمان ہے۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو جو چیز بھی سطا کی گئی، ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اور ہم تفریق بین الرسل نہیں رکھتے کہ کسی کو مان لیا اور کسی کو نہ مانا، بلکہ سب کو بحال طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول تسلیم کرتے ہیں۔ اور تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں البتہ مثل کے لیے نہ صرف قرآن پاک کو کافی پاتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام کے صحابہ کرام بھی اسی اصول پر عمل درآمد کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ دو نساء نہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں۔ جس طرح صحبہ ایمان لائے ہیں، تو وہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔ اگر مخالفت کریں تو یہ ان کی ضد اور ہٹ دم می ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قلعی دی کہ اہل کتاب کے شر سے خائف نہ ہوں۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا۔ پھر فرمایا کہ یہودیت یا نصرانیت کا رنگ پکڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو۔ اور وہ دین توحید اور ملت ابراہیمی والا رنگ ہے۔ آخر میں اہل ایمان سے کہلایا کہ ہم انہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ جسکی وصیت کا اقرار کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کے
ساتھ جو کلام

آیت زیر در میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ معاملہ کی بنیاد رکھی ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ صلح و صفا کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ پھر علیہ السلام سے خطاب کیا۔ قُلْ آپ ان اہل کتاب سے کہہ دیں۔ تَحَاجُّوا نَسًا فِی اللہِ کہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہم سے جھگڑا کرتے ہو کیا بنائے محاسمت نہ کی جائے نیست اس کا دین یا اس کی عبادت ہے۔ بلکہ جھگڑے کی بنیاد یہ ہے۔ کہ اہل کتاب اس زعم میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بڑا مہربان ہے۔ اس کی تمام تر نوازشیں انہیں کے لیے ہیں۔ لہذا آخری نبی بھی بنوا کا حق ہیں سے ہی آنا چاہیے۔ تاکہ ان کے خاندان کی برتری قائم رہے۔ اسی لیے وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حالانکہ گذشتہ آیات میں گدہ رکھا ہے کہ وَاللّٰهُ يَخْتَعِرُ
بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ اللہ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے

کسی ایک فرد یا قوم نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی رحمتیں صرف
انہیں کے لیے ہیں۔ اسی چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کسب کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہائے میں ہم سے
جھگڑا کرتے ہو۔ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ عَالِمُ دُہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ اس
میں جھگڑا کی کون سی بات ہے۔ اگر اس نے ایک زمانے میں کسی ایک خاندان کو برتری عطا
کی ہے۔ تو دوسرے زمانے میں دوسرے خاندان کو شرف بخشا ہے۔ کیونکہ وہ ساری مخلوق کا رب ہے
اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ وہ سب کا مالک ہے۔ لہذا تم میں آپس میں مخالفت نہیں پیدا کرنی
چاہیے۔ اور اگر تم نے ضرور جھگڑا ہی کرنا ہے۔ تَرَوْنَ اَعْمَالَنَا وَلَكِنَّ اَعْمَالَكُمْ
ہماری اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ یعنی ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار
ہیں۔ اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ وَتَحْسَبُوْنَ لَكُمْ مَنَاصِبُكُمْ اَوْفَ اَعْمَالُكُمْ
کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

اخلاص
فی الدین

اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا بنیادی اصول ہے۔ تم
باطل نظریات کی طرف دعوت دیتے ہو۔ یعنی سیودیت یا نصرانیت کو اختیار کیا جائے۔ یہ ممکن
نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لا محدود ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے فضا بہ کسے
کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بجز اللہ ہم نے ایمان تسلیم کر کے اپنے اندر اخلاص پیدا
کیا ہے۔ اور صحیح معنوں میں ملتِ ابراہیم میں شامل ہونے میں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
اَخْلَصْ فِي دِينِكَ يَكْفِيكَ قَلِيلٌ مِّنَ الْعَمَلِ یعنی اپنے دین میں اخلاص پیدا
کر۔ تمہارا عمل بھی کفایت کر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف مخلص عمل ہی قابل

آگے اہل کتاب کی ایک اور زیادتی کو بیان فرمایا۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَبَ شَهَادَةً
عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ اسْ تُخْصِ سَے بڑھ کر ظالم ہو گا۔ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے
کوئی موجود ہو۔ اور وہ اُسے چھپائے۔ یہ گواہی کون کی تھی۔ جسے بنی اسرائیل چھپاتے تھے۔ یہ
گواہی حضور علیہ السلام کی بعثت۔ قرآن پاک کی حقانیت اور آخری امت کے بائے میں حق بائے
آئے گا کہ بنی اسرائیل ایسا جان بوجھ کر کر رہے تھے۔ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ
یہ لوگ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے تھے۔ جس طرح اپنے بیٹوں کو۔
مگر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ توراۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ
کے متعلق واضح پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ مگر یہ لوگ عناد اور حسد کی وجہ سے آپ کو آخری نبی تسلیم
نہیں کرتے تھے۔ گویا توراۃ نے جو گواہی پیش کی تھی اور جو خود ان کے پاس موجود تھی۔ اُسے
چھپاتے تھے۔ انہیں کے متعلق فرمایا کہ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اپنے پاس
موجود شہادت کو چھپا جائے

شہادت کا چھپانا دیسے بھی گناہ ہے۔ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ
شہادت کو چھپانے والے کا دل گناہ کا ہے بلکہ صیغہ گواہی دینا تو ضروری ہو جاتا ہے نہ تو
بجانب کہ وہ دین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاقِمُْوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ
اللہ تعالیٰ کے لیے شہادت کو قائم کرو۔ اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ ورنہ ظالموں میں
شمار ہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی طرف سے کتمان شہادت کو سورۃ اخلاف میں یوں بیان
فرمایا یُجَادُّونَهُمْ مَّا كَتَبُوا عِنْدَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ وَلَئِنْ جِئْتُمْهُمْ
پیش گوئیاں اور حال توراۃ اور انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ مگر یہ حق بات کو
چھپا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی قبیح حرکات کا علم نہیں بلکہ وہ تو
ہر چیز کو جانتا ہے۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ وہ غافل نہیں ہے تمہاری
تمام کاروائی کو جانتا ہے۔ اور مناسب وقت پر تمہارے مواخذہ کرے گا

یہ آیت گزشتہ سے پچیسواں آیت ہے۔ یہاں اس کو دہرایا گیا ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ يَوْمَ اَمْتِ قِي
جو گذر چکی، اس کے لیے وہی کچھ سے جو اس اُمت نے کیا اور تمہارے لیے وہ سب جو تم نے
کیا، وَلَا تَسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانَتْ اَيْمُنُ لَكُمْ قَدْ خَلَتْ اَنْ تَسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانَتْ اَيْمُنُ لَكُمْ قَدْ خَلَتْ
کہ وہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ تم اپنے کردار کے ذمہ دار ہو۔ وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ مطلب یہ کہ اس
ن کتاب اگرچہ تم اسی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کرتے ہو مگر تم ان سے حصہ سے پر قانع
نہیں ہو سکتے۔ لہذا تمہاری یہ معمولی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ان کے عقیدے اور اعمال بیشک
درست تھے لیکن وہ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتے۔ تمہیں اپنے اعمال کی خود جوابدہی کرنا ہوگی۔
وقتِ ابراہیمی کا ایک اہم ترین اصول "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی" ہے یعنی کوئی
کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمان مبارک شیعہ بھی ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی ہے۔ باپ اور بیٹے کے متعلق فرمایا کہ باپ کا گناہ بیٹے کی گردن پر نہیں ہوگا۔ اور
بیٹے کی زیادتی پر باپ کو چڑھا جائے گا۔ ہر کوئی اپنے کام کا ذمہ دار ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ
انبیاء علیہم السلام کی طرف محض نسبت کر لینا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک ان کی پوری پوری اتباع
نہیں کی جائے گی

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ کا دہرایا جانا خاص مقصد کی بنا پر ہے
صرف اہل کتاب کے لیے تو یہ آیت ایک دفعہ ہی کافی تھی۔ اب جو دوسری دفعہ اس کا تکرار کیا گیا ہے
تو اس سے مراد اہل اسلام کی تفسیر ہے کہ اہل کتاب کی طرح وہ بنی خالی نسبت پر تکیہ نہ
ہمیشہ رہیں۔ بلکہ وہ اپنے عقائد اور اعمال کو پاک کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں علیہ السلام کے احکام کی پابندی
ریں۔ تو ان کے لیے ایسی راہ نجات کھل سکتی ہے۔ اپنے اعمال کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ آج کل
کے پیر پوئل، امیر زادوں، کدی نشینوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے آپ کا محاسبہ کریں۔
آباد اجداد کی خالی نسبت کسی کام نہیں آئیگی۔ باپ نیک و صالح تھا تو اس کا عمل اس کے ساتھ ہے
بیٹے کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ نسبت اگرچہ مفید ہوگی بس بزرگوں کے خصائص سے حصہ لینا ہوگا۔

اماموں کے ساتھ نسبت کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہی سال شارح طریقت کا ہے۔ اپنی نسبت بلند خاندانوں کی طرف کرتے ہیں۔ مگر ان کی ایک خوبی بھی نہیں پائی جاتی۔ آج ہشتیہ اور قادر یہ سلسلہ کی طرف نسبت کرنے والے کتنی لغزات میں غوث ہیں۔ کیا شیخ عبد القادر جیلانی کا یہی طریقہ تھا۔ ان کی کتابیں موجود ہیں۔ ان کے مواظظ اور دیگر تصنیفات ہیں۔ ایک ایک نقطہ سے ایمان اور حقیقت نیک رہی ہے۔ کفر اور شرک سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے مگر ان کی طرف نسبت کرنے والے کفر و شرک اور بدعت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے عرس منائے جاتے ہیں۔ ان کی قبروں پر چڑھاٹے چڑھائے جاتے ہیں۔ رسومات باطلہ کا دور دورہ ہے۔ مگر نسبت ان کی طرف ہے۔ ایسی نسبت کیا فائدہ ملے گی۔

ہشتی پائے آپ کو خواجہ حسین الدین ہشتی سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں خواجہ حسین الدین ہشتی، خواجہ فرید الدین شکر گنج، خواجہ نظام الدین لویا، جیسے شارح کے ذریعے اسلام کی آبیاری ہوئی۔ ان کے ذریعے برصغیر کے کتنے لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ کتنے لوگوں کا حلق ہائے قائم ہوا۔ ایسے بزرگوں کا اس خطہ ارضی پر کتنا احسان ہے۔ مگر تاج انہیں کے پرکار ہشتیہ خاندان کی طرف نسبت کرنے والے راگ، رنگ اور گانے بھجنے میں مشغول ہیں۔ قرالی کا نام دے کر کتنی ہی رسوم باطلہ کو اپنایا جا رہا ہے۔ مگر جیسا کہ بیان ہو چکا۔ یہ خالی نسبت کام نہیں آتی۔ جب تک ان بزرگوں کے نقش قدم پر نہ چلیں گے۔ اسی چیز کو یودیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اہل ایمان کو کھجایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی یودیوں کے راستے پر نہ چل نکلیں۔ بلکہ اپنے اندر حقیقی ایمان بیدار کریں۔

ہم سے ہاں امام البرہنہ کی طرف نسبت کر کے حنفی کھلانے والے لوگوں کی اکثریت سے مگر ان میں سے کتنے ہیں جو صحیح معنوں میں امام صاحب کے طریق پر چلے جاتے ہیں۔ محض حنفی کھلانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جب تک آپ کا اتباع نہ ہوگا۔ اسی طرح امام شافعی کی طرف نسبت کرنے والے ہیں۔ وہ بھی اپنے طریقہ پر قائم نہیں ہیں۔ دل میں تعصب بھرا ہوا ہے۔ لاکھ شافعی کھلائیں، کچھ فائدہ نہیں۔ اس قسم کی خالی نسبت تو وہی یودیوں والی نسبت ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خیر دار کیا ہے۔ کہ ایمان لانے کے باوجود یودیت کا راستہ

انتیارتہ کریں۔ اور صحیح معنوں میں ملت ابراہیمی اور شریعت محمدی پر قائم رہیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان والوں کا نام لے لے کر فرمایا: اے بنی ہاشم، اے بنی عبد المطلب خبردار! ایں نہ ہو کہ قیامت کے دن لوگ اعمال لے کر آئیں۔ اور تم محض خاندانی تعلق اور رشتہ داری لے کر آؤ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ آج اپنی فکر کر لو۔ اَنْفِذُوا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ اپنی جانوں کو دروغ سے بچا لو۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ایمان کو درست کرو۔ اعمال صالحہ کی دولت حاصل کرو۔ اس طرح تم کو آخرت میں درجات نصیب ہوں گے

فرمایا یہ امت سبے جو گزر چکی۔ جو کچھ اس امت نے کیا وہ اس کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کے تعلق نہیں پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کب کرتے تھے۔ بلکہ تمہاری باز پرس تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ تم سے سوال ہوگا۔ کہ تم نیکی اور توحید پر کار بند تھے یا نہیں۔ تم شرک، بدعات اور رسومات باطلہ سے بچ سکے یا نہیں۔ تم توحید کی دعوت دیتے تھے یا شرک و افعال کی طرف جھٹکتے تھے۔ تم نیکی اختیار کرتے تھے یا لڑائی بھگڑنے میں مصروف رہتے آج اپنا محاسبہ کر لو۔ قیامت کے دن تمہارے کاموں کے تعلق تو سے پوچھا جائیگا۔

علماء کرام، طلباء عظام اور عوام الناس کے لیے گرانقدر علمی تحفہ

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے علوم اسلامیہ

مقدمہ 'اضافہ' حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

یہ کتاب حضور ﷺ کے شمائل و خصائل کے شعبہ میں امام ترمذیؒ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے جو کہ مدارس میں درس نظامی کے نصاب میں بھی داخل ہے اس کتاب کے کل چھپن ابواب ہیں جن میں سے ابتدائی پچیس ابواب کی شرح نہایت دلنشین اور اچھوتے انداز میں منظر عام پر آگئی ہے۔ کتاب کی احادیث پر اعراب، سلیس اردو ترجمہ، عمدہ تشریح اور حواشی میں روایات کے اسماء و کنی، القاب، بن موالید و وفیات کے علاوہ بہت سے علمی، تحقیقی مواد پر مشتمل و محتوی ہے۔ عمدہ کتابت، نفیس طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۵۰۸ صفحات پر مشتمل جلد اول کی قیمت صرف ۱۳۰ روپے ہے باقی ابواب کی شرح انشاء اللہ العزیز جلد دوم میں شائع ہوگی۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان

معالم العرفان و ذروس القرآن

المقامات

مفتی محمد رفیع صوفی عبدالحامید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بیال احمد نائی صاحب

مطبوعہ

الحق علی دین صاحب (ایم۔ بی۔ بی۔ اے)

زیر انتظام

انجمن مجاہدان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

ہند سکریٹری

بابو غلام حیدر صاحب

فرائض

محمود انور بیٹ ایڈووکیٹ

ماہنامہ مکتبہ المکرمہ

محمد رفیع صاحب Ph 221943

مکتبہ ذروس القرآن گوجرانوالہ